هدایت

ڈاکٹر عبدالخالق

اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ط

(ھود ۱۱: ۸۸)

میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک بھی میرا بس چلے

ہدایت

ڈاکٹر عبدالخالق

(ایم بی بی ایس)

نام کتاب: ہدایت

مؤلف: ڈاکٹر عبدالخالق
(ایم بی بی ایس)

ترتیب وتدوین: پروفیسر ڈاکٹر اختر حسین عزمی
(0322-7627507)

ناشر: عبداللہ شکیل
(03004498958 , 03224498958)
مکتبہ دارالاصلاح بھائی پھیرو

کمپوزنگ: عقیل خان
یاسر مدثر کمپوزنگ سنٹر جمبر
(0301-4251658)

طبع اول: یکم جمادی الاول ۱۴۲۷ھ

تعداد: ۱۰۰۰

طبع دوم: یکم محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

تعداد: ۱۰۰۰

مطبع: شعیب اتحاد پرنٹنگ پروسیس بھائی پھیرو

قیمت: ۱۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ دارالاصلاح ملک کالونی بھائی پھیرو ضلع قصور

موبائل: 0300-4498958 , 0333-4495674 کلینک: 049-4510325

حسن ترتیب

کچھ مصنف کے بارے میں

ضلع شیخوپورہ کی شمالی سرحد پر راوی کنارے کھوکھروں کی بستی میرووال مغل بادشاہوں کے زمانے میں آباد ہوئی۔ وہاں پر فوجی چوکی اور اسلحہ سازی کا کارخانہ بنایا گیا۔ ڈاکٹر عبدالخالقؒ کے جد امجد مغل خاندان کے محمد بخش اس کارخانے میں ملازمت کے لیے میرووال میں آباد ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حاجی محمد ابراہیم سناروں کا کام کرتے تھے۔ پاکستان کے قیام سے پہلے بستی میں دوسو دکانیں، مڈل سکول اور سول ڈسپنسری تھی۔ اکثر لوگ ترک سکونت کر چکے ہیں۔ بمشکل سو خاندان آباد ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ ۱۹۳۹ء میں میرووال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ملحقہ مسجد اور مڈل سکول سے حاصل کی۔ میٹرک بدوملہی، ایف ایس سی اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور اور ایم بی بی ایس نشتر میڈیکل کالج ملتان سے کیا۔ ایم بی بی ایس کے بعد ۱۱ سال گورنمنٹ ملازمت کی اور ۱۹۷۴ء سے وفات تک ضلع قصور کے شہر بھائی پھیرو میں مستقل رہائش پذیر رہے۔

ڈاکٹر صاحبؒ کی عمر نو ماہ تھی کہ آپ کے والد حاجی محمد ابراہیم نے آپ کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور سید بہادر علی شاہ ولد سید سلطان بخش مرحوم کو گود دے دیا۔ سید بہادر علی شاہ بے اولاد تھے۔ انہوں نے اس بچے کو بڑے پیار اور خلوص سے پالا اور زندگی کی آخری سانس تک ڈاکٹر عبدالخالق صاحبؒ کی تعلیم و تربیت میں لگے رہے۔ ان کو تصوف کے اسباق کے علاوہ دنیاوی تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ یہ سید مرحوم کی کوششوں کا فیض ہے کہ راوی کنارے کی بستیوں میں سے آپ پہلے شخص تھے جو ڈاکٹر بنے۔

سید بہادر علی شاہ مرحوم کی صحبت کی وجہ سے بچپن ہی سے آپ کو یہ شعور حاصل ہو گیا کہ وہ دین کی خدمت کے لیے وقف ہیں۔ اس لیے ان میں دینی علم اور تصوف کے اسباق میں ذوق و شوق پیدا ہوا۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے تصوف کی کتابیں بھی پڑھیں، عربی زبان،

قرآن کا ترجمہ اور درس وتدریس میں بھی دسترس حاصل کی۔ یوں سن بلوغت تک پہنچتے پہنچتے آپ واقعتاً دین کی خدمت کے لیے وقف ہو چکے تھے۔حاجی ابراہیم بچے کی پرورش اور نگرانی میں باقاعدہ شریک رہے۔تعلیم پر اُٹھنے والے زیادہ تر اخراجات خود برداشت کیے۔ باپ بیٹے میں محبت وشفقت کا سلسلہ ساری عمر جاری رہا۔حاجی محمد ابراہیم اور سید بہادر علی شاہ چونکہ ایک ہی بستی میں رہتے تھے اس لیے دونوں گھروں کے درمیان محبت وشفقت کا سلسلہ جاری رہا۔ڈاکٹر صاحبؒ کی تربیت محبت کرنے والے لوگوں نے کی اس لیے آپ کی طبیعت میں بھی شفقت اور نرمی پائی جاتی تھی اور رشتہ داروں اور بستی والوں سے محبت کے تعلقات آخر وقت تک استوار رہے۔

سید بہادر علی شاہ کے علاوہ آپ نے ۱۹۷۴ء میں علاقہ چھچھ کے مولانا عبدالغفور قادری سکنہ دریا شریف نزد حضرو ضلع اٹک کی بیعت کی۔ ان کی وجہ سے ذکر واذکار اور قرآنی علوم سے شغف پیدا ہوا۔۱۹۸۸ء میں آپ نے مولانا غلام ربانی چشتی صابری سکنہ چشت نگر ضلع ملتان کی بیعت کی۔ مولانا موصوف نے آپ کو خلافت بھی عطا کی۔۱۹۸۸ء میں واصف علی واصف کی صحبت اختیار کی اور ان کی جمعرات کی مجلسوں میں شریک رہے۔تصوف کے اسباق میں واصف علی واصف کا فیض بھی شامل ہے۔واصف علی واصف کی وفات تک یہ سلسلہ ملاقات جاری رہا۔

۱۹۶۰ء میں جب نشتر میڈیکل کالج میں زیرِ تعلیم تھے تو فیصل آباد کے ڈاکٹر کفایت اللہ (ناظم اسلامی جمعیت طلبہ نشتر میڈیکل کالج) سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں کلاس فیلو تھے۔ان کے ذریعے مولانا مودودیؒ کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ چونکہ آپ پر تصوف کا غلبہ تھا،اس لیے مولانا مودودیؒ کو خط میں لکھا کہ میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ مولاناؒ نے جواب دیا میں بیعت نہیں کرتا۔آپ کتابیں پڑھیں جب آپ کے شعور میں اضافہ ہوگا تو پھر آپ کو اسلام صحیح سمجھ آجائے گا۔اس زمانے میں مولانا مودودیؒ، ایوب خان کے زیرِ عتاب تھے۔ان کی ڈاک سنسر ہوتی تھی۔اس لیے ڈاکٹر صاحبؒ سے تفتیش کے لیے انٹیلی جنس والے ان کے گھر چلے گئے جس پر والد صاحب نے خوب ڈانٹ ڈپٹ کی۔اس کے ردّعمل نے ایک صوفی مزاج شخص کو کارزار

سیاست میں دھکیل دیا۔ پہلے مولانا مودودیؒ کی صرف کتابیں پڑھی تھیں اب ان سے باقاعدہ ملاقات کی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن کی حیثیت سے ضلع ملتان میں بھرپور کام کیا۔ مولاناؒ کی وفات تک رفاقت اور ملاقات کا سلسلہ چلتا رہا۔ جماعت اسلامی میں آپ کی پختگی کی وجہ مولانا مودودیؒ سے براہِ راست ملاقات ہے۔ جماعت اسلامی کے حکم پر آپ نے دو مرتبہ الیکشن بھی لڑا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے مولانا مودودیؒ کی عصری مجلس میں سوال کیا کہ دیہات میں کام کرتے ہوئے بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ مولاناؒ نے جواب دیا کہ مرجع خلائق بنیں، لوگوں کی خدمت کریں، ان کی مشکلات ومصائب میں ان کی فی سبیل اللہ مدد کریں۔ جب آپ خلقت کی توجہ کا مرکز بن جائیں گے تو ان شاء اللہ آپ کے سیاسی معاملات بھی مستحکم ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے مولانا کی نصیحت پر عمل کیا اور واقعی مرجع خلائق بنے۔ ۱۹۶۳ میں ڈاکٹر صاحبؒ جماعت اسلامی کے متفق اور ۱۹۷۴ء میں ملازمت سے استعفیٰ دے کر باقاعدہ جماعت اسلامی کے رکن بنے۔ جماعت اسلامی میں امیر ضلع، رکن صوبائی ومرکزی شوریٰ جیسی مختلف ذمہ داریوں پر اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے رات دن اللہ کے دین کے لیے وقف رہے۔

۱۹۹۱ء میں چوہنگ ضلع لاہور میں پریکٹس شروع کی۔ وہاں طارق منعم صدیقی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ارادہ ظاہر کیا کہ میں آپ سے دین سیکھنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے وعدہ کر لیا اور سوچا کہ کیوں نہ ایک ادارہ بنا دیا جائے جس میں اور لوگ بھی دین سیکھنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ دس محرم الحرام ۱۴۱۲ھ بمطابق ۲۳ جولائی ۱۹۹۱ء کو چوہنگ میں ڈاکٹر صاحبؒ کے نوشاگردوں کا اجتماع ہوا۔ اس میں ''دارالاصلاح'' کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا جس کا ابتدائی خاکہ اور دستورالعمل تیار کیا گیا۔ اس دن سے آج تک ''دارالاصلاح'' کام کر رہا ہے اور تقریباً ۴۰ کے قریب مستقل شاگرد اس چشمۂ علم سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ آپ ایک اچھے آئی سرجن تھے۔ صبح ۹ بجے سے دوپہر ۱ بجے تک کلینک پر پریکٹس کرتے اس کے بعد روزانہ تبلیغی دورہ جات

کے لیے پنجاب بھر کے مختلف علاقوں میں جاتے۔ڈاکٹر صاحبؒ روزانہ کی بنیاد پر ماہوار پروگرام مرتب کرتے اور اس پر باقاعدگی سے عمل کرتے۔اپنے تمام کام خود کرتے۔پیر اور جمعرات کا پیرانہ سالی اور مختلف بیماریوں کا شکار ہونے کے باوجود مستقل روزہ رکھتے تھے۔

۲۸ اپریل ۲۰۰۷ء کو جب ماہانہ پروگرام کے سلسلے میں چونیاں تشریف لے جانے کے لیے بس سٹینڈ پر پہنچے تو دل کا شدید دورہ پڑا،خود ہی نزدیکی میڈیکل سٹور پر سوا لینے گئے تو ایک شخص اپنی بیماری کے بارے میں مشورہ کرنے آ گیا۔ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی تکلیف نظرانداز کر کے اسے نسخہ لکھ کر دیا۔ان کے بھتیجے ڈاکٹر داود پرویز انہیں لے کر لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔راستہ میں چھوٹے بیٹے انس مجاہد سے بات کی۔ڈاکٹرز ہسپتال کے قریب طبیعت زیادہ خراب ہوگئی جس کی وجہ سے انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی کی بجائے فوری طور پر ڈاکٹرز ہسپتال لے جایا گیا جہاں انہوں نے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ہدایت کا ترمیم شدہ ایڈیشن ۲۰۰۷ء میں شائع ہونا تھا مگر اس میں تاخیر ہوتی رہی یہاں تک کہ ڈاکٹر صاحبؒ ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔کوتاہی سے مزید تاخیر ہوتی گئی حتیٰ کہ انیسواں سالانہ اجتماع آ گیا۔ڈاکٹر صاحبؒ کی رحلت کے بعد پروفیسر ڈاکٹر اختر حسین عزمی نے کتاب کی نوک پلک سنواری،مضامین کی ازسرنو ابواب بندی اور ترتیب وتدوین میں مدد بھرپور مدد کی۔زبیر مجاہد نے کتاب میں قرآنی آیات وترجمہ اور ملک محمد صدیق فانی نے پرنٹنگ میں مدد کی، ان کے علاوہ سب احباب کا شکریہ جن کے تعاون سے الحمدللہ ہدایت کا دوسرا ایڈیشن آج آپ کے سامنے ہے۔ڈاکٹر صاحبؒ کے باقی مواد کو بھی ان شاءاللہ جلد کتابی شکل دے دی جائے گی۔

عبداللہ شکیل

یکم محرم ۱۴۳۱ھ

عرض مصنف

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلٰوۃ والسلام علی رسولہ النبی الکریم

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

قصور کی ایک تربیت گاہ میں مجھے سورۃ النحل کی آخری آیات پر درس دینے کا موقع ملا:

وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۞ وہ راہ راست پر چلنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

(النحل ۱۶:۱۲۵)

اس درس کی تیاری کے دوران اور سفر میں خیالات کا ایک ہجوم تھا جس نے میرے دماغ کو گھیر لیا:

قَدۡ جَآءَكُمُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنِ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے

اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ جو کوئی ہدایت پالے گا وہ ہدایت اسی کے لیے مفید ہو گی۔

(یونس ۱۰:۱۰۸)

گھر آ کر میں نے ''دعوت دین کا کام کیسے کریں'' کے نام سے ایک کتاب لکھنا شروع کر دی جس میں سورۃ النحل سے حاصل کی گئی ہدایات کو مرکز بنا کر ایک تفسیری انداز اپنایا اور سورۃ النحل کے ایک ایک لفظ پر کئی صفحات لکھ دیے۔ لفظ ہدایت پر جو مضمون بنا اسے ۱۹۹۸ء میں شائع کروا دیا۔ احباب نے اسے بہت پسند کیا۔

کتاب کی اشاعت کے بعد میں نے ہدایت کے موضوع پر تدبر کیا تو کئی مقامات پر تشنگی محسوس ہوئی تو میں نے دوسرے ایڈیشن میں ترمیم و اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ کئی صفحات دوبارہ لکھے، کئی حوالوں کا بھی اضافہ کر دیا، کئی فقرے کاٹ کر نئے لکھ دیے، کچھ مضامین کی ترتیب بھی بدل دی اور عنوانات کا بھی اضافہ کیا۔ اس طرح ساری کتاب پر نظر ثانی کی گئی ہے۔ الحمدللہ یہ نیا ایڈیشن اپنے محاسن اور نفس مضمون کے اعتبار سے پہلے ایڈیشن سے بہتر ہے۔

دارالاصلاح ایک تعلیم وتربیت کا ادارہ ہے۔اس میں اوسطاً ۱۳۰افراد سبق لیتے ہیں۔ ادارے کے اسباق میں ہدایت کا یہ موضوع کئی دفعہ زیر بحث آچکا ہے۔الحمدللہ دارالاصلاح کے ذریعے اصلاح کی روشنی پھیل رہی ہے۔گو اس کی رفتار بہت کم ہے لیکن اللہ کے فضل سے یہ ترقی پذیر ہے اور حق کی تلاش کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک ساری دنیا میں چل رہی ہے۔جہاں امارت اور مشاورت کا نظام ہے وہاں تعلیم وتربیت کا بھی ایک بہتر نظام موجود ہے۔پاکستان میں نظام تعلیم وتربیت بہت ناقص اور اختلافات کا شکار ہے۔ایسے گھٹن کے ماحول میں یہ سادہ تحریر ان شاءاللہ فہم وادراک، سیرت وکردار اور اخلاق واطوار میں بہت بڑے انقلاب کا ذریعہ بن سکتی ہے۔کوئی حق کا متلاشی یہ کتاب پڑھے گا تو ان شاءاللہ لازماً فائدہ پہنچے گا۔

آخر میں عزیزم پروفیسر ڈاکٹر اختر حسین عزمی، بابر اسماعیل، محمد ارشد چوہدری، عقیل احمد خان اور عبداللہ شکیل کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے تعاون سے یہ کتاب چھپنے کے قابل ہوسکی۔

خاکسار

عبدالخالق

دارالاصلاح بھائی پھیرو ضلع قصور

۱۰محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

مقدمہ

زندگی ایک سفر ہے جس کا پیمانہ میل، کلومیٹر نہیں وقت ہے جو سال، مہینے، دن، گھنٹے اور منٹوں میں ناپا جاتا ہے۔ اس سفر میں بہت سے مراحل آتے ہیں جن کا پیشگی علم ضروری ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر انسان کو رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر ہدایت دی۔ (طٰہٰ ۲۰:۵۰)

اگر کوئی طریقہ وسلیقہ نہ ہو تو زندگی عذاب اور مشکل مرحلہ بن جاتا ہے۔ اس لیے انسان کو خلافت کی ذمہ داری دیتے وقت سب سے پہلے جو نعمت دی گئی وہ علم تھا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا (البقرہ ۲:۳۱) اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔

روزمرہ زندگی کے کام صحیح طریقے سے کرنے اور ان کے اچھے نتائج لینے کے لیے انسان کو ہدایت کی ضرورت ہے۔ چند لمحات کے لیے ایمان اور آخرت کو نظر انداز کر کے صرف دنیاوی معاملات پر غور کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس دنیا کے موجودہ نظام کو بھی صحیح انداز میں چلانا ایک ضرورت ہے اور یہ نظام زندگی اسی وقت صحیح طرح سے چلے گا جب اسے چلانے والے نیک، خدا سے ڈرنے والے اور سمجھ دار ہوں گے۔ زندگی کے امور کو صحیح انداز میں چلانے کے لیے اسلام کی پیروی ضروری ہے خواہ بظاہر وہ کام عام نوعیت کے ہوں۔ شادی، کاروبار وغیرہ کو اگر صحیح انداز میں چلانا ہے تو اس کے لیے بھی رہنمائی ضروری ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ دنیاوی کامیابیوں اور آخرت میں جنت اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہدایت ہر انسان کی

ذاتی ضرورت ہے۔جس طرح زندگی کا نظام چلانے کے لیے گندم، گوشت، پانی، چار پائی، مکان ، ذرائع مواصلات، تعلیم، فن، رزقِ حلال ضروری ہے، اسی طرح ان دنیاوی چیزوں کے مناسب حصول کے لیے بھی ہدایت ضروری ہے۔انسان زندگی کے کسی شعبے کو لے لے، ہر جگہ اسے اللہ کی رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوگی۔ جو لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم اللہ کی وحی اور ہدایت کے بغیر بھی خوش حال زندگی گزار سکتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔اللہ کی رہنمائی کے بغیر جو زندگی بنتی ہے اس میں فتنہ وفساد کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے۔آج مسلمان نے اللہ کو چھوڑ کر انسان کے بنائے ہوئے ضابطے اپنا لیے اس لیے ذلیل وخوار ہو رہا ہے:

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰن ج فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝ (النمل ۲۷:۹۲)

اور میں قرآن پڑھ کر سناؤں اب جو ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی بھلے کے لیے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہ ہوا اس سے کہہ دو کہ میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں۔

وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (طٰہٰ ۲۰:۴۷)

اور سلامتی ہے اس کے لیے جو راہ راست کی پیروی کرے۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَایَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ۝ (طٰہٰ ۲۰:۱۲۳)

جو کوئی اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا۔

مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِه ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ط (بنی اسرائیل ۱۷:۱۵)

اب جو سیدھی راہ اختیار کرے اس کی راست روی اس کے لیے مفید ہے، اور جو گمراہ ہو اس کی گمراہی کا وبال اسی کے لیے ہے۔

فَمَنِ اهْتَدَی فَلِنَفْسِهِ ط وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَاط وَمَا أَنتَ عَلَیْهِم بِوَکِیلٍ ۝ (الزمر ۳۹:۴۱)

اب جو سیدھی راہ اختیار کرے گا اپنے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا اس کے بھٹکنے کا وبال اسی پر ہوگا، تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔

یہ انسانی کمزوری ہے کہ وہ خواہ کتنا نیک اور پارسا کیوں نہ ہو، اس کے خیالات اور عقائد حالات، واقعات، تعصّبات، رسم ورواج، آبائی ماحول، قبائلی رسوم، مسائل اور مشکلات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر اسے تنہا چھوڑ دیا جائے اور وحی کے ذریعہ ہدایت سے محروم کر دیا جائے یا دن بدن اسے تازہ ہدایت نہ ملے تو اس کے گمراہ ہو جانے کے امکانات ہیں۔ اس لیے بھی یہ انسان کی ذاتی ضرورت ہے کہ اسے دین پر استقامت کے لیے متواتر ہدایت ملتی رہنی چاہیے تا کہ اس کے علم وعرفان میں ترقی ہو اور راہ حق میں آنے والی کامیابیوں، رکاوٹوں اور قربانیوں پر اسے شرح صدر حاصل رہے۔ انسانی زندگی میں بہت سے اختلافات ہیں۔ فلسفہ وسائنس کی بہت سی گمراہیاں ہیں ۔کئی ایک مقامات پر خود اسلام کے دعویداروں کے بھی پھسل جانے کے امکانات ہیں۔ اس لیے یہ انسان کی ذاتی ضرورت ہے کہ اختلافات کی نذر ہونے اور پھسل جانے سے بچنے کے لیے اسے اللہ کی توفیق مہیا ہو اور ہر دم قرآن کی ہدایت سے مستفید ہو۔ راہ حق کے سفر میں ہر قدم پر ہدایت حاصل کرنا لازمی ہے۔

ہدایت

تکوینی وفطری ہدایت

اس علم کے لیے کسی کتاب کی ضرورت نہیں بلکہ ہر جاندار کو پیدائش کے ساتھ ہی مل جاتا ہے۔ مرغی کا چوزہ جب پہلی حرکت کرتا ہے تو سب سے پہلے چونچ مار کر انڈے کو توڑ دیتا ہے اور انڈے سے باہر آ کر دانہ دنکا چگنے لگتا ہے، مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دیتا ہے، انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی منہ کھول دیتا اور دودھ پینا شروع کر دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ پرندے کو اڑنا، مچھلی کو تیرنا، آنکھ کو دیکھنا اور کان کو سننا کس نے سکھایا؟ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ باری تعالیٰ نے جب آنکھ کی تخلیق کی تو دیکھنے کے طریقے سلیقے بھی ساتھ ہی سکھا دیے۔ یہ وہ ہدایت ہے جو اللہ کے حکم سے تقسیم ہوتی ہے اور مخلوق کو اس کے اندازِ تخلیق اور ضروریاتِ زندگی کے مطابق ملتی ہے۔ اس ہدایت کے لیے کسی استاد، کتاب اور رہنما نہیں چاہیے۔ یہ وہبی رہنمائی جز وقتی نہیں بلکہ ساری زندگی کی ضرورت ہے۔ اس میں بھی ترقی وتنزلی ہوتی رہتی ہے۔ اس کمی یا بیشی کی وجہ اور ضرورت بھی فطری عوامل کے تابع ہے۔ یہ فطری رہنمائی اٹل ہے۔ اس میں کسی انسان کو کوئی اختیار نہیں۔ سبھی اللہ کے فطری فیصلوں کے پابند اور مجبورِ محض ہیں۔ کسی کو یہ قوت حاصل نہیں کہ آنکھ کو سننا اور کان کو دیکھنا سکھا دے۔ اللہ نے فطرت کو جو ہدایت دے دی وہ اس مخلوق کے لیے کافی ہے۔ اس میں ترقی تو ہے کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا:

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ج (الکہف ۱۸:۲۷) کوئی اس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں۔

شرعی ہدایت

ہدایت کی دوسری قسم وہ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے کتابوں اور رسولوں کے ذریعے دیا جسے عرف عام میں شریعت کہتے ہیں۔ اس ہدایت کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ فطری رہنمائی کی تعلیم و تربیت کر کے اسے نکھارا جائے مثلاً دماغ کی فطرت میں یادداشت ہے۔ اس یادداشت کو اچھے اور برے ہر قسم کے خیالات سے بھرا جاسکتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے ذریعے یادداشت کی صلاحیت کو صحیح انداز میں استعمال کر کے انسانی زندگی کے لیے مفید بنایا جاسکتا ہے۔ یہی حالت دوسرے اعضا کی بھی ہے۔ حرکت ہاتھ میں ہے اور اس حرکت کی تربیت کر کے ہزاروں کارخانے چل رہے ہیں۔ اس ہدایت کا دوسرا پہلو علم و آگہی ہے، جس کا مرکز کتاب ہے۔ کتابت کی ابتدا قلم سے ہے:

اَلَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَالَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ جانتا نہ تھا۔ (العلق ۹۶:۴۔۵)

آخری آسمانی کتاب قرآن ہے جو آج ہمارے پاس اپنی اصلی اور صحیح شکل میں موجود ہے۔ اس قرآن کی تعلیم دینے، اعمال صالحہ کی تربیت کرنے اور اوصاف حمیدہ سکھانے کے لیے اللہ نے آخری رسول ﷺ کو بھیجا۔ آپ نے فریضہ رسالت صحیح طریقے سے نبھایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دین نبی ﷺ سے سیکھا، اس پر عمل کیا اور ساری دنیا میں پھیل کر دوسرے انسانوں تک اس کو پہنچایا۔ نسل در نسل قرآن و سنت کی تعلیم و تربیت کا یہ سلسلہ جاری ہے اور ہم نے اپنے شفیق اور رحیم استادوں سے دین حق کی تعلیم پائی۔ اس ہدایت کو صحیح انداز میں حاصل کر کے عوام تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔

رہنمائی کرنے والے کو ہادی اور مرشِد کہتے ہیں۔ ہدایت پانے والے شخص کو مہتد اور مرشَد کہتے ہیں۔ راشد اور رشید بھی ہدایت یافتہ کے معنی ہیں۔ ہدایت یافتہ وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ پر صحیح چل رہا ہے اور جسے اس راستے کا صحیح علم اور آگہی بھی ہے۔ اس راہ کے نشیب و فراز کا صحیح شعور بھی رکھتا ہے۔ اسے صحیح اور غلط کی پہچان ہے۔ حق اور باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔

توفیق الٰہی

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۝ (البقرہ ۲:۲۱۳)
اللہ جسے چاہتا ہے، راہ راست دکھا دیتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰہَ لَھَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۝ (الحج ۲۲:۵۴)
یقیناً اللہ ایمان لانے والوں کو ہمیشہ سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت اللہ کی عطا، عنایت، کرم نوازی اور رحمت ہے۔ یہ اللہ کا اپنا قانونِ قدرت ہے کہ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نہیں دیتا۔ کسی کو تھوڑی ہدایت دیتا ہے اور کسی کو مکمل دین کا شعور زندگی دے کر واپس بھی لے لیتا ہے۔ یہ چند ساعتوں اور چند دنوں کی ضرورت نہیں، ساری عمر کا علم ہے اور اللہ کی توفیق سے یہ رہنمائی ملتی ہے:

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ۝ (الشعراء ۲۶:۷۸)
جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔

وَلِتَکُوْنَ اٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ یَھْدِیَکُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۝ (الفتح ۴۸:۲۰)
اور تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی بن جائے اور اللہ سیدھے راستے کی طرف تمھیں ہدایت بخشے۔

قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی ط (البقرہ ۲:۱۲۰)
اصل ہدایت وہی ہے جو اللہ دیتا ہے۔

لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ ج (الاعراف ۷:۴۳)
ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر خدا ہماری رہنمائی نہ کرتا۔

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ لا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ۝ (ابراھیم ۱۴:۱)
ا، ل، ر۔ اے محمد ﷺ یہ کتاب ہے جسے ہم نے تمھاری طرف نازل کیا تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ، ان کے رب کی توفیق سے، اس خدا کے راستے پر جو زبردست اور محمود ہے۔

مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ ج وَمَنْ
جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور

يُّضْلِلُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ جسے اللہ بھٹکا دے اس کے لیے تم کوئی ولی مرشد نہیں پا سکتے۔ (الکہف ۱۸:۱۷)

خدا کی مشیت اور توفیق سے ہٹ کر کوئی ہدایت پانا چاہے تو اس کا امکان نہیں ہے۔ اللہ ہی کائنات کا مالک ہے اور اس رب العالمین کے تخلیقی منصوبے کا حصہ ہے کہ کس شخص کو ہدایت ملے اور کس شخص کو نہ ملے؟ قرآن کو رحمت کہا گیا ہے اور کس کو اس رحمت کی بارش سے فیض یاب ہونا ہے؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم اور مشیت کے تحت ہوتا ہے۔ اس بادشاہ حقیقی کا اختیار ہے جسے پسند فرمائے، نواز دے۔ خدا کب ہدایت دیتا ہے؟ اس کا جواب خود انسان کے پاس ہے۔ انسان کو آزادی اور اختیار دیا گیا ہے۔ جو انسان ہدایت پانا چاہتا ہے اللہ اسے دے دیتا ہے۔ ہدایت کی طلب انسان کی طرف سے ہوتی ہے البتہ عطا اور کرم نوازی، رحمت و شفقت اللہ کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ خدا کی طرف سے قرآن آ چکا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام تشریف لا چکے ہیں۔ بات انسان کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ اب انسان کی طرف سے رجوع کرنے اور پہل کرنے کا انتظار ہے۔ جب انسان اپنی آزادی کو صحیح انداز میں استعمال کر کے طالبِ ہدایت بنتا ہے تو پھر خدا کی توفیق آگے بڑھ کر اسے سرفراز کرتی ہے۔

ہدایت ایک کم اور زیادہ ہونے والی چیز ہے۔ جب مشیت کے فیضان سے سینہ کھل جائے تو انسان علم حاصل کرتا، صحبت صالح سے تربیت پاتا اور غور وخوض کرتا ہے۔ خیالات پر کنٹرول رکھنے والا احکم الحاکمین دل کو پھیر دیتا ہے۔ ہدایت ترقی کرتی جاتی ہے۔ آزمائش کی بھٹی گرم کر دی جاتی ہے۔ خلوص کا امتحان ہوتا ہے۔ سچ اور جھوٹ کو نکھارا جاتا ہے۔ اللہ کی راہ اور بھی کشادہ ہو جاتی ہے۔ مصیبتوں پر صبر کی توفیق ملتی ہے۔ استقامت کا انعام آ جاتا ہے۔ اس توفیق کے بارے میں کوئی زور یا زبردستی نہیں، انسان اپنی آزاد مرضی سے از خود انتخاب کرتا ہے کہ اس نے کون سا راستہ اختیار کرنا ہے، نیکی کا یا برائی کا؟ قرآن کی بات کو ماننا ہے یا انکار کرنا ہے؟ جب انسان صحیح راستہ چن لیتا ہے تو اللہ نیکی کی راہ آسان کر دیتا ہے اور اگر برائی چن لے تو پھر برائی

کی راہ آسان کر دیتا ہے:

اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ۝ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ۝ وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ۝ وَ کَذَّبَ بَالۡحُسۡنٰی ہ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ۝	درحقیقت تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔تو جس نے (راہ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی) سے پرہیز کیا، اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ (الیل۹۲:۴۔۱۰)
ثُمَّ السَّبِیۡلَ یَسَّرَہٗ ۝	پھر اس کے لیے زندگی کی راہ آسان کر دی۔ (عبس۸۰:۲۰)
وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ اَمۡرِہٖ یُسۡرًا ۝	جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملے میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے۔ (الطلاق۶۵:۴)

اللہ کی توفیق حکمت، علم اور تقدیر کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اللہ کسی کو زبردستی اور اپنی طاقت کے بل بوتے پر مسلمان نہیں بناتا۔ اگر زبردستی ہی مسلمان بنانا مطلوب ہوتا تو پھر انسان کو آزادی اور خلافت کے اختیارات دینے کی کیا ضرورت تھی؟ ہر شخص پیدائشی طور پر فطرتاً مسلمان ہوتا جس طرح پرندے فطرتاً اللہ کے حکم کے پابند ہیں:

قُلۡ فَلِلّٰہِ الۡحُجَّۃُ الۡبَالِغَۃُ ج فَلَوۡ شَآءَ لَہَدٰىکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۝	پھر کہو کہ حقیقت رس حجت تو اللہ کے پاس ہے۔ بے شک اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ (الانعام۶:۱۴۹)
اَفَلَمۡ یَایۡـَٔسِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ لَہَدَی النَّاسَ جَمِیۡعًا ۝	پھر کیا اہل ایمان مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا۔ (الرعد۱۳:۳۱)
وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ ۝	بے شک تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا دیتا مگر اب تو وہ مختلف طریقوں پر ہی چلتے رہیں گے۔ (ہود۱۱:۱۱۸)

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اور جسے اللہ ہدایت دے اسے بھٹکانے والا بھی کوئی نہیں

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝ کیا اللہ زبردست اور انتقام لینے والا نہیں ہے؟

(الزمر ۳۹:۳۷)

باطل قوتیں زور لگا کر بھی اس اللہ کے دوست کو گمراہ نہیں کرسکتیں۔ یہ سب باتیں ثابت کرتی ہیں کہ ہدایت ایک مستقل عمل ہے۔اس کے لیے ہر لمحہ اللہ کی توفیق کی ضرورت ہے:

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ ہرگز نہیں !میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے ضرور ہدایت دے گا۔ (الشعراء۲۶:۶۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول برحق ہے۔اللہ ہر وقت انسان کے ساتھ ہے۔شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اس لیے قرآن اور سنت کے ذریعے بھی ہدایت دیتا ہے اور ساتھ ہونے کی وجہ سے ہر نیا اچھا خیال،اچھا خواب،اچھے ساتھیوں کے مشورے سب اللہ تعالیٰ کی مدد کا حصہ ہیں۔

جولوگ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کرتے ہیں،اللہ تعالیٰ ہر نئی مشکل،مسئلے اور الجھن میں بروقت ہدایت دیتا ہے۔ یہ اللہ کی مشیت اور توفیق سے ہے کہ وہ مسلمان کو الجھن سے نکالنے کا کیا طریقہ اختیار کرتا ہے؟ زندگی میں بڑے بڑے مشکل مراحل آتے ہیں حتیٰ کہ موت اور تباہی بھی آجاتی ہے۔ایسے پرخطر ماحول میں بھی اللہ کی طرف سے سکون قلب،خفیہ وحی،خیال، خواب یا الہام کے ذریعے ایسی تراکیب ذہن میں آجاتی ہیں کہ مفلوک الحال شخص اللہ کی معیت و کرم نوازی کی وجہ سے وقتی پریشانیوں سے نکل جاتا ہے۔

اللہ صبر دیتا ہے، اللہ ہی حوصلہ و جرأت عطا کرتا ہے اور بروقت موقع کی نزاکت کے مطابق ہدایت بھی مل جاتی ہے۔اس ہنگامی رہنمائی کے بھی کئی طریقے ہیں۔قرآن کی کوئی آیت، حدیث،صحابہ رضی اللہ عنہم کا کوئی واقعہ فوراً ذہن میں آجاتا ہے۔اس طرح خیالات،جذبات،احساسات، صبر،حوصلہ،توکل سبھی مشکلات کو آسان بھی بنادیتے ہیں اور مشکل سے گزر جانے کے راستے بھی بتا دیتے ہیں اور یہ سبھی اللہ کی توفیق اور مشیت کا حصہ ہیں۔

توفیق کا دوسرا پہلو بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور قرآن ایک شخص کے پاس پہنچتے ہیں اور

اسے زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ سمجھایا جاتا ہے۔ کھول کر اور بڑی وضاحت سے ماضی کے تاریخی شواہد کے ساتھ بات سمجھائی جاتی ہے۔ اب وہ شخص سوچ سمجھ کر اپنے اختیار کو آزادی سے استعمال کرتے ہوئے دعوت حق کو قبول نہیں کرتا، مذاق اڑاتا ہے، اعراض کرتا ہے، سنجیدگی سے توجہ نہیں کرتا، فخر اور غرور سے رد کر دیتا ہے بلکہ الٹا ظلم اور تشدد پر اتر آتا ہے، خود کو صحیح اور دعوت کو غلط سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کو ہدایت کی توفیق نہیں ملتی۔ چونکہ دل کو دائیں جانب مڑنا تھا، نہ مڑا بلکہ وہ بائیں جانب مڑ جاتا ہے۔ اس کے خیالات و احساسات کا رخ بھی معاندانہ ہو جاتا ہے۔ اب ہر قدم گمراہی کی طرف اٹھتا ہے:

اِنَّھُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ۞ کیونکہ انہوں نے خدا کی بجائے شیاطین کو اپنا سرپرست بنالیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔ (الاعراف ۷:۳۰)

ہدایت کی توفیق سلب ہونے سے وہ ایسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ ساری عمر کے لیے اس نے اپنے لیے حق کے دروازے بند کر لیے۔ ایسے شخص کو کون ہدایت دے سکتا ہے؟

وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ ۞ سچ یہ ہے کہ جسے اللہ بھٹکا دے اسے پھر کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہوتا۔ (المومن ۴۰:۳۳)

مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط جس کو اللہ رہنمائی سے محروم کر دے اس کے لیے پھر کوئی رہنما نہیں ہے۔ (الاعراف ۷:۱۸۶)

وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ سَبِیْلٍ جسے اللہ گمراہی میں پھینک دے اس کے لیے بچاؤ کی کوئی سبیل نہیں۔ (الشوریٰ ۴۲:۴۶)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ جسے وہ گمراہ کر دے، اسے ہدایت دینے والا اور کوئی نہیں ہے۔ اس میں ہماری ہدایت کا ایک اہم نقطہ ہے۔ توحید کے عقیدے میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ مختارِ کل ہے۔ اس کے غلبہ و قوت کا کوئی مقابلہ نہیں، عزیز، قادر مطلق اور

اپنے قوانین کو نافذ کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ اپنے منصوبے نافذ کرنے کے لیے کسی فرشتے یا کسی غیر مرئی قوت کا بھی محتاج نہیں۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کی قوتوں کا اندازہ لگاتے ہیں تو پھر ہمیں ان آیات کا مفہوم سمجھ آ جاتا ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی کتاب اور اس کے پیارے رسول ﷺ کا انکار کر کے کوئی شخص کس بل بوتے پر خدا سے ہدایت کی توفیق پا سکتا ہے؟ ہدایت پانے کا ایک طریقہ تھا کہ اللہ کے پیغام کی قدر اور احترام کرتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیتے لیکن انکار کرنے والے نے اللہ کی بات کو کوئی وزن نہیں دیا، اس سے اعراض کیا اور ہلکا سمجھا۔ اللہ کی مشیت اس شخص کی ہدایت کا راستہ روک دیتی ہے اور پھر اس بھری دنیا میں کوئی صاحبِ فہم وفراست نہیں جو اسے سیدھے راستے پر لا سکے۔ ایسے ابوجہلوں کا انجام صرف موت ہوتا ہے۔ موت سے پہلے وہ کسی روشنی کو نہیں پا سکتے۔

آج ہمارے سامنے نیک اور بد ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ ان کے کردار، اخلاق، مالی ومعاشرتی انداز سب ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں لیکن کتنے ہیں جو بداعمالیوں کو دیکھ کر توبہ کرتے ہیں اور اصلاح کا طرز زندگی اختیار کرتے ہیں۔ یہاں تو جبار سے جبار شخص ایک گھونٹ پانی کے لیے اس کی رحمت وربوبیت کا محتاج ہے۔ فالج کا ایک جھٹکا سارا تکبر خاک میں ملا دیتا ہے۔ انسان کی یہ مجال نہ ہونی چاہیے کہ ہدایت جیسے اہم مسئلے پر غیر سنجیدہ رویہ اختیار کرے۔ اہل حق کو بڑی احتیاط سے توفیق ہدایت طلب کرنی چاہیے۔

ایک واقعہ سے توفیق الٰہی کا مضمون سمجھتے ہیں۔ چوہدری مراد خان صاحب گھر سے چلے کہ آج لیلۃ القدر ہے۔ مسجد میں جا کر عبادت کرتے ہیں۔ ساری رات جاگنے اور ذکر اذکار کرنے کا ارادہ ہے۔ حسن اتفاق آج قرآن مجید کا ختم بھی ہے اور مشہور مولانا صاحب کی تقریر دل پذیر بھی ہوگی، حافظ صاحب خوش الحان ہیں، رات ۹ بجے تراویح ختم ہوئیں، مولانا صاحبِ طرز خطیب ہیں۔ خوب زوردار اور مؤثر تقریر ہوئی۔ رات کے ۱۲ بج گئے۔ جلسہ برخواست ہونے کے بعد چوہدری صاحب نے وضو کیا اور نفل پڑھنے شروع کر دیے۔ بہت خوش ہیں کہ مولوی صاحب کی

بتائی ہوئی نشانی روشن ستاروں کے جھرمٹ کی وجہ سے آج واقعی لیلۃ القدر ہے۔ دونفل پڑھ کر ذکر کرنے کے لیے دوزانو بیٹھ جاتے ہیں، ہاتھ میں تسبیح ہے، پہلے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ سارے دن کے تھکے ہوئے ہیں۔ کچھ جلسے نے بھی تھکا دیا۔ نیند آ گھیرتی ہے۔ پندرہ منٹ بیٹھے بیٹھے ہی سوتے ہیں اور پھر صف پر لیٹ کر سو جاتے ہیں۔ رات کے تین بج گئے۔ مؤذن آتا ہے، چوہدری صاحب کو جگاتا ہے کہ اٹھو اور نفل پڑھ لو۔ چوہدری صاحب نیند میں مدہوش پہلو بدلتے ہیں اور پھر سو جاتے ہیں۔ مؤذن دوبارہ جگاتا ہے کہ بھائی صاحب اٹھو سحری میں ۱۵ منٹ رہ گئے، اٹھو اور کھانا کھالو۔ آپ غور فرمائیے، لیلۃ القدر آئی، جگانے والے نے جگایا لیکن یہ صاحب خود ہی سوئے رہیں تو محرومی کا گلہ کس سے کریں؟ توفیق ایسے غافل لوگوں کو کیوں ملے؟ لیلۃ القدر ان کو ملتی ہے جو ڈھونڈنے میں سنجیدہ ہوتے ہیں۔ بقول شاعر

ڈھونڈنے والوں کو تو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِیۡ ۚ وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝ جسے اللہ ہدایت بخش دے وہی راہ راست پاتا ہے اور جس کو اللہ اپنی رہنمائی سے محروم کر دے وہی ناکام اور نامراد ہو کر رہتا ہے۔ (الاعراف ۷:۱۷۸)

ہدایت کی فراہمی، اللہ کا ذمہ

اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے۔ اس نے یہ کائنات اتنی وسیع بنائی کہ اپنی مخلوق کی تمام ضروریاتِ زندگی بھی ساتھ ہی پیدا کر دیں۔ زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھانے اور ہدایت پانے کے ذرائع اور وسائل بھی پیدا کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ذمہ داری کو قبول کرتے ہیں کہ ہدایت دینا انھی کا کام ہے:

وَالَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ (الاعلیٰ ۸۷:۳) جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔

ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیۡهِ وَ هَدٰی ۝ پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کیا، اور اس کی توبہ قبول کی اور اس کو ہدایت بخشی۔ (طٰہٰ ۲۰:۱۲۲)

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى ۞ (الضحیٰ ۹۳:۷) اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى۞ (الیل ۹۲:۱۲) بے شک راستہ بتانا میرے ذمہ ہے۔

وَلَوْ شَاء لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۞ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

(النحل ۱۶:۹)

اللہ کریم نے پوری شفقت ورحمت سے یہ ذمہ داری نبھائی۔فطرت میں ہدایت کا سامان پیدا کیا، انسان کے اندر عقل اور ضمیر رکھا، خارج میں آثار کائنات بنائے، عقل اور ضمیر کی رہنمائی کے لیے کتابیں ارسال فرمائیں اور کتابوں کی توحید اوران پر عمل درآمد کے لیے ہر زمانے، ہر بستی اور ہر قوم کے پاس رسول علیہ السلام بھیجے۔ پھر رسول علیہ السلام کے صالح ساتھیوں کے ذریعے ہر کس و ناکس تک اور رسولوں کو نہ مل سکنے والی قوموں تک ہدایت پہنچائی۔

خدا کا انتظام ہدایت بڑا وسیع اور جامع ہے،کوئی نہ ماننا چاہے تو بات الگ ہے۔ ہدایت پانے والے سنجیدہ افراد کے لیے بڑے اعلیٰ پیمانے پر اہتمام ماضی میں بھی موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔جس طرح دنیا میں رزق کے وسیع وعریض خزانے دنیا میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، اسی طرح ہدایت بھی اللہ تعالیٰ نے فراہم کر دی ہے۔اللہ کی عنایات میں کوئی کمی نہیں۔

تخلیق آدم کے وقت طے کر دیا گیا کہ اسے خلافت ارضی عطا کرنی ہے۔خلافت کے فرائض منصبی ادا کرنے کے لیے بنی آدم کو کچھ صلاحیتیں، آزادی، اختیارات، قوتیں اور مواقع بھی دیے گئے۔ان اختیارات کی حدیں بھی مقرر کر دیں مثلاً فرعون کو اختیار دیا گیا کہ بنی اسرائیل کے دو لاکھ بچے قتل کرسکتا ہے لیکن چاہنے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کر سکا۔ان خلافتی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے اسے طریقہ اور سلیقہ بھی سکھایا۔انسان کے سامنے دو راستے کھول دیے اور اسے بتا دیا گیا کہ ان دونوں میں سے انتخاب کرنے کی اسے آزادی ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ج۞ (البلد ۹۰:۱۰) اور دونوں راستے اسے (نہیں) دکھا دیے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰ هَا (الشمس ۹۱:۸) پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی

اِنَّـا هَـدَ يۡـنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًاوَّاِمَّا كَفُوۡرًا ۝ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا بنے۔ (الدھر ۷۶:۳)

صحیح وغلط، نفع ونقصان، ہدایت وگمراہی، اتفاق وانتشار، امن وفساد، روشنی وتاریکی، دوستی ودشمنی، غرض یہ کہ دنیا میں پیش آنے والے سبھی اچھے اور برے کام سمجھا دیے۔ زندگی کا ہر پہلو کھول کر رکھ دیا۔ پوری روشنی میں اسے سوچنے اور سمجھنے کا موقع دیا گیا۔ آج دنیا میں علمی نقطہ نظر سے ہر قسم کی کتاب مل جاتی ہے۔ اللہ کی راہ کی طرف بلانے والی کتابیں ہر زبان میں مل جاتی ہیں۔ اسی طرح گمراہ کرنے والی کتابیں بھی ارزاں اور وافر مقدار میں مل جاتی ہیں۔

سائنسی ذرائع، فلم، ویڈیو، انٹرنیٹ، کمپیوٹر اور ذرائع ابلاغ ہر چیز کے دو پہلو نمایاں ہیں۔ ایک طرف نفع اور دوسری طرف نقصان، نیکی اور بدی، عقل مندی اور بے وقوفی، علم اور جہالت، ہدایت اور گمراہی۔ مجھے کوئی نئی ایجاد ایسی نہیں ملی جس کا صرف فائدہ ہی ہو نقصان نہ ہو۔ اسی طرح صرف نقصان ہی ہو کوئی فائدہ نہ ہو مثلاً ہوائی جہاز ایک محفوظ اور تیز ذریعہ سفر ہے لیکن پاکستانی صدر ضیاء الحق اسی ہوائی جہاز کے حادثے میں فوت ہوا۔ موجودہ امریکی جنگ (Crusade) جہازوں کے ٹکرانے سے ہی شروع ہوئی۔ اسی طرح نیکی اور بدی کی طرف رہنمائی کرنے والے ترقی یافتہ سائنسی وغیر سائنسی ذرائع آج بھی موجود ہیں۔ نیکی یا بدی کی راہ اختیار کرنا اور اپنی آزادی کا صحیح یا غلط استعمال کرنا کلیتاً انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اس اختیار میں اس پر کوئی دباؤ نہیں۔ اسے انتخاب کی پوری آزادی ہے:

قَدۡتَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَيِّ ج صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی۔

(البقرہ ۲:۲۵۶)

صرف دلیل سے سمجھایا گیا ہے اور ہدایت اور گمراہی کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ یہ انسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ کون سا راستہ پسند کرتا ہے؟ یہی وہ امتحان ہے جس کا ذکر قرآن میں متعدد بار آیا ہے:

الَّـذِىۡ خَـلَـقَ الۡـمَوۡتَ وَ الۡحَيٰوةَ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے؟
(الملک ۶۷:۲)

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاط یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تا کہ ان لوگوں کو آزمائیں ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے؟ (الکہف ۱۸:۷)

قیامت کا فیصلہ اسی امتحان کے پاس یا فیل ہونے پر مبنی ہے۔اس امتحان میں پاس ہونے کا راستہ بھی بتا دیا۔ اللہ کی طرف سے قرآن آ گیا، رسول اللہ ﷺ آ گئے اور خلافت راشدہ کا ایک نمونہ بھی قائم ہو گیا۔ انسان کی آزادی کی حد بہت وسیع ہے۔ اگر انسان نیکی کرنا چاہے تو فرشتوں سے زیادہ عابد و زاہد بن سکتا ہے اور اگر برائی کرنا چاہے تو شیطان سے بھی زیادہ بدکار بن سکتا ہے۔ انسان کو قرآن عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ هَـٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًاط یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔ (المزمل ۷۳:۱۹)

اللہ کی طرف سے تو حق آ گیا۔ باطل بھی واضح کر دیا گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ حق کو کیا قبولیت حاصل ہوتی ہے؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسلام کی طرف بلایا:

وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِط (الصّف ۶۱:۷) حالانکہ اسے اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو۔

قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ قف تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ (یوسف ۱۲:۱۰۸)

اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَا بِ۝ (الرعد ۱۳:۳۶) میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

اس پکار کا جواب (استجاب) انسان کے پاس ہے۔ جو لوگ اللہ کی اس پکار کا صحیح جواب لبیک کی شکل میں دیتے ہیں، ان کے لیے ہدایت کی راہ ہموار، آسان اور منزل پر لے جانے والی بن جاتی ہے۔ غزوۂ احد میں ۷۰ مسلمان شہید اور سو کے قریب زخمی ہو گئے۔ خود رسول اللہ ﷺ

بھی زخمی تھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا غم بھی بہت شدید تھا۔ ایسے میں اللہ کا حکم آ گیا کہ کافروں کا تعاقب کرنا ہے تو نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا اور کہا کہ تعاقب میں چلنا ہے۔ ان تھکے ہوئے، بیمار اور زخمیوں نے اللہ کی پکار پر لبیک کہا اور کافروں کے تعاقب میں چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بہت خوش ہوا:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ م بَعْدِمَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ط (آل عمران ۳:۱۷۲)	جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہا۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ج (الانفال ۸:۲۴)	اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول ﷺ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔

پس طالبِ ہدایت کے لیے حق کی پکار کا صحیح جواب دینا ہدایت کے لیے ضروری ہے:

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (البقرہ ۲:۱۸۶)	انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔

ماضی کی طرح آج کوئی مخلص شخص یک سو ہو کر اللہ کا راستہ اختیار کر لے تو پھر قدم قدم پر اسے قرآن، حدیث، تاریخ، صالحین کی صحبت، نیک خیال اور اچھے خوابوں سے روزانہ ہدایت ملنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح چند ہی سالوں میں وہ اللہ کا صحیح بندہ اور مجاہدِ اسلام بن جاتا ہے۔ ایمان، یقین، اعتماد اور اللہ پر توکل اس کا بہت بڑا سہارا بن جاتا ہے۔ اللہ کی توفیق سے جدوجہد کی راہ اختیار کر کے اقامت دین کی منزل پا لیتا ہے۔

رہنما کے بغیر ہدایت

بغیر کسی استاد، وحی اور کتاب کے صرف اپنی ذاتی عقل و فہم سے انسان اگر نیک نیتی سے کوشش کرے تو اسے توحید باری تعالیٰ کا ادراک ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن نے انسانی عقل و شعور کو اپیل کی ہے۔ قرآن دلائل سے بھرا ہوا ہے کہ اگر انسان ان دلائل و براہین کی روشنی میں

دیکھے تو اسے ہدایت مل سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس کوئی فرشتہ وحی لے کر نہیں آیا۔ آپ نے چاند، سورج، تاروں کی تخلیق پر تنہائی میں غور کیا تو دل مطمئن ہو گیا کہ شرک غلط ہے اور توحید ہی صحیح ہے۔ آج بھی کوئی سعید روح اور سلیم الفطرت انسان تدبر و تفکر کرے تو ہدایت پا سکتا ہے۔ قرآنی استدلال کی ایک مثال درج ذیل ہے:

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ تو کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟
وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ وَاِلَى پہاڑوں کو نہیں
الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ وَ اِلَى الْاَرْضِ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ
كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ (الغاشیہ ۸۸: ۱۷-۲۰) کیسے بچھائی گئی؟

توحید، رسالت اور وحی کی صداقت پا لینے کے بعد عمل کا مقام آتا ہے اور یہ بغیر ہادی، استاد، رہنما، وحی، رسول علیہ السلام کے ممکن نہیں۔ عقل اتنی کامل نہیں کہ بغیر وحی کے صرف تاریخ اور تجربے کی بناء پر زندگی گزارنے کا ایک سیدھا راستہ تجویز کر دے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف فطری عوامل پر انحصار نہیں کیا بلکہ صراط مستقیم کی نشان دہی کے لیے رسالت اور وحی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اسلامی نظام تعلیم و تربیت کے ذریعے باقاعدہ صالحین تیار کیے ہیں۔ آج مسلمان یورپ کی ترقی اور خوش حالی سے متاثر ہو کہ مغربی تہذیب کا ذہنی غلام بن چکا ہے اس لیے اس نے ترقی پسند اور معتدل اسلام از خود بنا لیا ہے۔ اس متعصب، خود غرض اور یک طرفہ سوچ رکھنے والے شخص کا ملجاء و ماویٰ یورپ ہے اور ہر مثال میں یورپ کا تذکرہ کرتا ہے۔ اسے مغربی تہذیب اچھی لگتی ہے۔ وہ اسے اپناتا ہے اور اسلام کو ایک پرانا، دقیانوسی اور ناقابل عمل مذہب سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ مولوی، پیر، دینی لوگ اجڈ، جاہل، کم عقل، تخریب کار ہیں اور ماڈرن دنیا کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ بدقسمتی سے یہ لوگ حکومت اور ملک کے تمام وسائل پر بھی قابض ہیں اس لیے خود کو عقل کل بھی سمجھتے ہیں۔ ہدایت کے سرچشموں سے نفرت کی بنا پر از خود مغربی افکار کی روشنی میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اردو، انگریزی، عربی کتابوں اور تراجم کی

مدد سے قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، فلسفہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جو چیز ان کے ذاتی خیال میں اچھی نظر آئے، اسے اپنا لیتے ہیں اور قرآن، حدیث اور اہل علم وتقویٰ کی رہنمائی کے بغیر ہی اللہ سے ملاقات کے خواہش مند بن جاتے ہیں۔

مغرب کے ان غلاموں کو تصوف زیادہ پسند ہے۔ اس لیے کتابوں میں بیان کیے گئے اذکار، درود شریف اور باطن کی صفائی کے طریقوں کی بغیر کسی استاد کے اپنی سوچ سے پیروی کرتے ہیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی ایک راستہ چلنا چاہے اسے اسی کی توفیق مل جاتی ہے۔ جب کوئی وظائف پڑھتا ہے تو اسے انوار وتجلیات نظر آ جاتی ہیں۔ بعض اوقات خواب میں دیدار مصطفیٰ ﷺ ہو جاتا ہے۔ بعض دیگر روحانی واردات کو اپنے ذہن سے پڑھتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہدایت اور گمراہی کی حدیں ملتی ہیں۔ اگر کسی صالح انسان سے ان انوار وتجلیات کی بابت مشورہ کر لیا جائے اور قرآن کی رہنمائی بھی حاصل کر لی جائے تو انسان کے لیے صراط مستقیم پر لوٹ آنا ممکن ہے ورنہ ذاتی پسند وناپسند کی بنیاد پر ہدایت سے محروم رہ جاتا ہے۔

جو شخص ذاتی علم اور تجربے کو کافی سمجھتا ہے، اسے شیاطین جن وانس گھیر لیتے ہیں۔ سچا کشف تو ان کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ شیطانی تجلیات کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ جنات کی پوری ٹیم مختلف خیالات اور وسوسوں کے ذریعے انسان کو گمراہ کر دیتی ہے۔ کہانت کے اصولوں کے تحت روحانی تربیت شروع ہو جاتی ہے۔ جن بابا بزرگ بن کر کبھی انسانی شکل میں اور کبھی خیال اور وسوے کے ذریعے رہنمائی کرتا ہے۔ کتابوں، یورپی فلسفوں اور ہندو روایات میں گم یہ شخص ہدایت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ قرآن سے اپنے مطلب کے دلائل نکالتا، غلط معنی کرتا، سیاق وسباق سے الگ کر کے آیت پڑھ لیتا، اس پر تاویل کا ایک پہاڑ کھڑا کر دیتا اور اس کے مفہوم کو غلط انداز میں پیش کرتا ہے۔ اس طرح من مرضی کی توجیہات سے اپنے مردہ ضمیر کو مطمئن کر لیتا ہے کہ اصل صراط مستقیم وہی ہے جس پر یہ اپنی عقل وفراست سے چل رہا ہے:

وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہی تو کر رہے ہیں۔

(الکہف ۱۸:۱۰۴)

ان لوگوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ پرانے زمانے کے راہبوں، جوتشیوں، فلسفیوں کے آزمودہ نسخے اور جہالتیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے مٹایا، انہیں یہ لوگ اپنی علمی تحقیق اور ماڈرن انکشاف سمجھتے ہیں۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا اسے کسی نہ کسی کی پیروی کرنا پڑے گی خواہ وہ من مرضی کرے، ابلیس کے کہنے پر چلے یا پھر کسی ایسے انسان کی بات مان لے جو خود وحی پر عمل نہ کرتا ہو۔ اللہ کی وحی کو چھوڑ کر جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے وہ گمراہی کی طرف جاتا ہے۔ جو شخص ان متروک جہالتوں کو نئی اور ماڈرن چیز بنا کر پیش کرتا ہے وہ بدعت کا مرتکب ہوتا ہے اور بدعت صاف گمراہی ہے۔ اللہ سے ملاقات کا تصور بہت پرانا ہے۔ یونان، مصر، ایران، عراق کی پرانی تہذیبوں میں ہمیں ایسے طریقے مل جاتے ہیں جنہیں یہ لوگ ماڈرن کہہ کر اپنا رہے ہیں مثلاً ٹیلی ویژن پر پھیلائی جانے والی فحاشی وہی بے پردگی اور فحاشی ہے جس کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سابقہ پیش آیا۔ ان لوگوں کی اصل مشکل یہ ہے کہ قرآن اور سنت سے انحراف کرنے کے ساتھ ساتھ روحانیت بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مطلوب ومقصود صرف روحانیت ہی ہے تو ہندو جوگی، عیسائی راہب اور یونانی اشراقیت میں بڑی روحانیت ہے بلکہ کئی مسلمانوں سے زیادہ ہے۔

انسان کا ازلی دشمن شیطان آدم کی اولاد کو گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اگر ایک پی ایچ ڈی پروفیسر شیطان کا روحانی شاگرد بن کر اسلام کی جڑوں کو ہلانے کا کام کرے تو ابلیس کو اور کیا چاہیے۔ حق کی رہنمائی کے بغیر خود ساختہ دین پر چلنے والوں کی زندگی میں تضادات نظر آتے ہیں۔ ان کے علم اور کرامات کی طرف دیکھیں تو اولیائے کرام نظر آتے ہیں لیکن اخلاق، عادات، معاملات اور طرز زندگی میں کٹر دنیادار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تضاد اسی لیے ہے کہ ان کے پاس قرآن اور سنت کی روشنی موجود نہیں ہے۔ وہ اپنے نفس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور نفس انسانی تو تضادات کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے خیالات میں بھی اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے۔ جب ذہن ایک رخ پر چل پڑے تو اس کے خیالات، اعتقادات اور تصورات بھی اسی رخ پر چل پڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کو

اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے تا کہ اپنی گمراہی کا خود ذمہ دار بنے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (التوبہ۹:۸۵)
اللہ نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ اس مال و اولاد کے ذریعہ سے ان کو اس دنیا میں سزا دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ کافر ہوں

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (آل عمران۳:۶۹)
اہل کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں راہ راست سے ہٹا دے، حالانکہ درحقیقت وہ اپنے سوا کسی کو گمراہی میں نہیں ڈال رہے مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔

نفس کے ان تضادات وتصورات کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے نفس کے شر سے پناہ مانگی ہے۔ خطبۂ جمعہ میں فرمایا:

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
ہم اپنے نفوس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

آپ ﷺ نے دعا مانگی:

لَا تَكِلْنِيْ نَفْسِيْ اِلٰى طَرْفَةَ عَيْن
مجھے لمحہ بھر کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر۔

متاثرین مغرب ومشرق نفس کی ہدایات اور گمراہیوں کے پیچھے بھاگ کر اتھاہ گہرائیوں اور گڑھوں میں گر جاتے ہیں۔ خود کو عقل کل سمجھنے والوں کو یوسف علیہ السلام کے ان الفاظ پر غور کرنا چاہیے:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (یوسف۱۲:۵۳)
میں کچھ اپنے نفس کی برأت نہیں کر رہا ہوں، نفس تو بدی پر اکساتا ہے الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو، بے شک میرا رب بڑا غفور ورحیم ہے۔

استاد سے مشورہ تو وہ شخص کرے جو علمی کم مائیگی کا احساس رکھتا ہوں۔ جو خود ہی عقل کل ہے، اسے کسی استاد یا انسان سے مشورے کی کیا حاجت ہے؟ یورپ کی تقلید کرنے اور من مرضی ہی

کو ذریعہ ہدایت سمجھنے والا شخص اپنے خیال، وجدان، عقل اور نفسانی ترغیبات کو صحیح سمجھ کر زہد و ورع اختیار کر کے میاں مٹھو بنتا ہے۔ وہ شیطان کا نرم چارہ ہوتا ہے۔ اس اکیلے شخص کی حیثیت اس بکری کی سی بن جاتی ہے جو اپنے ریوڑ سے کٹ جاتی ہے اور بھیڑیا اسے اچک لے جاتا ہے۔ انسان کا بھیڑیا شیطان ہے:

اِنَّ الشَّیۡطٰنَ ذِئۡبُ الۡاِنۡسَانِ کَذِئۡبِ الۡغَنَمِ یَأۡخُذُالشَّاذَّۃَ وَالۡقَاصِیَۃَ وَ النَّاحِیَۃَ وَاِیَّاکُمۡ وَالشِّعَابَ وَعَلَیۡکُمۡ بِالۡجَمَاعَۃِ وَالۡعَامَّۃِ	بے شک شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ پکڑ لیتا ہے بھاگنے والی کو اور دور کی بکری کو اور کنارے والی بکری کو اور تم پہاڑ کے دردں سے بچو اور جماعت اور مجمع کو لازم پکڑو۔ (مشکوۃ: ۱۷۴)

جو لوگ یورپی تہذیب سے متاثر ہو جاتے ہیں اور بغیر رہنما کے از خود ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان میں بڑا تضاد یہ ہے کہ وہ مغربی فلسفیوں، پروفیسروں، دانش وروں اور ذرائع ابلاغ پر تو اعتماد کر لیتے ہیں اور اپنے گھر کے صالحین کو مرتد اور گمراہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ چھوٹی سی بات ان کے ذہن میں نہیں آتی کہ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے طالب علم کو بھی ایک استاد، ایک نگران کی ضرورت ہوتی ہے حالانکہ ریسرچ کا سارا کام وہ خود کرتا ہے لیکن قرآن کو سمجھنے کے لیے وہ کسی اہل علم وتقویٰ کے پاس جانا توہین سمجھتا ہے۔

اللہ کے بندو! اگر موٹر سائیکل مرمت کرنا سیکھنا ہے تو کسی ماہر موٹر مکینک کی شاگردی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ اگر کار چلانا سیکھنا ہے تو کسی قابل ڈرائیور کی شاگردی اختیار کرنا پڑے گی۔ ڈاکٹر بن کر مریضوں کا علاج کرنا ہے تو کسی بڑے ڈاکٹر سے علم طب سیکھنا ہوگا۔ ہر دنیاوی معاملے میں ایک کاریگر استاد کی محتاجی موجود ہے لیکن ہدایت کا معاملہ ایسا ہے کہ کوئی سنجیدگی سے داعی حق سے رہنمائی لینے کو تیار نہیں۔ ہر کوئی اپنا ہادی خود بنا ہوا ہے۔ وحی کی ضرورت سے انکار بھی غلط ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے رسول علیہ السلام کی دعوت سے منہ موڑا، یا نبی علیہ السلام کی بات مان کر اس میں تحریف کی وہ سب تباہ ہو چکی ہیں اور دوزخ کا ایندھن بن چکی ہیں۔ ہزاروں برباد

شہر ٹیلوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ پرسکون زندگی کے لیے قرآن وسنت کی رہنمائی اور نیک لوگوں کا ساتھ ضروری ہے۔ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنا ہے تو پھر قرآن اور سنت اور استاد کی تعلیم وتربیت سے استفادہ کرنا لازم ہے۔ اگر یزید بننا ہے تو پھر کسی استاد کی ضرورت نہیں۔ انسان کے اندر جو یزید بیٹھا ہوا ہے، وہ خود ہی اس کا رہنما بن جائے گا۔

ہدایت میں ترقی

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ (الکہف ۱۸:۱۳)

ہم ان کا اصل قصہ تمہیں سناتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ط وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا۝ (مریم ۱۹:۷۶)

اس کے برعکس جو لوگ راہ راست اختیار کرتے ہیں اللہ ان کو راست روی میں ترقی عطا فرماتا ہے اور باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک جزا اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ ۝ (محمد ۴۷:۱۷)

رہے وہ لوگ جنھوں نے ہدایت پائی ہے اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا اور انہیں تقویٰ عطا فرماتا ہے۔

اصحاب کہف مخلص مسلمان تھے۔ بادشاہ نے انہیں اسلام سے باز نہ آنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی۔ تین دن کی مہلت سوچنے کے لیے دی۔ ان مخلصین کے پاس کوئی پارسا ان کی رہنمائی کے لیے موجود نہ تھا۔ سب نے مل کر مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں یہ بات ڈال دی کہ فلاں غار میں جا کر پناہ لیں اور چند دن کے بعد پھر کسی اور ملک کو نکل جائیں گے۔ وہ چل پڑے اور ایک پہاڑی غار میں پناہ لی جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی سو سال سلا دیا۔ جب یہ سو کر اٹھے تو دنیا بدل چکی تھی۔ یہ خیال یہ مشورہ کہ غار میں پناہ لی جائے اور شہر چھوڑ کر ہجرت کر لی جائے۔ ایک الہامی خیال ہے اور یہی ہدایت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مدد آئی۔

ایک شخص پہلے سے ہدایت یافتہ ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ اضافہ روزانہ بھی ہوتا ہے اور چند مخصوص مقامات پر اللہ تعالیٰ بذریعہ الہام، ظاہر مشورہ یا کسی کتاب کے ذریعہ انسان کو بروقت رہنمائی دے دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ شخص اپنے معاملات کو صحیح کر لیتا ہے، کسی مشکل سے نکل جاتا ہے یا کسی مصیبت سے بچ جاتا ہے۔

کسی شخص نے اپنی مہمان لڑکی کے اغواء کا منصوبہ بنایا اور بدمعاش سے طے کیا کہ فلاں وقت فلاں کمرے میں وہ لڑکی سو رہی ہو گی۔ وہ اس راستے سے آئے اور لڑکی کو اغوا کر کے لے جائے۔ مہمان لڑکی اس کمرے میں لیٹی ہوئی تھی کہ اسے گرمی لگی اور وہ باہر صحن میں اس شخص کے دیگر اہل خانہ کے ساتھ خالی چارپائی پر آ کر لیٹ گئی۔ کام کاج سے فارغ ہو کر میزبان کی اپنی بیٹی جب لیٹنے کے لیے گئی تو صحن میں کوئی چارپائی خالی نہ تھی۔ اس کی بیٹی اسی کمرے میں جا کر لیٹ گئی جہاں مہمان لڑکی تھی۔ مقررہ وقت پر بدمعاش آیا اور اس شخص کی اپنی بیٹی کو اغواء کر کے لے گیا۔ صبح اٹھ کر اس شخص نے دیکھا کہ مہمان لڑکی تو گھر میں ہے اور خود اس کی اپنی بیٹی اغواء ہو گئی ہے۔

اس کہانی میں عبرت ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ بے عزتی سے بچانا چاہتا تھا اس کی بس ایک خیال سے رہنمائی کی اور اسے کمرے سے نکال لیا اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرنا چاہتا تھا اس کا بھی بس ایک خیال تھا جس نے غلط رخ پر رہنمائی کی اور اسے کمرے میں بھیج دیا۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ کسی کی ہدایت میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یہ اضافہ بعض اوقات تھوڑا ہوتا ہے اور بعض اوقات بڑا انقلابی اضافہ ہوتا ہے۔ روزمرہ کی تازہ ہدایت انسان کی ضرورت ہے اور یہ بڑی تفصیل سے ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کن ذرائع سے ہدایت دیتا ہے؟ یہ ذرائع مسلمان کے پاس ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ انسان کے مسائل اور مشکلات بھی روزانہ بدلتے ہیں اور ان کا حل بھی روزانہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ پرانی ہدایت ضروری لیکن بدلتے حالات میں نئی رہنمائی بھی شدید ضروری بن جاتی ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ اپنے محبوب بندوں کو روزانہ رہنمائی دیتا ہے اور یہ بندے روزانہ دعا کرتے ہیں:

اِذْ اَوَی الْفِتْیَۃُ اِلَی الْکَھْفِ فَقَالُوْا جب وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزیں ہوئے اور انہوں

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا۝ نے کہا کہ ''اے پروردگار ہم کو اپنی رحمت خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کر دے'' (الکہف ۱۸:۱۰)

قرآن کا نزول مکمل ہو چکا اس لیے اب کوئی نئی رہنمائی وحی جلی کی شکل میں نہیں آسکتی البتہ اللہ تعالیٰ دیگر ذرائع سے اپنے بندوں کی آج بھی رہنمائی کر رہا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ یہ مستقل ترقی ایک دن کی بات نہیں ساری عمر کا کام ہے۔ کوئی شخص روزانہ قرآن ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے پڑھے۔ ایک رکوع تفہیم القرآن پڑھ کر تدبر کرے کہ آج مجھے کیا رہنمائی ملی ہے تو انشاء اللہ اسے سال میں ۳۶۰ مسائل اور امور و حالات کی سمجھ آ جائے گی۔ اسی طرح کوئی شخص تیس سال متواتر یہ ہدایت حاصل کرنے کا طریقہ جاری رکھے تو تیس سال بعد ۱۰۸۰۰ باتوں میں اسے ہدایت مل چکی ہوگی۔ تیس سال پہلے کے حالات سے اگر وہ مقابلہ کرے تو وہ حیران رہ جائے گا کہ اللہ نے اس پر کتنا کرم کیا ہے؟

روزانہ تفہیم القرآن پڑھنے والے شخص کی نہ صرف دنیا بدل جاتی ہے بلکہ اس کا رہن سہن، خیالات، عقائد، کاروبار حتیٰ کہ شکل وصورت ہی بدل جاتی ہے۔ یہ روزمرہ کی ترقی اللہ کا فضل ہے۔ اسی طرح اقامت دین کی جدوجہد میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی روزانہ رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کا غلبہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی کام ہے اور وہ اس کام کے لیے جن مردان کار کو چنتا ہے، ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور ماضی کے صالحین اور مجاہدین کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ رہنمائی کا پروگرام ایک ترقی پذیر اور مستقل عمل ہے۔ اس سے عقائد کے ساتھ ساتھ اعمال کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ تقویٰ، تزکیہ، احسان، انفاق، عبادات، جہاد سبھی اعمال میں ترقی ہوتی ہے یہاں تک کہ ایک عام مسلمان چلتا پھرتا اسلام کا نمونہ اور شہادت حق کا پیکر بن جاتا ہے۔ ایک عام طالب علم چند سال میں علم وعرفان، تقویٰ، طہارت میں ترقی کرتے کرتے شیخ الجامعہ بن جاتا ہے۔

ہدایت میں اضافے کا بنیادی طریق کار یہ ہے کہ جو رہنمائی آج ملی ہے اس پر صحیح عمل

کرے تو پھر اگلے دن نئی ہدایت مل جائے گی ۔ اگر سابقہ ہدایت سے اعراض کر لیا جائے اور مناسب عمل درآمد نہ کیا جائے تو پھر ترقی رک جاتی ہے۔ اس کی مثال سیڑھی کی ہے۔ ایک کام سے فارغ ہوئے تو دوسرا کام آ گیا یہ تسلسل بھی استقامت کی ہی ایک شکل ہے اور آگے بڑھنا زندگی ہے۔ روز ایک نیا سورج طلوع ہوتا ہے اور اپنے ساتھ نئے مسائل لاتا ہے۔ اسی طرح ان مسائل کا حل بھی ایک روزانہ عمل ہے اور ہدایت کی ترقی ایک انسانی ضرورت ہے۔ روزانہ پیدا ہونے والے نت نئے مسائل میں ان کی رہنمائی ہوتی ہے جو سابقہ دنوں میں ہدایت پر مستحکم انداز میں استقامت دکھائیں۔ اللہ کی راہ کا سفر ایک عروج اور ترقی کا سفر ہے۔

ہدایت میں تنزلی

جس طرح ایمان زیادہ اور کم ہوتا رہتا ہے اسی طرح ہدایت بھی کبھی ملتی ہے اور کبھی نہیں ملتی ۔ اس میں بھی ترقی و تنزلی ہوتی رہتی ہے۔ صوفیاء اسے قبض اور بسط کا نام دیتے ہیں۔ اسے اتار چڑھاؤ بھی کہا جا سکتا ہے۔ سمندر کا جوار بھاٹا بھی اسی کی مثال ہے۔ نشیب و فراز زندگی کا ایک مسلسل عمل ہے۔ اس نشیب کا آخری مقام وہ کھائی ہے جس میں گر کر پھر انسان اٹھ نہیں سکتا۔ ہدایت پا کر محروم ہو جانا بہت بڑی بد نصیبی ہے جس طرح ہدایت میں ترقی ایک مستقل عمل ہے اسی طرح ہدایت میں کمی بھی ایک مستقل عمل ہے۔ اس طرح انسانوں کی پانچ اصناف بن جاتی ہیں۔

(۱) ہدایت پا کر مستقل ترقی کرنے والا مخلص مسلمان

(۲) کبھی ہدایت پا لینا اور کبھی محروم رہ جانا اور یہ کمی بیشی کا عمل مستقل وطیرہ ہے۔

(۳) ہدایت پا کر مسلسل محروم ہوتے جانا اور یہ بھی ایک مستقل عمل ہے، یہ فاسق کی نشانی ہے۔

(۴) منافق بن کر مستقل ہدایت سے محروم ہو جانا۔

(۵) دلوں پہ مہر کا لگ جانا کہ ہدایت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے اور انسان کافر بن جائے۔ اللہ تعالیٰ صرف کافروں اور منافقوں کے دلوں پر مہر لگاتا ہے۔

ہدایت میں کمی کی رفتار کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ جب کوئی اچھا کام کیا تو رفتار کم ہو جاتی

ہےاور جب کوئی غلط کام کرلیا تو گمراہی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ گمراہیوں کی طرف لڑھکنے والے شخص کا دماغ بھی ماؤف ہو جاتا ہے۔ اسے اپنی تنزلی کا احساس نہیں رہتا بلکہ منفی سوچ کی وجہ سے وہ حق سے دوری کو بھی صحیح خیال کرتا ہے۔ جب ایمان کے ساتھ عقل بھی جاتی رہتی ہے تو پھر ہدایت کی طلب اور ترقی کا خیال بھی دل میں نہیں آتا۔ اعمال صالحہ نماز، جہاد، تبلیغ، اصلاح معاشرہ سے جب مسلمان تہی دامن ہو جائے تو ہدایت میں کمی آجاتی ہے۔ وہ عوامل جن سے انسان کو ہدایت ملتی ہے، ان کو بھی ترک کر دیا جائے تو تنزلی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اَلصَّلٰوۃُ عَمَادُ الدِّیْن مَنْ ھَدَمَھَا ھَدَمَ الدِّیْن — نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اس کو ڈھایا اس نے دین کی عمارت کو بھی ڈھالیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَدْ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا ج وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝ (نوح ۷۱:۲۴) — انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے اور تو بھی ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں ترقی نہ دے۔

قُلْ مَنْ کَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ج حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ط فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ ھُوَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝ (مریم ۱۹:۷۵) — ان سے کہو جو شخص گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے اسے رحمٰن ڈھیل دیا کرتا ہے یہاں تک کہ جب ایسے لوگ وہ چیز دیکھ لیتے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، خواہ وہ عذاب الٰہی ہو یا قیامت کی گھڑی، تب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کا حال خراب ہے اور کس کا جتھا کمزور۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ وَمَاتُوْا وَھُمْ کٰفِرُوْن ۝ (التوبہ ۹:۱۲۵) — جن لوگوں کے دلوں کو (نفاق کا) روگ لگا ہوا تھا ان کی سابق نجاست پر (ہر نئی سورت نے) ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا اور وہ مرتے دم تک کفر ہی میں مبتلا رہے

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا ثبوت عمل ہے اور جو کوئی عمل صالح میں سستی کرتا ہے، اس کی ہدایت میں دن بدن کمی آتی جاتی ہے اور جو کوئی بداعمالیوں میں آگے بڑھنا چاہتا ہے

اس کے لیے ہدایت کی راہ تنگ ہوتی جاتی ہے:

وَ اَمَّا مَنْ م بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۝ وَ کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ۝ اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ (الیل۹۲:۸۔۱۰)

اس تنزلی کی مثال اسی طرح ہے جیسے کوئی پہاڑ کی چوٹی سے گرے اور نیچے کھائی میں لڑھکتا ہی چلا جائے۔ گرنے کے دوران کوئی رکاوٹ نہیں آتی اور انسان گرتا ہی جاتا ہے اگر کوئی رکاوٹ آ جائے تو گرنے کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ سنبھل نہیں سکتا اور رکاوٹ پھلانگ کر مزید گر جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے گناہ سے دل پر سیاہی کا ایک داغ پر پڑ جاتا ہے۔

ہدایت میں کمی کا ایک پہلو یہ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہدایت آئی، انسان نے اعراض کیا، التفات نہ کیا تو وہ واپس چلی جاتی ہے۔ یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ گھر آ کر اللہ کی نعمت چھن جائے اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ مدینہ کے منافق مسلمان نبی ﷺ کے ساتھ جنگ احد لڑنے کے لیے چل پڑے لیکن جنگ شروع ہونے سے چند گھنٹے پہلے میدان چھوڑ کر واپس مدینے چلے گئے یعنی ان کو جنگ کرنے کی ہدایت نصیب ہوئی اور اللہ کی راہ میں چند قدم چلنے کے بعد انھوں نے غداری کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہوئی ہدایت واپس لے لی۔ اسی طرح کاروبار دنیا میں انسان غلطیاں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہدایت میں کمی کر دیتا ہے اور اسے کاروبار میں نقصان ہو جاتا ہے۔ ہدایت صرف نماز پڑھنے تک محدود نہیں بلکہ ساری زندگی کی ضرورت ہے۔ روزمرہ زندگی میں حق کی رہنمائی سے محروم رہ جانا مسلمان کو مسائل کے گرداب میں پھنسا دیتا ہے اور نہ ختم ہونے والی پریشانیاں اسے تنگ کر دیتی ہیں۔ خود احتسابی ہدایت میں مددگار ہوتی ہے اس لیے ہدایت سے محروم ہو جانے سے پہلے مسلمان کو اپنے احوال کا جائزہ ضرور لینا چاہیے۔ اگر پیروی کرنا ضروری ہے تو پھر کسی حق پرست صاحب ایمان اور تقویٰ کی کی جائے تا کہ ہدایت نصیب ہو اور گمراہیوں سے بچا جا سکے۔

ہدایت کے اثرات

طالب حق کئی سال کی جستجو سے ایک مقام پر پہنچ گیا۔ اسے حق سمجھ آ گیا اور باطل کی تمیز پیدا ہوگئی۔ اسے فوراً اپنے احوال کی اصلاح کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور سابقہ زندگی کی جہالتوں کا اعتراف کرے۔ اپنے ماضی پر شرمندہ ہو اور پورے خلوص سے اصلاح کا عمل شروع کرے۔ اصلاح کی ابتدا توبہ سے کرے۔ جو گناہ، غلطی، بے وقوفی، جہالت وہ ماضی میں کر چکا ہے، اس سے تائب ہو اور ایک نئی زندگی گزارنے کا عزم کرے۔ اپنے ایمان کو صحیح کرے۔ قرآن کے مطابق توحید، رسالت، قرآن، آخرت، فرشتوں اور تقدیر پر اپنے عقیدے کو واضح طور پر سمجھے اور یقین و اعتماد کی کیفیت پیدا کرے۔ اصلاح عقائد کے ساتھ اصلاح اعمال کی طرف پوری توجہ دے۔ پوری زندگی کے سارے معاملات میں اصلاح کرے۔ جو اصلاح اپنی ذات میں کرنا ممکن ہو وہ تو پہلے دن ہی سے شروع ہو جانی چاہیے۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اصلاح احوال کا تجربہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ تقویٰ، تزکیہ، احسان، انفاق فی سبیل اللہ، جہاد، تدبر، تفکر اور، خدمت انسانیت کو اپنا شعار بنائے۔ جو حق سمجھ آ جائے بلا تامل اس پر عمل کر گزرے۔ نفع نقصان اللہ کے سپرد کر دے، اپنی نیت کو صحیح کر لے کہ ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرنا ہے۔ فرائض کی پابندی لازم کرے، سنت کی پابندی کو فوقیت دے، نوافل کا اہتمام کرے اور خدا کے دین کو غالب اور قائم کرنے کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لے۔

ہدایت کے داخلی ذرائع

اس باب میں ہم حصول ہدایت کے ان ذرائع کو بیان کریں گے جن کا تعلق انسان کے اپنے اندرون یعنی باطن سے ہے۔

حواس

انسانی حواس یعنی آنکھ، کان، ناک، زبان اور ہاتھ روزمرہ ضروریات زندگی میں کام آتے ہیں۔ ہدایت کا علم پانے کے لیے آنکھ اور کان بات کو عقل اور ضمیر کی عدالت میں پیش کرتے ہیں۔ ہدایت کے لیے یہ بڑی ضروری تخلیقاتِ ربانی ہیں۔ ان حواس خمسہ سے ہی ہدایت کی ابتدا ہوتی ہے کیونکہ اگر آج ان حواس خمسہ کو صحیح استعمال نہ کیا تو کل قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا:

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی طرف پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی اور یہی دانشمند ہیں۔
(الزمر ۳۹:۱۸)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل دیے، مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔ (المومنون ۲۳:۷۸)

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا

ان سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تم کو سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل دیے، مگر تم کم ہی

تَشۡكُرُونَ ۝ (الملک ۶۷:۲۳) شکرادا کرتے ہو۔

وَقَالُوا لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِيۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ ۝ (الملک ۶۷:۱۰) اور وہ کہیں گے کاش ہم سنتے یا سمجھتے تو آج اس بھڑکتی ہوئی آگ کے سزاواروں میں نہ شامل ہوتے۔

عقل

انسان کے عام روز مرہ کے معاملات کی طرح ہدایت کا آخری فیصلہ بھی عقل ہی نے کرنا ہوتا ہے۔عقل کی بڑی وسعتیں ہیں اور یہ انسان کی اعلیٰ ترین صفت ہے۔البتہ عقل ہر طرح کے حالات و واقعات ،تعصّبات ،معلومات ،ترغیبات اور خواہشات سے متاثر ہوسکتی ہے۔انسان کی اندورنی کیفیات اسے متاثر کرتی ہیں اور بیرونی عوامل بھی اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسان کوحق اور باطل کے راستے سمجھائے ہیں۔عقل کے سامنے بھی مختلف ذرائع سے دونوں قسم کے تاثرات آتے رہتے ہیں۔اگر عقل صحیح فیصلہ کرے تو ہدایت پا جاتی ہے اور اگر غلط فیصلہ کرے تو ہدایت سے محروم رہ جاتی ہے۔صحیح عقل وخرد والا شخص وہی ہے جو ہدایت قبول کرے:

اَفَمَنۡ يَّعۡلَمُ اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَقُّ كَمَنۡ هُوَ اَعۡمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝ (الرعد ۱۳:۱۹) بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص جو تمہارے رب کی تم پر نازل کردہ اس کتاب کوحق جانتا ہےاور وہ شخص جو اس حقیقت کی طرف سے اندھا ہے ، دونوں یکساں ہو جائیں؟نصیحت تو دانشمند لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔

هُدًى وَّذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۝ (المومن ۴۰:۵۴) عقل ودانش رکھنے والوں کے لیے ہدایت ونصیحت تھی۔

اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۚ ۖ (آل عمران ۳:۱۹۰) زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے میں ہوشمند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔

چونکہ ہدایت پانے کا دارومدار عقل کی قبولیت پر منحصر ہے اس لیے اس کو قیامت کے دن

جوابدہ بنایا گیا ہے۔ عقل کے صحیح استعمال پر ہی آخرت کے نتیجے کا انحصار ہے:

اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔

اُولٰٓـئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ۝

(بنی اسرائیل ۱۷:۳۶)

تجربہ و تحقیق

فلسفہ کے لیے مرکزی سوال یہ ہے کہ حق کیا ہے؟ اسے کیسے پایا جائے؟ کہاں تلاش کیا جائے؟ ظن، قیاس، اٹکل پچو سبھی اسی حق کی تلاش کے طریقے ہیں جو فلسفی استعمال کرتے ہیں۔ قرآن ہمیں سمجھاتا ہے کہ فلسفیوں کی سوچ کا انداز ہی غلط ہے اس لیے وہ حق کو نہیں پا سکتے۔ اگر اتفاقاً کوئی صحیح خیال دماغ میں آ بھی جائے تو وحی کی روشنی کی عدم موجودگی کی وجہ سے اسے خاطر خواہ اہمیت نہیں ملتی۔ موجودہ زمانے کے فلسفیوں کی خرابی یہ ہے کہ وہ حق کو وحی سے باہر تلاش کرتے ہیں۔

تحقیق کا اصل مرکز یہ ہونا چاہیے کہ جو بات ہمارے سامنے رکھی جا رہی ہے اس کا ماخذ کیا ہے؟ اگر وحی ہے تو اس کی روشنی میں مزید تحقیق کی جا سکتی ہے اور انسان بہت جلدی ایمان کی منزل پا لیتا ہے۔ لیکن اگر وحی سے اعراض کرے، اس کو مناسب اہمیت نہ دے، ناقابل التفات سمجھے تو دنیا کی نگاہ میں وہ شخص خواہ کتنا بڑا دانا ہو، حق کی نگاہ میں وہ گمراہ انسان ہے۔ اس لیے صراطِ مستقیم کو تلاش کرنا، حق کو پانا، ایمان اور عقیدے کی اصلاح کرنا، سبھی وحی اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں ہونا چاہیے۔ یہی حق کی تلاش کا صحیح راستہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک جری انسان تھے لیکن قرآن نے ان کو موم بنا دیا۔ حقیقت سے آشنائی زندگی کے سفر کی راہیں کھول دیتی اور آسانی پیدا کر دیتی ہے۔

حق کو تلاش کرنا ایک فطری امر بھی ہے اور حقیقی ضرورت بھی۔ ہمارا معاشرہ اسلامی معاشرہ نہیں۔ اس میں فرقہ پرستی، بدعات اور اختلافات ہیں۔ اس لیے حق کا ایک نیا نیا متلاشی جب نام نہاد علمائے کرام اور پیران عظام کے پاس حق کی تلاش میں جاتا ہے تو وہ اسے مزید پریشان اور گمراہ کر دیتے ہیں۔ فرقہ پرستوں کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ نووارد ہمارے گروہ میں شامل ہو جائے۔ اس طرح

کئی تو حق کی تلاش چھوڑ کر فرقہ میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن کئی ایک آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو حق کی تلاش سے ہی دست بردار ہو جاتے ہیں۔ حق کے طالبوں کی بہت قلیل تعداد رہ جاتی ہے جو تیس چالیس سال کی محنت کے بعد حق پر یکسو ہوتے ہیں۔

فرقہ بندیوں کے اس ماحول میں صراط مستقیم پر استقامت دکھانے کے لیے بھی بڑی محنت اور جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ جب عمر کا بڑا حصہ ضائع کر کے انسان صراطِ مستقیم کی صحیح روشنی سے روشناس ہوتا ہے تو بڑھاپے کی وجہ سے صحت کمزور ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے علم و تحقیق کے مطابق عمل کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ اس لیے ایک اصلاحی، علمی اور تربیتی ادارے کی اشد ضرورت ہے جو حق کے سچے طالبوں کو اللہ کی رضا کی منزل تک رہنمائی دے سکے۔ میں نے خود زندگی کا قیمتی حصہ حق کو تلاش کرنے میں خرچ کیا ہے اس لیے میں محسوس کرتا ہوں کہ اسلام کا صحیح نقشہ بڑی وضاحت سے عوام الناس کے سامنے رکھنا چاہیے تاکہ تحقیق کرنے والے حق کے طالبوں کا وقت اور قوت ضائع نہ ہو۔

تجربہ کی بنیاد پر سائنس نے ترقی کی۔ ایک سائنس دان کے تجربات سے دوسروں نے بہت کچھ سیکھ کر آگے نئے تجربات کیے۔ اس طرح دن بدن سائنس ترقی کرتی گئی۔ دین ایک ایسا موضوع ہے کہ یہاں ہر شخص خود ہی تجربہ کرتا ہے، دوسروں کے تجربات سے سبق حاصل کرنے کو کوئی بھی تیار نہیں اور یہ سوچ غلط ہے۔ ایک ہی تجربہ سو شخص کرتے ہیں اور ہر شخص کا علم اس کے ذاتی تجربات تک محدود ہوتا ہے حالانکہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں حق کا متلاشی جب تجربات کرے گا تو اسے گھر بیٹھے اللہ کا راستہ مل جائے گا۔ نیت حق کی طلب اور تلاش ہونی چاہیے۔

اخلاقی، روحانی اور دعوتی تجربات کی فہرست بہت لمبی ہے البتہ یہ حقیقت آشکارا ہے کہ ہدایت کے سچے طالبوں کو نت نئے تجربات سے روزانہ واسطہ پڑتا ہے مثلاً ایک شخص نے دعا کی، وہ فوراً لفظ بلفظ پوری ہوگئی۔ اس شخص کے ایمان اور اعتماد میں اضافہ ہو گیا۔ ایک دوکاندار کی کچھ رقم گم ہوگئی۔ اسے یقین تھا کہ میں زکوٰۃ دیتا ہوں اس لیے یہ رقم مجھے مل جائے گی۔ اسے وہ رقم ایک

سبزی والا دے گیا کہ آپ اپنا سامان میری دوکان پر بھول گئے تھے۔اس دوکاندار کے ایمان اور اعتماد میں پختگی آ گئی۔اسی طرح منافقت، عداوت، حسد وغیرہ کے تجربات سے بھی ہدایت کے طالب بہت کچھ سیکھتے ہیں۔اگر انسان اپنے ذاتی تجربات پر ہی انحصار کرے تو ہدایت پاتے پاتے عمر بیت جاتی ہے۔چاہیے تو یہ کہ قرآن، حدیث، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور بزرگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر تھوڑے وقت میں زیادہ ہدایت حاصل کر لی جائے۔بزرگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے سے بہت سا وقت بچ جاتا ہے۔

ضمیر

وَلَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ۞ اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی ۔

(القیامہ ۷۵:۲)

نفس کی تخلیقاتی کیفیات میں سے ایک ضمیر بھی ہے جو فرد کے ایک کونے میں رکھ دیا گیا ہے۔یہ ہمیشہ انسان کو بھلائی اور نیکی کی طرف بلاتا ہے اور جب انسان کوئی غلط کام کرنا چاہتا ہے تو یہ ضمیر اسے بروقت ٹوکتا ہے۔اچھے برے کی یہ تمیز بغیر کسی بیرونی علمی ذریعہ کے خود انسان کے اندر رکھ دی گئی ہے۔یہ ایک تخلیقی اعجاز ہے۔اخلاقی حس ہر اچھے برے انسان میں موجود ہے۔

ضمیر کی رہنمائی بڑا زوردار عامل ہے۔ضمیر انسان کو گندے ترین ماحول سے نکال لاتا ہے۔اگر ماحول اور پرورش کا نظام اچھا ہو تو ضمیر کی رہنمائی بڑے کام کی چیز ہے البتہ عقل کی طرح ضمیر کو بھی مختلف عوامل سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ہدایت اور گمراہی کے بہت سے دوطرفہ دلائل کے درمیان ضمیر کی آواز کے خاموش ہو جانے کے امکانات بھی ہیں۔جس کا ضمیر زندہ ہو اس کے موت سے پہلے پہلے توبہ کرنے کے امکانات موجود رہتے ہیں۔اگر کسی شخص کے پاس خارج سے ہدایت کا سامان نہ بھی پہنچے تو اس کے ضمیر کی زندگی پر ہدایت مل جانے کے بھی امکانات ہو سکتے ہیں۔بعض اوقات ہزاروں تھپکیوں کے باوجود ضمیر نہیں سوتا اور زندگی کے کسی موڑ پر ابھر کر سامنے آ جاتا ہے اور انسان کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

خیال

انسان کے خیالات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اچھا اور برا خیال ہر انسان کو آتا ہی رہتا ہے لیکن بعض خیال بڑے زوردار ہوتے ہیں اور ایسے خیال اکثر اللہ کی توفیق اور الہام سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً نیوٹن نے سیب گرتے دیکھا خیال پیدا ہوا کہ یہ زمین ہی کی طرف کیوں گرتا ہے، آسمان کی طرف کیوں نہیں جاتا؟ اس طرح ایک نیا خیال دماغ میں کیا آیا، ایک سائنس اور علم کی بنیاد رکھ دی گئی۔ خیال کی بڑی وسعتیں ہیں از خود بھی آتا ہے، کسی خارجی عمل سے بھی آتا ہے، کسی ناصح کی نصیحت سے بھی آتا ہے، کسی بیماری اور حادثے کے بعد بھی آتا ہے اور کسی نقصان اٹھانے کے بعد بھی آتا ہے۔ جب بھی آئے اچھا خیال ہدایت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جب کوئی اچھوتا خیال آئے تو قرآن، حدیث، سائنس اور اہل علم سے مشورہ کر لینا چاہیے۔ اگر وہ خیال قرآن سے مطابقت رکھتا ہو تو اس کی عملی اور نظریاتی ضرورتوں کا تجزیہ بھی ساتھ ہی کر لینا چاہیے۔ اچھا خیال علم میں اضافہ اور دانائی کو مستحکم کرنے کا کام کرتا ہے۔ تحقیق و تجربہ کے بعد اگر اچھے خیال کو اپنایا جائے تو ہدایت کے لیے مفید بنایا جا سکتا ہے۔

فکر

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے میں ان ہوشمند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار یہ سب کچھ تو نے بے مقصد اور فضول نہیں بنایا۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے (آل عمران ۳: ۱۹۰-۱۹۱)

يُنۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَ الزَّيۡتُوۡنَ وَالنَّخِيۡلَ وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝ (النحل ۱۶:۱۱)

وہ اس پانی کے ذریعے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ۝ (النحل ۱۶:۴۴)

پچھلے رسولوں کو بھی ہم نے روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ۝ (الحشر ۵۹:۲۱)

اور اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی حالت پر) غور کریں۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمۡ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ مَثۡنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوۡا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِيۡرٌ لَّكُمۡ بَيۡنَ يَدَىۡ عَذَابٍ شَدِيۡدٍ ۝ (السبا ۳۴:۴۶)

اے نبی ﷺ ان سے کہو کہ میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ خدا کے لیے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو، تمہارے صاحب میں ایسی کون سی بات ہے جو جنون کی ہو؟ وہ تو ایک سخت عذاب کی آمد سے پہلے تم کو متنبہ کرنے والا ہے۔

قرآن تجویز کرتا ہے کہ زمین و آسمان اور نفس انسانی میں پائی جانے والی نشانیوں پر غور و فکر کرو تو تمہیں ہدایت مل جائے گی۔ بغیر کسی بیرونی تعلیم کے اندر کی صحیح فکر تمہیں اللہ سے ملا سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن نے آثار کائنات اور ہدایت کی طرف رہنمائی کرنے والے بہت سے اہم

نکات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

غور وفکر اور تدبر و تعقل کے دو پہلو ہیں، صحیح سوچ کے نتیجے میں صراطِ مستقیم پا لینا، اچھا استاد، قرآن کی تفسیر یا دیگر دینی لٹریچر صحیح انداز میں سوچنے میں مدد دیتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ گمراہ استاد، غلط فکر والی کتاب، انسان کے اندر کی ٹیڑھی سوچ مل کر عقل کو متاثر کرتے ہیں۔ سوچ کا رخ گمراہی اور دنیا کی محبت کی طرف مڑ جاتا ہے۔ ظن، فلسفہ، سائنس پر آج الحاد کا جو اثر ہے وہ اپنی ٹیڑھی سوچ والے فلسفیوں اور سائنسدانوں کی وجہ سے ہے۔

ڈارون نے تھیوری پیش کی کہ انسان بندر سے بنا ہے۔ دیگر سائنس دانوں نے ٹھوس ثبوت دے کر ثابت کیا کہ ڈارون کا نظریہ غلط ہے۔ حیف کہ حقائق واضح ہونے کے باوجود ڈارون کا سکہ ہی چل رہا ہے۔ اسلام نے ڈارون کے نظریے کی غلطی کی نشاندہی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہر نوع کو الگ الگ اپنی اپنی اصلیت کے اعتبار سے پیدا کیا۔ ان مخلوقات میں ہر چیز اپنی الگ نوعیت اور اصلیت لیے ہوئے ہے۔ یہ ایک بہت آسان نظریہ ہے، جلدی سمجھ آ سکتا ہے لیکن سوچ کا ٹیڑھا پن کسی طرح بھی یہ سادہ سی بات ماننے کو تیار نہیں۔ اسی طرح اخلاقی اعتبار سے کردار، عقیدہ، سیاسی، معاشی نقطہ نظر سے حق کو واضح کر دیا گیا ہے۔ اب اولوا الالباب ہی صحیح نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں۔

وجدان اور جبلت

انسانی مزاج کی فطری ساخت کو جبلت کہتے ہیں اور اس جبلت کی رہنمائی اس فطری تخلیق کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن انسان کی وجدانی کیفیات کو اپیل کر کے ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ انسانی تخلیق میں مختلف قوتیں رکھ دی گئیں ہیں۔ عقل وفکر، استدلال، استنباط، خیال، حافظہ اور تمیز کی قوت، قوتِ ارادی اور ایسی ہی بہت سی خوبیاں ہیں جو ہر نیک اور بد انسان میں پیدا کر دی گئی ہیں۔ ان قواء کی بنا پر اس کی فطرت کو سلیم اور صراط مستقیم پا لینے والی بنایا گیا ہے۔ انسان کو فطرت اسلام پر پیدا کیا گیا ہے۔ اگر اس فطری جبلت اور وجدان کو صحیح استعمال کیا جائے تو

ہدایت پانا آسان بن جاتا ہے۔

تدبر و شعور

تدبر اور شعور عقل ہی کے مختلف مدارج ہیں۔غور و فکر سے ہدایت جلدی ملنے کے امکانات ہیں۔عدل اور اپنی فلاح کا تصور ہدایت پانے میں بڑا مفید ہوتا ہے۔اپنے ساتھ بھلائی کرنے کا شعور ہر انسان میں کسی نہ کسی حد تک موجود ہے۔خیر خواہی کا جذبہ ہدایت پانے کے لیے بہت مفید ہے۔مفاد اور نقصان سے بچنے کا شعور بھی ہدایت میں مدد کرتا ہے۔بعض اوقات دنیاوی مفادات ہدایت سے محرومی کی وجہ بھی بن جاتے ہیں اور ماحول اور معاشرہ غلط بن جائے تو بدی کے ساتھ مفادات وابستہ ہو جاتے ہیں۔

اگر انسان جلد باز نہ ہو اور دیر پا اور پائیدار مفادات کا سوچے تو پھر مفاد اسی میں ہے کہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایت کو قبول کر لیا جائے۔ یہ کیسا شعور ہے کہ چند دن کی لذت کے لیے آخرت کے مستقل فوائد کو چھوڑ دیا جائے؟ جوں جوں علم میں گہرائی پیدا ہوتی جاتی ہے، شعور بیدار ہوتا جاتا ہے۔عقلی نشو ونما تدبر سے ہوتی ہے۔غور و فکر کرتے وقت مثبت انداز میں سوچنا شعور کو جلا بخشتا ہے۔شعور کی بیداری کو اگر مناسب تربیت مل جائے تو ہدایت پانا آسان ہو جاتا ہے ۔ تدبر کرنے والوں کے لیے فکر کا میدان بہت وسیع ہے۔کوئی سوچنا چاہے تو ہدایت گھر کے دروازے کے پاس کھڑی مل جاتی ہے۔

کشف

کشف کے معانی ہیں کھولنا۔ پس پردہ حقائق میں سے کسی راز کا کھل جانا کشف کہلاتا ہے۔حالت بیداری میں سارے پردے ہٹ جائیں۔ جنت اور دوزخ امر واقعہ کی شکل میں نظر آئیں تو اسے بھی کشف کہتے ہیں۔لوگوں کو دیوار نظر آتی ہے لیکن اہل کشف جنت کا نظارہ کر رہے ہوتے ہیں۔میجر خالد محمود چوہدری سے میری ملاقات ہوئی تو ایک سوال کے جواب میں انہوں

نے فرمایا کہ میں نے کھلی آنکھوں سے نبی ﷺ کا دیدار کیا ہے۔ آپ ﷺ آسمان کے مغربی کنارے پر تشریف رکھے ہوئے تھے۔ مولانا محمد حسین مرحوم (سکنہ پتوکی) نے کھلی آنکھوں جنت کو دیکھا جو بہت خوبصورت اور گنجان تھی۔ مولانا کمال دین ڈوگر مرحوم (سکنہ ضلع فیروز پور) کے پاس ایک شخص روتا ہوا آیا کہ میں لٹ گیا میری بہو اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ انہوں نے دعا کی اور اس شخص کو کہا کہ جاؤ تمہاری بہو میکے میں ہے۔ اس کے عاشق کو سانپ نے کاٹ لیا تھا اس لیے وہ پاک ہے۔ اسے کچھ نہ کہنا اور اسے اپنے گھر لے آؤ۔ اس طرح کے بہت سے واقعات کشف کا ثبوت دیتے ہیں۔ اسی طرح کئی لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ قبر کے اندر مردے پر کیا گزر رہی ہے؟ اسے کشف قبور بھی کہتے ہیں۔ نبی ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو ایک سبز ٹہنی اس قبر پر رکھ دی۔ سوال کے جواب میں فرمایا اس قبر پر عذاب نازل ہو رہا تھا۔ میں نے سبز ٹہنی رکھ دی کہ اس کا عذاب ٹل جائے۔

یہ کشف اللہ تعالیٰ کا خاص فضل، کرم، رحمت، معجزہ اور کرامت ہے۔ یہ زندگی کا عام معمول نہیں۔ صرف خواص ہی اللہ کے اس انعام سے مستفید ہوتے ہیں۔ کشف کی دوسری حالت یہ ہے کہ آنکھیں بند کرنے پر اللہ کی طرف سے کسی راز یا علم غیب سے پردہ اس طرح اٹھے کہ انسان کے تصور، خیال، ادراک اور وجدان کو ایک حقیقت اسی طرح معلوم ہو جائے گویا کہ اپنی آنکھوں سے ہی دیکھ رہا ہے۔ یہ علم بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے لیکن یہ کھلی آنکھوں دیکھنے والوں کی نسبت زیادہ لوگوں کو مل جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص قرآنی ہدایت کے مطابق تقویٰ اور احسان کی راہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے علوم غیب میں سے کچھ عنایت فرما دیتا ہے۔ ایک شخص گھر سے چنے کی دال کھا کر آیا۔ صاحب کشف نے باتوں باتوں میں بتا دیا کہ تو دال کھا کر آیا ہے۔ ایک شخص گھر سے سوچ کر چلا کہ بابا جی سے قصیدہ بردہ پوچھنا ہے۔ جب مجلس میں پہنچا تو ایک شخص قصیدہ بردہ کی تلاوت کر رہا تھا۔ ایسے بہت سے معاملات میں کئی افراد کو تجربہ ہو چکا ہے۔

مراقبہ

مراقبہ سے بھی بہت سے غیب کے پردے کھل جاتے ہیں۔ یہاں بھی سر کی آنکھیں بند رکھنا پڑتی ہیں۔ میں نے افضل سے کہا کہ مولانا ربانی صاحب سے ملنے ملتان چلیں۔ اس نے سوال کیا کہ مولانا کا ڈیرہ کس سڑک پر ہے۔ میں نے کہا کہ چوک میتلہ سے سڑک ملتان کی طرف جاتی ہے۔ کوئی دس بارہ کلومیٹر آگے چشت نگر کے نام سے ان کا ڈیرہ ہے۔ افضل نے چند منٹ آنکھیں بند کیں اور مراقبہ میں چلا گیا اور کہا کہ چوک میتلہ میں ایک مسجد ہے۔ اس کے پاس ایک باغ بھی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں ہے۔ ہم ملنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ چوک میتلہ کی مسجد میں نماز پڑھی تو افضل مسجد کی دیوار کے اوپر سے سر اٹھا کر باغ کی تصدیق کرنے لگا۔ جب اسے باغ نظر آ گیا تو کہنے لگا ٹھیک وہی باغ ہے۔

مراقبہ بھی ایک فن ہے۔ بعض اسے روحانی ترقی سمجھتے ہیں اور بعض اسے کہانت اور جنوں کا علم سمجھتے ہیں۔ جنات اپنے بزرگ کو غیبی معلومات لا کر دے دیتے ہیں۔ میری تحقیق کے مطابق ان دونوں لوگوں کی رائے صحیح ہے میں نے دونوں قسم کے لوگ دیکھے ہیں۔ البتہ تزکیہ کرنے والے لوگوں پر اللہ کا خاص فضل و کرم ہوتا ہے۔ وہ انہیں جو چاہتا ہے بتا دیتا ہے جو چاہتا نہیں بتاتا۔ اس میں انسان کا کوئی کمال نہیں۔ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے ہوتا ہے۔ وہ علوم غیب میں سے جتنا علم چاہے کسی کو دے دے۔

کشف کی ایک حالت سچے خواب ہیں جو از خود کسی کو نظر آ جاتے ہیں یا بذریعہ استخارہ بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ان صحیح خوابوں میں آنے والے واقعات کی خبر بھی مل جاتی ہے۔ کئی خواب تو واضح ہوتے ہیں لیکن کئی خوابوں کی تعبیر کرنا پڑتی ہے۔ یوسف علیہ السلام، شاہ مصر اور ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا ذکر تو قرآن میں موجود ہے۔ محمد شاہ کو خواب نظر آیا کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ اس کا نام عبداللہ ہے۔ دو دن کے بعد جب بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ ثمینہ کو خواب نظر آیا کہ اس کی بہن کو کالی بلی نے کاٹا ہے۔ صبح جب دیکھا تو بہن کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ نزہت کو

خواب نظر آیا کہ مینار پاکستان درمیان سے ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ چند دن بعد اخبار میں پڑھا کہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا اور پاکستان کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اسی طرح بہت سے سچے خواب انسانوں کی رہنمائی کر دیتے ہیں۔ اچھا خواب بھی اللہ ہی کے حکم اور اذن سے آتا ہے۔ اس میں انسان کا کوئی کمال نہیں ہے۔ کشف اور مراقبے استادوں کی رہنمائی میں بھی ہو سکتے ہیں اور بغیر کسی استاد کے صرف کتابیں پڑھ کر عمل کرنے سے بھی ہو سکتے ہیں۔ ہدایت کے سلسلے میں قابل توجہ سوال یہ ہے کہ کیا کشف، مراقبے اور خواب پر کلیتاً انحصار کر کے کوئی شخص ہدایت پا سکتا ہے؟ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہاں ان مکاشفوں پر کلیتاً انحصار کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی زندگی ایسے ہی طریقے سے گزارتے ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مکاشفے، مراقبے، خواب سو فیصد صحیح نہیں ہوتے۔ بہت سے غیبی امور جنہیں ہم کشف کا نام دے دیتے ہیں شیطان کے فریب ہوتے ہیں اور شیطان ہر اللہ والے کو گمراہ کرنے کے لیے سو جتن کرتا ہے۔ احتیاط اور کامیابی کا راستہ یہ ہے کہ ان مکاشفوں کا قرآن و سنت اور اہل علم و تقویٰ کے مشورہ سے تجزیہ کیا جائے۔ خوابوں کی صحیح تعبیر معلوم کی جائے۔ جب مشاورت سے تمام امور کا احاطہ کر لیا جائے تو جو بات حق ہو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ سے پہلے زمانے میں راہب، جوگی، اشراقی کاہن موجود تھے اور وہ زیادہ تر اپنے کمالات میں ان غیبی امور پر ہی زور دیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے ان پرانے زمانے کے لوگوں کے طریقوں کو چھوڑ کر شریعت کا طریقہ اپنایا جسے اسلام کہتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں بھی ہدایت کے طالبوں کے سامنے امور غیب کے مسائل آتے ہیں تو ہماری ہدایت بھی اسی میں ہے کہ ہم اپنے غیبی معاملات کو قرآن اور سنت کی میزان پر پرکھیں اور اہل علم و تقویٰ سے مشورہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے:

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص ان کے کام باہم مشورے سے چلتے ہیں۔

(الشوریٰ ۴۲:۳۸)

نبی ﷺ سے ہدایت

کچھ لوگ اس گمان میں مبتلا ہیں کہ ان کا نبی ﷺ سے براہ راست رابطہ ہے۔ وہ بذریعہ کشف ہر وقت حضوری میں رہتے ہیں اور نبی ﷺ سے ہر معاملے میں براہ راست ہدایات لیتے ہیں۔ یہ ایک لمبی بحث ہے ذیل میں چند ضروری نکات جو ہماری ہدایت کے لیے کافی ہیں، درج کیے جاتے ہیں:

☆ بذریعہ کشف کھلی آنکھوں سے حضور ﷺ کا دیدار اور آپ کی خدمت میں حاضری بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص نیک بندوں کو عطا فرماتا ہے اور کسی خاص دینی مصلحت کے لیے ایسی کرامات وارد ہوتی ہیں۔ یہ معجزے اور کرامات روز روز نہیں ہوتے۔ اللہ کے اذن سے کبھی کبھار ہوتے ہیں۔

☆ بذریعہ مراقبہ، تزکیہ اور احسان آنکھیں بند کر کے روحانی انداز میں بھی دیدار مصطفیٰ ﷺ ممکن ہے۔ یہ کشف سے کم تر درجے کی کرامت ہے۔ اس کرامت کی بھی منظوری اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اللہ کے حکم اور اذن کے بغیر مراقبہ بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ مراقبہ کے ذریعے اکثر و بیشتر لوگ خانہ کعبہ یا مسجد نبوی میں آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔ آگے دربار خاص میں حاضری منظوری سے ہوتی ہے اور صرف اللہ کے دوست ہی اس فیض کے اہل ہوتے ہیں۔

☆ تصور کے ذریعے بھی دیدار مصطفیٰ ﷺ ممکن ہے۔ تصور بھی ایک روحانی مشق ہے۔

☆ خواب کے ذریعے دیدار مصطفیٰ ﷺ عام ہے۔ یہ فیض عام نیک اور بد سب پر ہوتا ہے۔ خواب کا دیدار حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ	جس شخص نے خواب میں مجھ کو دیکھا اس نے حقیقت میں مجھ ہی کو دیکھا اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ (مشکوٰۃ حدیث نمبر: ۴۴۰۳)

ہدایت کے لیے دیدار مصطفیٰ ﷺ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس دیدار میں کوئی

کام، چیز، نصیحت، خوش خبری یا ذکر ملے تو اہل علم تقویٰ جو راز دان خاص ہوں ان سے مشورہ کر لینا چاہیے۔خواب میں بھی دیدار مصطفیٰ ﷺ اک بڑی خوش نصیبی ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ رات کو اگر خواب میں دیدار ہو تو صبح احادیث سے آپ کا حلیہ مبارک پڑھ کر اپنے خواب اور حدیث میں بیان کیے گئے حلیہ کا تقابل ضروری ہے۔تاکہ اصلیت واضح ہو جائے۔

کچھ لوگ براہ راست کشف، مراقبہ، تصور اور خواب میں ملنے والے حکم کو بغیر کسی وجہ کے مان لیتے ہیں لیکن کچھ نہیں مانتے۔وہ مزید تسلی کرنے کے لیے اپنے عربی اہل علم سے مشورہ کر لیتے ہیں۔مشاورت سے بھی بہت سے حقائق واضح ہو جاتے ہیں۔اگر تو حکم رسول ﷺ واضح ہو تو اس پر کسی مشورہ کی ضرورت نہیں۔یقین آ جائے کہ خواب یہی ہے اور حکم شرع سے ٹکراتا نہیں تو اس ہدایت غیبی پر عمل کرنے کا فائدہ ہوتا ہے نقصان نہیں ہوتا۔اگر حکم کشف، مراقبہ، تصور، خواب غیر واضح ہوں، شریعت سے ٹکراتے ہوں یا اپنی عقل ناقص میں داخل نہ ہوتے ہوں تو اہل علم کے مشورے سے قرآن اور سنت کی روشنی میں تجزیہ کر لینا چاہیے۔اگر خواب میں اضطراب ہو اور یقین نہ ہو کہ واقعی دیدار مصطفیٰ ﷺ ہے یا نہیں؟ خواب کی اصلیت و ماہیت میں بھی شک ہو تو کسی قسم کے رد عمل کی ضرورت نہیں۔

جو لوگ کلیتاً براہ راست رسول ﷺ سے دائم حضوری کا دعویٰ کرتے ہیں وہ قرآن، سنت یا اہل علم سے مشورہ کے قائل نہیں ہوتے۔جو بات ان کے دماغ میں بیٹھ گئی بس اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ایسے لوگ اپنے ذاتی علم، تجربہ اور گمان سے کام لیتے ہیں۔بعض اوقات تو ان کے فیصلے صحیح اور بعض اوقات غلط ہو جاتے ہیں۔خواب کی غلط تعبیر ان کو جادۂ مستقیم سے ہٹا دیتی ہے۔خود کو عقل کل سمجھ کر اپنی ذاتی رائے کشف، مراقبہ، تصور یا خواب کے خود ساختہ طریقوں پر عمل کرنے والوں کی بڑی غلطی یہ ہے کہ ذاتی خیال یا وجدان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھ لیتے ہیں۔یہی وہ موڑ ہے جہاں سے وہ ہدایت سے محروم ہو کر اپنے نفس کے حوالے کر دیے جاتے ہیں۔خواب کے تازہ حکم کو قرآن اور سنت کے پرانے حکم پر پرکھنے سے بہت سی خرابیوں سے بچا جا سکتا ہے۔

جو لوگ سمجھتے ہیں کہ روحانی ترقی کے لیے شریعت کی پابندی ضروری نہیں اور نبی ﷺ سے براہ راست فیض حاصل کر کے ہم روحانی درجات پائیں گے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہندو جوگی اور عیسائی راہب اسلام سے نفرت کے باوجود روحانی کرامات کے مالک ہوتے ہیں۔ براہ راست فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے بھی سنت رسول ﷺ کی سو فیصد اطاعت ضروری ہے۔ اگر یہ اطاعت اللہ کے دربار میں قبول و منظور ہو گئی تو بہت کچھ مل جائے گا۔

رہا یہ سوال کہ ہمیں دیدار رسول ﷺ کیسے نصیب ہو؟ یہ اس کتاب کا موضوع نہیں۔ مختصراً عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے جملہ احکامات کی دل کی خوشی سے اطاعت کی جائے۔ ایمان، تقویٰ، تزکیہ، جہاد اور اقامت دین کے سارے تقاضے پورے کیے جائیں۔ رزق حلال سے دل کھول کر خیرات کی جائے۔ رات کو کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔ اگر ہمارا عمل، خلوص، نیک نیتی، محبت اور شوق دربار الٰہی میں مقبول و منظور ہو گیا تو اللہ کے اذن سے ایک مرتبہ نہیں، کئی مرتبہ دیدار ہو سکتا ہے اور حالت کشف بھی ممکن ہے۔ البتہ جب کبھی دیدار ہو تو اسے راز رکھنا چاہیے۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی نہیں بتانا چاہیے۔ اگر ہم دیدار کا ذکر کر دیں تو مستقبل میں دیدار سے محروم رہ جائیں گے اور اگر یہ راز ہمارے سینے میں محفوظ رہا تو دوبارہ دیدار ہونا بھی ممکن ہے۔ اصل میں یہ عشق، شوق اور طلب ظاہر کرنے کی نہیں، چھپانے کی چیزیں ہیں۔

راز اسی وقت تک راز رہتا ہے جب تک کہ وہ آپ کے سینے میں ہے۔ جب راز زبان پر آیا تو وہ راز نہیں حکایت بن جاتا ہے۔ گلی گلی چرچا روحانیت کو ضائع کر دیتا ہے۔ فتنے کے دور میں طالب حق اپنی روحانیت اور تزکیہ کو جتنا چھپائے، اتنا ہی فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ گمنامی اور اجنبیت آج کی ضرورت ہے۔ نبی ﷺ کی یہ حدیث مجھے بہت پسند ہے:

بَدَأَ الْإِسْلَامَ غَرِيْباً وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ اسلام شروع ہوا غریب اور اسی طرح ہو جائے گا جس طرح شروع ہوا پس مبارک ہو غربا کے لیے۔ (مشکوٰۃ:۱۵۱)

آج کے دور کا اجنبی اہل علم و تقویٰ اپنے ایمان کی بہتر حفاظت کر سکتا ہے۔ معروف،

مشہور عالم دین، سیاست دان، صوفی اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کر لیتے ہیں۔ ریاء الناس بڑا مہلک مرض ہے بلکہ شرک ہے۔

اویسی طریقہ

آج کل انگریزی دان طبقہ میں اویسی طریقہ فروغ پا رہا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے اس طریقے کی وکالت کی ہے۔ حضرت اویس قرنیؒ نے بغیر ملاقات کیے حضور ﷺ سے محبت کی اور باطنی طریقے سے ہی فیض حاصل کیا۔ اس طرح آج بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ درود شریف پڑھ کر باطنی ذرائع سے حضور ﷺ سے براہ راست فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو پہلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت اویس قرنیؒ کے مقام اور مرتبے کو سمجھنا چاہیے اور پھر اس طریقے کے حسن و قبح پر بات کرنی چاہیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود حضور ﷺ کو ایمان کی آنکھوں سے دیکھا۔ قرآن لفظاً نبی ﷺ سے پڑھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ گلی گلی پھرے، غار کی تنہائیوں اور میدان جنگ کے ہنگاموں میں ساتھ رہے۔ دن میں بار بار ملاقات ہوا کرتی تھی۔ فرصت کے لمحات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں بھی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ اس انفرادی صحبت، محبت، شفقت اور تربیت کا اثر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آج بھی امت کا سب سے بڑا اور متقی فرد تصور کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ذاتی خوبیاں بھی تھیں لیکن ان خوبیوں کو نکھار براہ راست تعلیم و تربیت اور سچائی کا ساتھ دینے سے ملا۔ نبی ﷺ کی خصوصی تربیت نے ان کو بہترین سیاست دان اور اعلیٰ درجے کا فوجی کمانڈر بنا دیا۔ وہ اسلام کی ایک جامع تصویر و تفسیر ہیں۔ اس کے مقابلہ میں حضرت اویس قرنیؒ ایک صوفی اور نیک شخص ہیں۔ آخرت کی تیاری میں مصروف زاہد و عابد ہیں۔

اگر دین کے مکمل تصورات اور اقامت دین کی وسعتوں کو دیکھیں تو اویس قرنیؒ صرف ایک جزو تک ہی محدود رہتے ہیں۔ حضرت اویس قرنیؒ پر الزام ہے کہ انہوں نے بذریعہ کشف ہدایت پائی۔ ایسی کوئی روایت کتب حدیث، تاریخ یا تصوف کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ نہ ہی آپ

نے تصوف کا کوئی سلسلہ ''اویسی'' جاری کیا۔اس زمانے میں تصوف کے سلسلے نہیں ہوا کرتے تھے۔ تصوف کے سلسلے دو سو سال بعد بنے ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور تو تقویٰ، تزکیہ اور جہاد کا دور ہے۔ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی شاگرد یا خلیفہ بھی تاریخ سے ثابت نہیں ۔ ایسے نیک عاشق رسول سے اویسی طریقہ منسوب کرنا زیادتی ہے۔اویسی طریقہ تو پاکستانیوں کی ایجاد ہے۔کسی معتبر کتاب سے کسی روحانی طریقے کا ذکر نہیں ملتا۔بعض صوفیا نے بھی ایک اویسی طریقہ بنا رکھا ہے۔اس سلسلہ اویسیہ کی تاریخ بھی سو سال سے زیادہ نہیں بلکہ تقسیم ہند کے بعد کی ہے۔

اصل صورت حال یہ ہے کہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ یمن کے باشندے تھے۔آپ زمانۂ جاہلیت میں بھی زاہد و عابد تھے اور ماں کی خدمت کو سعادت سمجھ کر سارا دن ماں کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ان کے قبیلہ کے لوگ مدینہ گئے اور اسلام قبول کیا۔اپنے رشتہ داروں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر مسلمان ہو گئے ۔ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا ارادہ کیا لیکن اپنی والدہ کی مجبوری کے باعث شرف صحابیت سے محروم رہے۔آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔خلوص، محبت اور استغراق کی وجہ سے تارک الدنیا کی حیثیت سے زندگی گزاری۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ رَجُلاً یَــأْتِیـکُمْ مِنَ الیَمنِ یُقَالُ لَہٗ اُوَیْـسٌ لَایَـدَعَ بِـالیَـمَنِ غَیْرَ اُمٍّ لَّہٗ قَدْ کَــانَ بِہٖ بیَاضٌ فَدَعَی اللّٰہَ فَاذْھبَہٗ اِلَّا مَـوْضَـعَ الدِّیْنَارِ اَوِالدِّرْھِمِ فَمَنْ لَقِیَہٗ مِنْکُمْ فَلْیَسْتَغْفر لَکُمْ (مشکوٰۃ:۶۰۰۴)

ایک شخص یمن سے تمہارے پاس آئے گا جس کا نام اویس ہو گا، وہ یمن میں اپنی ماں کے سوا کسی کو نہ چھوڑے گا، اس کے بدن میں سفیدی تھی۔اس نے اللہ سے دعا کی اور وہ سفیدی جاتی رہی مگر ایک دینار یا درہم کے بقدر باقی رہ گئی۔پس جو شخص تم میں اس سے ملاقات کرے وہ اس سے اپنے لیے مغفرت کی دعا کروائے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم مکہ گئے تو پوچھا کہ یہاں کوئی اہل یمن میں سے ہے تو

کھڑا ہو جائے۔ جب ایک آدمی کھڑا ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آیا قرن میں کوئی اویس نامی شخص ہے؟ اس شخص نے بتایا کہ جی ہاں رہتا ہے لیکن وہ دیوانہ ہے جو آبادی میں نہیں آتا اور وہ ویرانوں میں رہتا ہے۔ کسی کی صحبت میں نہیں بیٹھتا۔ جو کچھ لوگ کھاتے ہیں وہ نہیں کھاتا اور نہ شادی اور خوشی کو جانتا ہے۔ جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے اور جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا وہ ہمارے اونٹوں کے پاس ہے۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت عمرؓ کو اویسؒ کے پاس لے گئے تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اصحاب رسولؓ کو السلام علیکم کہا اور اپنے پہلو اور ہاتھ کے سفید نشان دکھائے جس سے ان کو معلوم ہوا کہ وہی اویسؒ ہیں۔ اس کے بعد اصحاب رسولؓ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچایا اور امت کے لیے دعا کی درخواست کی اور کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھے رہے۔ اس کے بعد حضرت اویس قرنیؒ نے فرمایا کہ ''آپ کو یہاں آنے سے بہت تکلیف ہوئی۔ اب آپ واپس تشریف لے جائیں کیونکہ قیامت قریب ہے۔ وہاں ہماری ملاقات ہو گی اور پھر وہاں سے واپس کوئی نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس وقت میں قیامت کے لیے تیاری میں مشغول ہوں۔'' جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہو کر جنگ میں شریک ہوئے اور شہادت پائی۔

ان کے زہد اور دنیا سے عدم دلچسپی کا یہ حال ہے کہ امیر المومنین ان کے پاس ملنے آئے لیکن کسی رکھ رکھاؤ اور وارفتگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی آخرت کی تیاری کو زیادہ اہمیت دی اور ایک مختصر ملاقات کے بعد دوبارہ نماز میں مصروف ہو گئے۔ اس ملاقات کے لیے وہ چل کر امیر المومنین کے پاس نہیں گئے بلکہ امیر المومنین خود چل کر ان کے پاس آ کر ملے ہیں۔

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر درج حدیث میں جو تعارف نبی ﷺ نے اویسؒ کا کروایا اس تعارف کا ذریعہ معلومات کیا تھا۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ علم الغیب اور روحانی طریقے سے حاصل کیا لیکن صحیح صورت حال یہ ہے کہ یمن اور قرن کے لوگ ملاقات کے

لیے آتے رہتے تھے۔ وہ حضور ﷺ کے لیے اویس ؓ کا سلام اور نامہ و پیام لایا کرتے تھے۔ جنگ احد کے دن حضرت اویس ؓ کے اپنے دانتوں کو شہید کر دینے کے واقعہ کی وجہ سے بھی لوگوں میں ان کی ایک شہرت تھی اور نبی ﷺ کی معلومات کا ذریعہ قرن کے مسلمان تھے۔ اس انسانی رابطہ کے علاوہ ممکن ہے کہ کوئی کشف بھی ہو اور باطنی رابطہ بھی ہو۔ اللہ کا رسول علیہ السلام بذریعہ وحی، کشف بہت سی غیب کی باتیں جان جاتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی ایسی صورت حال ہو تو یہ مقام رسالت سے بعید نہیں۔ روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ اپنے سے محبت رکھنے والے لوگوں کو ذاتی طور پر یاد رکھتے تھے اور مستقبل کے متعلق تو بہت سے واقعات کی پیشین گوئیاں احادیث میں بیان کی گئی ہیں ۔البتہ اویس قرنی ؓ کی طرف سے کسی کشف اور کرامت کا ذکر کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ بس سنی سنائی روایات ہیں جو مقرر حضرات بغیر کسی ثبوت کے پیش کرتے رہتے ہیں۔

شرح صدر

اطمینان کی کیفیت کا نام شرح صدر ہے یعنی حق کو قبول کرنے، حق کی راہ میں جدوجہد کرنے اور قربانیاں دینے کے لیے قلب میں کشادگی پائی جاتی ہے۔ انسان مطمئن ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، ٹھیک ہے۔ اضطراب، تذبذب اور شک و شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ اطمینان کی اس حالت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم سوچتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا ہے اور ان پر کوئی گھبراہٹ یا ہچکچاہٹ طاری نہیں ہوتی۔ سقراط کو سزا کے طور پر زہر کا پیالہ پینے کے لیے دیا جاتا ہے، وہ پہلے اسے چومتا ہے اور پھر ٹھہر ٹھہر کر پیتا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں موت کے ڈر سے کوئی خوف یا لرزہ پیدا نہیں ہوتا۔ جن لوگوں کا اللہ پر کامل ایمان ہوتا ہے ان کو اطمینان کی یہ کیفیت مل جاتی ہے۔ شرح صدر کا لطف ایک خاص نوعیت رکھتا ہے۔ جب ملے تو سمجھ آتی ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ — پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ (الانعام ۶:۱۲۵)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ — اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول

فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (الزمر۳۹:۲۲) دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے۔

شرح صدر سے انسان میں بصیرت پیدا ہو جاتی ہے۔یقین کو جب اطمینان کا درجہ حاصل ہو جائے تو نقصانات، مشکلات اور پریشانیاں تکلیف کا ذریعہ نہیں رہتیں بلکہ خوشی اور سکون میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔شرح صدر ایک روشنی ہے جس کی وجہ سے خود انسان کا اپنا ضمیر زندہ ہوتا ہے اور خیالات اور قیاس کا معیار بلند ہو جاتا ہے۔دلائل اور برہان پر استقامت نصیب ہوتی ہے ۔حق کو دل پر غلبہ کی دلیل مل جاتی ہے۔ جب حضور ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو ایسے عجیب عجیب واقعات دیکھے کہ ہماری عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن حضور ﷺ کا شرح صدر دیکھیں کہ ذرا گھبراہٹ طاری نہیں ہوئی:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ نگاہ چندھیائی نہ حد سے تجاوز ہوئی۔

(النجم۵۳:۱۷)

شرح صدر کا ایک پہلو وہ بھی ہے جس کا مظاہرہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے میدان میں کیا۔۷۲ ساتھی شہید ہو چکے، اپنی موت یقینی ہوگئی لیکن تلوار کے قبضے پر گرفت کمزور، نماز فوت اور سجدہ قضا نہیں ہوا۔ہمیں بھی اپنے ایمان کی کیفیت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اکیلے رہ جائیں اور سب دوست احباب ساتھ چھوڑ جائیں۔ جو لوگ اس نعمت سے مستفید ہوتے ہیں وہ اکیلے میں بھی انجمن ہوتے ہیں اور راہ حق کی رکاوٹیں ان کے حوصلوں میں اضافہ کرتی ہیں لیکن جو لوگ اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں وہ کامیاب ہو کر بھی اضطراب اور بے یقینی کے مریض ہوتے ہیں۔داعی حق کے لیے ضروری ہے کہ اسے شرح صدر کا مقام حاصل ہو۔

سینے کی اس کشادگی میں مددگار عوامل درج ذیل ہیں:

☆علم ☆ایمان ☆سیرت طیبہ کا مطالعہ ☆فہم وفراست ☆صبر

☆استقامت ☆غم نہ کرنا ☆آخرت کو ترجیح ☆خیر خواہی ☆محبت

☆نصب العین کی پختگی ☆ایثار ☆تحمل ☆امید ☆جلد بازی سے پرہیز

ہدایت کے خارجی ذرائع

اب ہم ہدایت کے ان ذرائع کو دیکھتے ہیں جن کا تعلق انسان کے خارج سے ہے۔

کتاب اللہ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۹)

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

يَّهْدِىْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ (الجن ۷۲:۲)

جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس ۱۰:۵۷)

لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے یہ (قرآن) وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے جو اسے قبول کر لے ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (النحل ۱۶:۸۹)

ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ ج (البقرہ۲:۱۸۵)	رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔
اَوۡ تَقُوۡلُوۡا لَوۡ اَنَّاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا الۡکِتٰبُ لَکُنَّاۤ اَهۡدٰی مِنۡهُمۡ ج فَقَدۡ جَآءَکُمۡ بَیِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَهُدًی وَّرَحۡمَةٌ ج فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنۡهَا ط (الانعام۶:۱۵۷)	اور اب تم یہ بہانہ بھی نہیں کر سکتے کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم ان سے زیادہ راست رو ثابت ہوتے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک دلیل روشن اور ہدایت و رحمت آ گئی ہے۔ اب اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے منہ موڑے۔

قرآن مجید ہدایت کا منبع ہے۔ ہدایت کی ابتدا قرآن سے ہوتی ہے۔ قرآن کے آداب میں نے اپنی تالیف ''حقیقتِ ذکر'' میں بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ بھی مفید ثابت ہوگا۔ سب سے پہلے اس بات پر یقین کر لینا کہ قرآن اللہ کا نازل کردہ ہے، کسی انسان، نبی علیہ السلام یا فرشتے نے خود نہیں لکھا۔ خالصتاً اللہ کا کلام ہے۔ اس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں۔ سمع و اطاعت کے معاہدے کے تحت ہم قرآن کی تلاوت، قرأت، تفقہ اور تدبر کر کے بات کو سمجھیں کہ قرآن ہمیں کیا حکم دیتا ہے؟ اگر انسان ترجمہ و تفسیر نہ پڑھ سکے یا نہ سمجھ سکے تو کسی اہل علم کے ذریعے قرآن کے احکامات کو سنے اور سمجھے۔ جب یہ واضح ہو جائے کہ فلاں کام کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے تو پھر نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر قرآن کے حکم کی اطاعت کی جائے۔ قرآن کا ہر لفظ ہمارے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے اور ہر حکم پر عمل کرنا فرض ہے۔ قرآن کی نافرمانی سے انسان گناہ گار ہوتا ہے اور آخرت کے حساب میں خسارہ ہوگا۔

عقل مند وہ ہے جو قرآن کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو

تذکرہ بھی کہا ہے کہ یہ ایک یاددہانی ہے۔ایک نصیحت ہے جو کوئی اس سے نصیحت حاصل کر لے، ہدایت پا جائے گا۔قرآن نے تذکیر کئی انداز سے کی ہے۔ پرانی تاریخ، آثار، پہلی قوموں کے احوال، روزمرہ زندگی سے دلائل کے ساتھ نصیحت کی ہے اور قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞ ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے، پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟ (القمر ۵۴:۱۷)

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۞ جو لوگ قرآن کے نصائح پر تدبر کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا ہے۔ (القصص ۲۸:۴۳)

وحی کو ہدایت میں مرکزی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے۔وحی کے بغیر انسان ذاتی سوچ بچار سے بعض اوقات توحید، رسالت، اور آخرت کی حقیقت کا ادراک کر کے ایک مواحد اور یک سو بن سکتا ہے لیکن عملی زندگی میں کوئی اصلاح نہیں کرسکتا۔وحی کو بارش پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔کسی ملک کی خوشحالی کے لیے بارش ضروری ہے۔اگر کئی سال متواتر بارش نہ ہوتو اس ملک کے دریا خشک ہوجاتے ہیں اور زیر زمین پانی کے سوتے بند ہو جاتے ہیں۔قحط اور گرمی لوگوں کی موت کی وجہ بن جاتے ہیں۔وحی کے بغیر کوئی قوم خواہ کسی زمانے میں ہو، عدل واحسان پر قائم نہیں رہ سکتی۔وحی کے بغیر فتنہ اور فساد لازماً پیدا ہو جاتا ہے۔مطلق علم، فلسفہ اور انسانی تصورات سے کوئی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ چونکہ دنیا میں تفرقہ اور تعصّبات پائے جاتے ہیں اس لیے ہر شخص صحیح سوچ نہیں رکھتا۔

فتنہ وفساد کے حالات میں وحی کے بغیر صرف سوچ بچار سے توحید باری تعالیٰ تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔توحید باری تعالیٰ کو جاننے اور پہچاننے کے لیے وحی کی مدد ناگزیر ہے۔ قرآن کو اگر ہدایت کی نیت سے پڑھا جائے تو وہ انسان سے اسی طرح کلام کرتا ہے جیسے دو انسان آپس میں باتیں کرتے ہیں۔قرآن کا ایک نام فرقان بھی ہے۔ یہ حق اور باطل کی کسوٹی ہے۔ دلائل کے ساتھ اس نے حق و باطل کے راستوں کو واضح کر دیا ہے۔اسے کتابِ مبین بھی کہا گیا ہے

کہ اس کے الفاظ سادہ، اس کی تحریر آسان اور اس کے کلام میں فصاحت اور بلاغت پائی جاتی ہے۔ ہدایت کے سچے طالبوں کو اس کے احکامات جلد سمجھ آ جاتے ہیں۔

قرآن کا مطالعہ تعصّبات سے پاک ہو کر اور دین کو پہلے سے موجود نظریات سے خالی کر کے کرنا چاہیے۔ ہمارے ہاں غلطی یہ کی جاتی ہے کہ خود ایک نظریہ بنا لیتے ہیں پھر اس باطل نظریے کو حق ثابت کرنے کے لیے دلائل قرآن سے تلاش کرتے ہیں۔ قرآن چونکہ حق ہے اس لیے وہ ہمارے خود ساختہ باطل نظریات کا ساتھ نہیں دیتا۔ پھر قرآن کی تاویلات کر کے، اس کی آیات کی کانٹ چھانٹ کر کے، معانی کو غلط کر کے، سیاق و سباق سے الگ کر کے، احکامات قرآن کو توڑ مروڑ کر اپنے باطل کو حق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ مسلمانوں کی غلطی ہے۔ انہیں قرآن کی اصل تعلیم کو قبول کرنا چاہیے۔ خود ساختہ نظریات کو قرآن سے ثابت کرنے کی بجائے کہیں اور سے دلائل فراہم کرے۔

آج مسلمان یورپی فلسفہ سے متاثر ہے۔ اس کا ذہن مغرب کا غلام بن چکا ہے۔ چونکہ وہ مسلمان بھی رہنا چاہتا ہے اس لیے قرآن سے اپنے مطلب کے دلائل اخذ کر کے اپنے مردہ ضمیر کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ قرآن کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ہدایت صرف مخلص اور سچے طالبوں کو دیتا ہے لیکن اگر کوئی گمراہ ہونا چاہے یعنی قرآن پڑھ کر گمراہ ہونا چاہے تو اس کی گمراہی میں اضافے میں بھی مدد دے دیتا ہے۔ اس خوبی کے تحت آج کے باطل پرست یورپ سے متاثر لوگ قرآنی تاویلات سے قوم کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اہلِ علم کا یہ فرض ہے کہ قرآن میں تدبر کر کے یورپ سے متاثر لوگوں کی غلطی ان پر واضح کر کے مسلمان عوام کی ہدایت کا اہتمام کریں۔

اسوۂ رسول ﷺ

ہدایت کا دوسرا بڑا ذریعہ اللہ کا رسول ﷺ ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ قرآن کی عملی تفسیر ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ   (الاحزاب ۳۳:۲۱)   بے شک تمہارے لیے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

مَـا اٰتـٰـکُـمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ق وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج (الحشر۵۹:۷)

جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے اسے لے لو، اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْن ۝ (الصّف۶۱:۹)

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی نا گوار ہو۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم ج دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ج وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (الانعام۶:۱۶۱)

اے نبی ﷺ کہہ دو میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے، بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ ہے ''محمد رسول اللّٰہ''۔ رسول کے معانی ہیں پیغمبر، پیغام لانے والا۔ اللہ کائنات کا بادشاہ ہے۔ اس نے اپنی مخلوق، رعایا، غلاموں کی طرف اپنا حکم نامہ قرآن کی شکل میں پہنچانے کے لیے محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا نمائندہ، سفیر اور پیغام رساں بنا کر بھیجا۔ نبی ﷺ نے اپنا یہ فرض احسن طریقے سے ادا کیا اور ۲۳ سال مکہ اور مدینہ میں انسانوں کے سامنے اس کا حکم بڑی وضاحت سے زبانی اور عملی طور پر پیش کر دیا:

کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَکِّیْکُمْ وَ یُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَ یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ۲:۱۵۱)

جس طرح ہم نے تم میں خود تمہارے درمیان میں سے ایک رسول ﷺ بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۝ (ابراہیم۱۴:۱)

ا،ل،ر، یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا تا کہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔

اللہ کے رسول ﷺ کی بنیادی ذمہ داری بات کھول کر سمجھا دینا ہے:

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ اور رسول ﷺ کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے۔ (النور۲۴:۵۴)

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنایا، قرآن کی تلاوت کی، انفرادی طور پر بھی ایک ایک شخص کے سامنے قرآن پڑھا اور اجتماعی طور پر بھی لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کی۔ پھر قرآنی آیات کی اپنی زبان میں تشریح اور تفسیر کی۔ جو لوگ ایمان لے آئے تھے ان کی تعلیم و تربیت کی، ان میں پائی جانے والی خرابیوں کی اصلاح کی، صحابہ کرام ؓ کے اخلاق سنوارے، ان کے طرز زندگی کو بدلا، ان کے روزگار، شادی بیاہ اور معاملات زندگی کی اصلاح کی، آداب زندگی سکھائے، باطل کو مٹانے کے لیے جہاد کیا، غرضیکہ قرآن کی ساری تعلیمات کو پورے دین اسلام کی شکل میں مکمل کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے پہلے اسلام پر خود عمل کیا:

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الانعام۶:۱۶۳) اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔

پھر اس عمل کو صحابہ کرام ؓ کی زندگیوں میں داخل کیا۔ نبی ﷺ کے ہر عمل، حکم اور طریق زندگی کو سنت کہتے ہیں۔ اس طرح اسلام کے ہدایت کے دو سرچشمے بن گئے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرا اللہ کے رسول ﷺ کی سنت۔ ان دونوں کو ملا کر کلمہ طیبہ کے معانی پورے سمجھ آ جاتے ہیں۔

قرآن میں حکم ہے اقیموا الصلوۃ لیکن نماز پڑھنے کا طریقہ وضاحت سے نہیں بتایا گیا۔ نبی ﷺ نے پانچ وقت با جماعت نماز ادا کر کے، اس کی تفصیلات بتا کر اللہ کے حکم کو واضح کر دیا۔ اس لیے اگر ہم ہدایت کے سچے طالب ہیں تو ہمیں قرآن اور سنت دونوں کی تعلیم حاصل کرنا چاہیے تاکہ دین کا مکمل شعور حاصل ہو جائے۔

ہمارے ہاں خرابی یہ ہے کہ ہم جزئیاتِ دین کے پیرو ہیں۔ مکمل دین کو نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔ ہدایت کا انسانی ذریعہ اللہ کا رسول ﷺ ہے اس لیے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت، ان سے عقیدت، ایمان اور محبت سبھی ضروری ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ سے بے نیاز ہو کر

ہدایت نہیں مل سکتی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے سارے احکامات پر ہی عمل کرنا چاہیے۔ جزوی اطاعت بے کار ہے۔ سنت رسول ﷺ کو سمجھ لینے کے بعد ہمارے پاس اپنی گمراہی کا کوئی جواز نہیں رہتا:

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ — یہ سارے رسول علیہ السلام خوشخبری دینے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے۔ (النساء۴:۱۶۵)

اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ — اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال اسے معلوم تھا اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔ (الفتح ۴۸:۱۸)

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ — اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ (الفتح ۴۸:۲۹)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ — جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے ہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ کچھ ہے اس کے لیے جس نے اپنے رب کا خوف کیا۔ (البینہ ۹۸:۷-۸)

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰى ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝

جولوگ اللہ کے رسول ﷺ کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے، ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم۔ (الحجرات ۴۹:۳)

لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَاَمۡوَالِهِمۡ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا وَّيَنۡصُرُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالۡاِيۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ يُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَيۡهِمۡ وَلَا يَجِدُوۡنَ فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّآ اُوۡتُوۡا وَيُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝

(وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حمایت پر کمر بستہ رہتے ہیں یہی راست باز لوگ ہیں اور جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔ (الحشر ۵۹:۸۔۹)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی بہت تعریف کی ہے۔ ان کی بنیادی خوبی یہ تھی کہ بڑے مشکل حالات میں انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دیا۔ آخرت کی کامیابی اور اللہ کی رضا کے لیے انہوں نے تن، من، دھن سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کر دیا۔ ہمارے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرتوں اور واقعات میں بڑی نصیحت ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ ہم اللہ کی رضا کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلیں:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (التوبہ۹:۱۰۰)

وہ مہاجر وانصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

آیت میں اتبعوھم باحسان میں یہ شامل ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوبیاں اپنے اندر پیدا کریں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرتیں اپنائیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے لیے نمونہ سمجھیں۔

ہادی

ماضی میں اسلام کی خدمت نیک اور صالح بندوں نے کی، کسی نے علم کی خدمت کی، کسی نے سیاست میں اعلیٰ کردار پیش کیا، کسی نے قرآن کی تفسیر لکھی، کسی نے حدیث کی حفاظت کی، کسی نے فقہ کی تدوین کی، کسی نے کافروں سے جہاد کیا، کسی نے ظالم مسلمان حکمرانوں سے ٹکر لی، کسی نے تزکیہ نفس میں کمال حاصل کیا، کسی نے تجدید واحیائے دین کی کوششیں کیں۔ اس طرح ہر نیکی کے عملی نمونے ماضی میں مل جاتے ہیں۔ ان نیک لوگوں کی سیرتوں کا مطالعہ بھی ہمارے لیے ہدایت کا باعث بن سکتا ہے۔ اگر قرآن وسنت کی میزان پر ان بزرگوں کی زندگیوں کو پرکھا جائے تو حق کے بہت اچھے اچھے نمونے مل جاتے ہیں۔ کوئی حق پرست ہدایت کی نیت سے مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرے تو بھی ہدایت پانے میں آسانی ہوسکتی ہے:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ (الاعراف ۷:۱۵۹)

موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو حق کے مطابق ہدایت کرتا اور حق کے مطابق انصاف کرتا تھا۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ (الاعراف ۷:۱۸۱)

ہماری مخلوق میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ٹھیک حق کے مطابق ہدایت اور حق کے مطابق انصاف کرتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۝ — وہ شخص جو ایمان لایا تھا بولا ’’اے میری قوم کے لوگو، بات مانو، میں تمہیں صحیح راستہ بتا تا ہوں (مومن۴۰:۳۸)

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ ط — اے محمد ﷺ! وہی لوگ اللہ کی طرف سے یافتہ تھے، انہی کے راستہ پر تم چلو، (الانعام۶:۹۰)

یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْٓ اَھْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا ۝ — ابا جان، میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ (المریم۱۹:۴۳)

جو لوگوں کی سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتے اور ساتھ ساتھ چل کر راہ حق کے مختلف مراحل میں مدد اور تعاون کرتے ہیں وہ ہادی کہلاتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے رزق کا اہتمام کیا ہے، اسی طرح دین کی طرف رہنمائی کرنے والے لوگ ہر زمانے اور ہر ملک میں پیدا کیے ہیں۔ ماضی میں بھی کرتا رہا ہے اور آج بھی کرتا ہے۔ یہ انسانوں کی ایک فطری ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ضرورت رسول، انبیاء علیہ السلام اور ان کے مخلص پیروکاروں کے ذریعے پوری کی۔ نبی ﷺ نے ایک ایک صحابی پر خصوصی توجہ دے کر ان کے احوال درست کیے۔ تزکیہ، تقویٰ اور اخلاص کی تعلیم دے کر ان کو صراط مستقیم پر چلایا۔

نبی ﷺ کے بعد ان کی امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کی ہدایت کا اہتمام کریں۔ الحمدللہ آج بھی اللہ کے نیک بندے موجود ہیں جو پورے اخلاص کے ساتھ لوگوں کو ہدایت کا اہتمام کرتے ہیں۔ کسی بستی کے لیے ہادی کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ آبادی کے تناسب سے اللہ کے دین کی طرف بلانے والے اور لوگوں کو صحیح راستہ دکھانے والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اس لیے دین کی دعوت کا کام کرنے والے لوگوں کو ہادی کا اضافی کردار بھی ادا کرنا چاہیے تا کہ یہ کمی دور ہو اور انسانوں کی ضرورت پوری ہو۔

داعی اور ہادی میں فرق ہے۔ مبلغ تبلیغ کر کے اور خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچا کر گھر کو

واپس آ گیا لیکن ہادی ایسا نہیں ہوتا۔اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ خدا کے پیغام کو لوگوں کے دلوں میں داخل کر کے، ان کی تربیت کر کے، ان کے اخلاق سنوارے اور پھر پوری زندگی ان لوگوں کے ساتھ رہ کر ان کو نشانات راہ کی منزل بمنزل نشاندہی کرے۔ اللہ کے یہ سپاہی تو ان بستیوں میں ڈیرہ ڈال لیتے ہیں جن میں وہ دعوت اور ہدایت کا کام کرتے ہیں۔

کسی دور افتادہ پرانے گاؤں میں اگر جائیں تو گاؤں کے باہر ایک یا زیادہ پختہ مزار مل جائیں گے۔ان صاحب مزار بزرگوں کی تاریخ اگر معلوم کی جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ لوگ اس گاؤں کے باسی نہ تھے۔ باہر سے آئے ہوئے لوگ تھے۔ایسا ایک مزار میرے آبائی گاؤں کے باہر موجود ہے۔سید فضل امام ایک بزرگ تھے۔کئی سو سال پہلے راجپوتوں کی اس بستی میں تشریف لائے۔ ہندوؤں کو تبلیغ کی۔لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔گاؤں سے باہر ڈیرہ بنا کر بیٹھ گئے۔آج اس جگہ پر ان کا مزار ہے۔وہ اس گاؤں کی ہدایت اور توبہ کا ذریعہ بنے اور پھر اسی جگہ کے ہو کر رہ گئے۔

ہدایت کی فراہمی کے اس پہلو اور سلف صالحین کی ہزاروں نہیں لاکھوں مثالوں پر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہدایت کا اہتمام کرنے والے لوگ بس اسی کام کے لیے وقف ہو جاتے ہیں۔ وہ خود ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔انہیں دین کا شعور صحیح ہوتا ہے۔وہ اہل تقویٰ کی صحبت سے فیض یاب لوگ ہوتے ہیں اور پھر دعوت دین کے لیے گھر سے نکل کر نئے نئے افق تلاش کرتے ہیں۔اس طرح حق کے نور سے بستیوں میں اجالا کرتے ہیں۔ایسے داعیان حق کی آج بڑی سخت ضرورت ہے۔

ہم زیادہ تر اپنی دعوت کے لیے کتابوں پر انحصار کرتے ہیں۔ہم گئے اور کتاب دے کر آ گئے۔کتاب اثر کرتی بھی ہے اور نہیں بھی کرتی۔جن پر اثر کرتی ہے وہ دوسری کتاب کا مطالبہ کر دیتے ہیں۔اس طرح کتابوں کے ذریعے بھی کچھ لوگ اصلاح کر لیتے ہیں۔ ہدایت کے پہلو سے ضروری ہے کہ کتاب کے ساتھ ایک استاد بھی ہو۔خود خدا نے قرآن جیسی آسان فہم اور بلیغ کتاب کے ساتھ بھی رسول ﷺ مبعوث فرمایا۔اس لیے ہم جو دعوت دین کا کام کر رہے ہیں، انہیں سارا

انحصار کتابوں پر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے اخلاق، کردار اور تعلیم و تربیت سے بھی اپنے متوسلین کی ہدایت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ سب سے پہلا استاد ماں ہوتی ہے۔ ماں کے بعد باپ، بہن، بھائی اور گلی محلے کے لوگ بھی استاد کا کردار ادا کرتے ہیں۔ معاشرہ اگر صحیح رخ پر جارہا ہو تو پورا ماحول علمی اور تربیتی بن جاتا ہے لیکن بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کے لیے سمجھ دار، باصلاحیت اور مخلص استاد کی ضرورت ہے۔ اچھے استادوں کی تربیت کے لیے الگ سے ادارے ہوں۔ حق کے سچے طالب کو چاہیے کہ اچھے استاد کو تلاش کرے۔ صرف شہرت پر نہ جائے بلکہ صحبت اختیار کر کے خود تجربہ کرے کہ اس کا مشہور زمانہ استاد واقعی صالح ہے یا صرف نام کا ہی نیک ہے۔ ذاتی علم اور تجربہ سے انسان آئن سٹائن تو بن سکتا ہے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہیں بن سکتا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ بننے کے لیے نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے مربی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی دین سیکھنا چاہے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے استاد، مرشد، ہادی، رہنما، امیر جو بھی اس کی ہدایت کا ذریعہ بنے اس کی اطاعت کرے۔ بزرگوں کی اطاعت کیے بغیر تعلیم و تربیت کے مراحل طے نہیں ہوتے:

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، (النساء۴:۵۹)

نظام زندگی کو چلانے کے لیے ذمہ داران کی اطاعت ضروری ہے۔ اولی الامر کی اطاعت کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے۔ اطاعت کے بغیر نظم و ضبط قائم نہیں ہوتا اور تعلیم و تربیت کا نظام بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

نیک استاد کی مثال ایسے ہے جیسے سائنس کی لیبارٹری، ایک سائنس دان لیبارٹری میں تجربہ کرتا ہے۔ جب وہ استاد بڑھاپے کو پہنچتا تو لیبارٹری سے فارغ یعنی ریٹائر کر دیا جاتا ہے۔ اب اس کی جگہ اس کے نائب اور شاگرد نے لے لی اور اسسٹنٹ پروفیسر ترقی کر کے پروفیسر بن گیا۔ اسی طرح لیبارٹری کی تحقیق جاری رہتی ہے۔ اس متواتر تحقیق اور تجسس سے سائنس ترقی

کرتی ہے۔ جب ایک ہادی کی صحبت میں رہ کر ایک شاگرد علم حاصل کرتا ہے۔ پھر عمل، اخلاق اور کردار کی پختگی حاصل کرتا ہے تو دعوت الی اللہ کا کام فروغ پذیر ہوتا ہے۔ ہادی کے لیے پیر اور مولوی ہونا ضروری نہیں۔ ہر حق پرست داعی الی اللہ ہے۔ اس لیے ہر شخص جو دین اسلام پر صحیح طریقے سے عمل کرے، وہ ہادی برحق کا کردار ادا کر سکتا ہے۔ ہادی برحق کا اصل کام لوگوں کی اصلاح کرنا ہے اور یہ اصلاح صحبت اور تعلیم و تربیت کے علاوہ اور کسی طریقے سے نہیں ہو سکتی۔

نیک ساتھی

دوست صرف دنیاوی معاملات میں دوست کا رفیق نہیں ہوتا بلکہ ہدایت پانے میں ایک بڑا مددگار ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جلد ایمان قبول کرنے میں جہاں فطری صالحیت کو دخل ہے وہاں اس بات کو بھی دخل ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوانی کے دوست تھے۔ باہم دگر ایک دوسرے کے مزاج اور طبیعت کو سمجھتے تھے۔ آج بھی ایک اچھا دوست، ایک اچھا رفیق ہدایت پانے میں بڑی مدد دے سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ (التوبہ ٩:١١٩) سچے لوگوں کا ساتھ دو۔

مشاہدۂ کائنات

اگر ہم غور کریں تو ہماری ہدایت کے لیے ہمارے اردگرد زمین اور آسمان پر ہزاروں دلائل اور آثار موجود ہیں۔ انسان خود اپنی عقل و خرد سے کام لے کر آزادانہ طور پر سوچے تو بھی ہدایت پا سکتا ہے لیکن اگر کسی استاد اور مربی کی نگرانی میں اور قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں سوچے تو اس کائنات میں کروڑوں شواہد اور دلائل و براہان موجود ہیں جن سے انسان ہدایت پا سکتا ہے۔ اگر وحی اور رسول علیہ السلام کی رہنمائی نہ بھی حاصل ہو تو بھی کائنات کی گہرائیوں پر غور کرنے سے انسان کو صراط مستقیم مل سکتی ہے۔ اگر بہت واضح ہدایت نہ بھی ملے تو توحید اور آخرت کا ایک ہلکا سا تعلق تو ضرور معلوم ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سلیم فطرت نے نبوت ملنے سے پہلے ہی

آثارِ کائنات پرغور کرکے توحید کو پالیا تھا۔مندرجہ بالا ذرائع کی وسعت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام اتنے بڑے پیمانے پراس لیے کیا کہ کوئی شخص ہدایت پانے سے کسی وجہ سے محروم نہ رہ جائے لیکن افسوس کہ آج کا مسلمان اتنا وسیع اہتمام ہونے کے باوجود ہدایت سے کوسوں دور ہے حالانکہ اسے خود ہدایت کا منبع ہونا چاہیے تھا۔

قدرت کی وسعتوں کا بھی عجیب حال ہے۔ایک بیری کے درخت میں ہزاروں بیر لگتے ہیں۔ہر بیر کے بیج میں ایک نئے درخت کی شکل اختیار کرنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن ہمارے ہمسائے میں بیری کا ایک بھی نیا درخت نہیں لگا۔بس وہی تین درخت ہیں جو ہم کئی سال سے دیکھ رہے ہیں۔کچھ یہی عالم قرآن کا بھی ہے ۔ہزاروں لوگ رمضان میں اس کی تلاوت کرتے ہیں لیکن کتنے ہیں جو توبہ کرکے صحیح اور راسخ العقیدہ مسلمان بنتے ہیں؟ یہ اس دور کا بحران ہے۔

ہدایت تو اللہ ہی دیتا ہے لیکن فطرت کے اس کارخانے میں کئی عوامل ہیں جو ذریعہ بن جاتے ہیں مثلاً ایک حادثہ ہوگیا۔انسان نے سوچنا شروع کردیا۔کایا پلٹ گئی، ہدایت مل گئی۔ زندگی میں کوئی واقعہ رونما ہوا،سوچ کے دھارے بدل گئے۔ایک جانور سے ملاقات ہوگئی، وہ توبہ کا ذریعہ بن گیا۔حضرت فضیل بن عیاضؒ ڈاکہ ڈالنے کے لیے جارہے تھے کہ کان میں قرآن کی آواز پڑی۔کوئی قاری بلند آواز میں سورۃ الحدید پڑھ رہا تھا۔جب یہ الفاظ سنے:

اَلَمۡ يَاۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ (الحدید۵۷:۱۶)

کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں۔

تو وہیں ان کو خیال آ گیا۔انہوں نے توبہ کرلی۔بعض اوقات سرِ راہ ایک شخص سے ملاقات ہوجاتی ہے تو انسان توبہ کرکے یک دم بدل جاتا ہے۔کسی اہل علم سے بحث ہوگئی۔اس نے پیار سے سمجھایا، بات دل میں اتر گئی۔کوئی نقصان ہوگیا،غور کیا کایا پلٹ گئی۔اس طرح اپنے اردگرد بہت سے حالات، واقعات، مشاہدات اور تغیرات ہیں جن کو دیکھ کر،سن کر اور غور کرنے کے بعد انسان

توبہ کر لیتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہیا کردہ ذرائع ہیں جن سے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے۔ ہدایت پانے والے کے لیے بڑی سہولتیں موجود ہیں۔

آثار قدیمہ

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ (المومن ۴۰: ۸۲-۸۳)

پھر کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کو ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے ان سے بڑھ کر طاقت ور تھے، اور زمین میں ان سے زیادہ شاندار آثار چھوڑ گئے ہیں۔ جو کچھ کمائی انہوں نے کی تھی آخر وہ ان کے کس کام آئی؟ جب ان کے رسول علیہ السلام ان کے پاس بینات لے آئے تو وہ اس علم میں مگن رہے جو ان کے پاس تھا اور پھر اسی چیز کے پھیر میں آ گئے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ (یونس ۱۰: ۱۳)

لوگو، تم سے پہلی قوموں کو (جو اپنے اپنے زمانہ میں برسرِ عروج تھیں) ہم نے ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی اور ان کے رسول علیہ السلام ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور انہوں نے ایمان لا کر ہی نہ دیا۔ اس طرح ہم مجرموں کو ان کے جرائم کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (ہود ۱۱: ۱۲۰)

اور اے محمد ﷺ، یہ پیغمبروں کے قصے جو ہم تمہیں سناتے ہیں، وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔ ان کے اندر تم کو حقیقت کا علم ملا اور ایمان لانے والوں کو نصیحت اور بیداری نصیب ہوئی۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا

کیا یہ لوگ زمین میں کبھی چلے پھرے نہیں ہیں کہ انہیں

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ط اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝ (فاطر ۳۵:۴۴)

ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان سے بہت زیادہ طاقت ور تھے؟ اللہ کو کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں ہے، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (الزخرف ۴۳:۲۵)

آخر کار ہم نے ان کی خبر لے ڈالی اور دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

مکہ کے قریش کاروباری سفر پر جب شمال کی طرف جاتے تو راستے میں لوط علیہ السلام کے زمانے کے تباہ شدہ شہر سدوم، صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کی تباہ شدہ بستیاں، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا تباہ شدہ علاقہ مدین دیکھا کرتے تھے۔ اسی طرح جنوب کی طرف کاروباری سفر کے دوران حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کا تباہ شدہ علاقہ اور قوم سبا کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈر دیکھا کرتے تھے۔ قرآن نے بار بار ان تباہ شدہ قوموں کے حالات بیان کر کے ان کی غلطیوں اور تباہی کی وجوہات سے قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کو براہ راست آگاہ کیا ہے اور پوچھا:

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر ۵۴:۱۵)

کہ کیا تم ان آثار سے کوئی نصیحت قبول کرتے ہو؟

اپنے علاقے میں بھی پرانی قوموں کی تباہی کے آثار موجود ہیں۔ ضلع کچہری قصور، ڈسٹرکٹ جیل قصور اور بابا کمال چشتی کے مزار کے قریب وسیع علاقے میں پرانے شہر قصور کے آثار موجود ہیں۔ چونیاں شہر سات دفعہ برباد ہو کر آباد ہوا ہے۔ حجرہ روڈ پر پرانے آثار عبرت حاصل کرنے کے لیے موجود ہیں۔ کانویں ملیاں کے پاس جو قبرستان ہے، وہاں تقریباً سوا ایکڑ رقبے میں ایک پرانے شہر کے آثار موجود ہیں جو کوئی دو تین ہزار سال پہلے غرق ہوا تھا۔ اس طرح ہر پرانی بستی کے پاس کوئی نہ کوئی پرانی تباہ شدہ بستی موجود ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ

کتنی ہی خطا کار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے

ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا اور آج وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں، کتنے ہی کنویں
وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ بیکار اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔
(الحج ۲۲:۴۵)

مغرب سے متاثر لوگ تو پرانی تہذیب جاننے کے لیے آثار قدیمہ کو دیکھتے ہیں اور پرانی تہذیب کی یادگار کے طور پر ہر پرانی تہذیب کی حفاظت کرتے ہیں لیکن ہدایت کے طالب یہ جاننا چاہتے ہیں کہ بستی آخر کس گناہ کی پاداش میں غرق ہوئی؟ پرانی کہانیوں میں بہت سے عبرت کے سامان مل جاتے ہیں۔ آج کا انسان ٹیکسلا کے کھنڈرات کو سیر و تفریح کے لیے دیکھنے جاتا ہے۔ بہت کم دانش مند ہوں گے جو ان بت پرست قوموں کی تباہی کے اسباب پر غور کریں۔ میں نے خود ایک شخص سے سنا کہ ٹیکسلا کی بادشاہی بہت بڑی بادشاہی تھی۔ ماضی کی عظمت کو تو یاد کرتے ہیں لیکن گمراہی کی وجوہات پر غور نہیں کرتے۔ قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم آثار قدیمہ سے نصیحت حاصل کریں اور توبہ و استغفار کر کے ہدایت پائیں۔ آثار دیکھ کر ان شواہد کی تائید ہوتی ہے:

☆ اللہ ہی اصل بادشاہ ہے، عزیز ہے، عبادت کا حق دار ہے۔
☆ خدا کے باغی بڑے بڑے بادشاہ ایک خاص مہلت سے زیادہ فساد برپا نہیں کر سکتے۔
☆ اللہ اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے اور ظالموں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔
☆ اگر ہم اللہ کی نافرمانی کریں تو اللہ ہمیں بھی تباہ کر سکتا ہے۔ کشمیر اور سرحد کے اضلاع میں زلزلہ اس کا واضح ثبوت ہے۔

خدمت

داعی الی الخیر کے پاس عوام الناس آتے ہیں۔ وہ ان کی مہمان نوازی کرتا ہے، انہیں کھانا کھلاتا ہے، مشروبات پیش کرتا ہے، انہیں آرام پہنچاتا ہے، ان کے لیے راحت کا سامان مہیا کرتا، رات کو آرام کرنے کے لیے بستر مہیا کرتا ہے، طالب علموں کے لیے کتابوں اور مطالعے کا اہتمام کرتا ہے، دکھی لوگوں کی کہانیاں سنتا ہے، جو اس کے بس میں ہو ان کی مدد بھی کرتا ہے۔ اگر سرکار

دربار میں کوئی کام ہوتو اپنے اثر ورسوخ سے سائلین کی دادرسی بھی کرتا ہے۔ بیماروں کی مزاج پرسی کرتا ہے۔ اگر ممکن ہوتو اپنے خرچ پر علاج معالجہ بھی کروا دیتا ہے۔ غربا ومساکین سے مالی تعاون کرتا ہے۔ اپنی جیب سے نہ ہوسکے تو بیت المال سے مدد کر دیتا ہے۔

دوسری طرف اس کی صحبت میں رہنے والے اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اس کے ذاتی کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ رضا کارانہ خدمات میں بیت المال کا تعاون بھی شامل ہوتا ہے۔ اس طرح استاد شاگرد کا ایک ادارہ بن جاتا ہے۔ ایک دعوت دینے والا خادم خلق اور ایک دعوت قبول کرنے والا رضا کار بھی خادم خلق۔ یہ خدمتِ انسانیت جو ایک فرد سے شروع ہو کر ایک ادارے کی شکل بن جاتی ہے، اسلام کے فروغ اور ہدایت کی فراہمی اور حصول کے لیے ضروری ہے۔ یہ سنت رسول ﷺ ہے۔ نبی ﷺ کے پاس روزانہ سینکڑوں لوگ آیا کرتے تھے۔ ہدایت کی باتیں بھی ہوتیں اور خدمت خلق کا کام بھی ہوتا۔ جہاد اور اصلاح معاشرہ بھی ساتھ ساتھ چلتے اور دکھی دلوں پر مرہم بھی رکھا جاتا۔ خدمت، دعوت دین کا ایک لازمی جزو ہے۔ مشہور محاورہ ہے کہ جو خدمت کرتا ہے، کل لوگ اس کی خدمت کریں گے۔

خدمت خلق کے ساتھ ہدایت کی تحریک فروغ پاتی ہے۔ داعی الی الخیر کو بھی سہولت سے بات کرنا آ جاتی ہے اور سیکھنے والے کے لیے بھی ہدایت کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ اس لیے جو شخص ہدایت کا طالب ہو، اپنی نیت میں سچا ہو، وہ ہر ممکن انداز میں دکھی انسانیت کی خدمت کرے۔ رشتہ داروں کی خدمت کرے۔ ہر آنے والے مہمان کی تکریم کرے۔ خدمت خلق کے ساتھ ساتھ چلنے والے اصلاح کے ادارے اسلام کی روشنی پھیلانے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اس طرح خدمت گزاروں کو ہدایت آسانی سے گھر بیٹھے ہی مل جاتی ہے۔

گمراہی کے عوامل

انسان بذاتِ خود

فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ‌ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا‌ۚ — اب جو سیدھی راہ اختیار کرے اس کی راست روی اسی کے لیے مفید ہے۔

(یونس۱۰:۱۰۸)

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ‌ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا‌ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۝ — جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لیے اچھا کرے گا، جو بدی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا، اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔

(حم السجدہ۴۱:۴۶)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی شکل میں ہدایت آ چکی۔ رسول ﷺ نے اپنا رسالت کا فریضہ احسن طریقے سے نبھا کر ہدایت کی صراط مستقیم واضح کر دی۔ حق کا کوئی طالب صحیح انداز میں چلے تو آسانی سے ہدایت پا سکتا ہے۔ حق اور باطل کے راستے واضح کر دیے گئے ہیں۔ یہ انسان کی ذاتی ذمہ داری ہے کہ وہ حق کو تلاش کرے، بات کو پرکھے، غور وخوض اور تدبر کرے اور دل کو مطمئن کر کے حق کو قبول کر لے۔ جس طرح رزق اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا اور اسے تلاش کرنا انسان کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح ہدایت کو تلاش کرنا بھی انسان کی ذمہ داری ہے:

فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ۝ — اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔

(المزمل۷۳:۱۹)

خلافت کے اختیارات کے تحت انسان کو آزادی ہے کہ چاہے تو حق کو قبول کر لے اور

چاہے تو غلط راہ اختیار ر لے۔ اگر حق کی طرف آئے گا تو آسانیاں مل جائیں گی۔ لیکن اگر گمراہ ہونا چاہے گا تو بھی اسے پوری طرح آزادی حاصل ہے۔ اس آزادی انتخاب کے نتیجے میں گمراہ ہونے پر اسے دوزخ کی سزا کا مستحق قرار دیا جائے گا۔ وہ یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتا کہ مجھے فلاں شخص نے گمراہ کیا تھا، فلاں جن نے مجھے دھوکہ دیا، فلاں بادشاہ بڑا ظالم تھا اس لیے میں گمراہی پر مجبور ہو گیا۔ اللہ کے دربار میں قیامت کے دن انسان اپنی گمراہی کا کوئی عذر پیش نہیں کر سکے گا۔ جو عذر لنگ وہ پیش کرے گا اللہ تعالیٰ دلیل کے ساتھ اسے رد کر دے گا۔ آخر کار انسان کو وہاں اپنی غلطی تسلیم کرنا پڑے گی:

فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ ہم نے اسے جھٹلا دیا اور کہا اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے۔ (الملک ٦٧:٩)

حق قبول کرنے سے انسان ڈرتا ہے کہ اگر میں نے حق قبول کر لیا تو ظالم بادشاہ مجھے قتل کر دے گا۔ قرآن نے سورۃ یٰسین میں نیک آدمی کی کہانی بیان کی ہے کہ اسے ایمان لاتے ہی قتل کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فوراً بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کر لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتہ تھا کہ آگ جلا دیتی ہے لیکن انہوں نے نمرود کی خدائی تسلیم نہیں کی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہو گئے لیکن باطل سے مصالحت نہیں کی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے لیکن باطل کی غلامی قبول نہیں کی۔

اسی طرح مال کا نقصان، فساد فی الارض، تشدد، تباہی، اذیت، ظلم کوئی بھی عذر گمراہی کا جواز مہیا نہیں کرتا۔ گمراہ شخص خواہ کسی حالت میں بھی ہو وہ اپنی بدکرداریوں کے لیے خود ذمہ دار ہے اور اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اسے اپنی گمراہی اور غلطی کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔ اس لیے عقل مندی یہ ہے کہ آج اس دنیا میں انسان حق کو دلیل کے ساتھ قبول کرے۔ اپنی اصلاح کر کے اللہ کا بندہ بن کر رہے اور اللہ کے وعدوں کے مطابق آخرت میں کامیابی حاصل کرے۔

نفس امارہ

انسان کو نیکی اور بدی کی پہچان دی گئی ہے۔ ہر انسان کے اندر مثبت اور منفی دونوں قوتیں بیک وقت کام کر رہی ہیں۔ گمراہ کرنے والی قوت کو نفس امارہ کہتے ہیں:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ میں کچھ اپنے نفس کی برأت نہیں کر رہا ہوں، نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو، بے شک میرا رب بڑا غفور ورحیم ہے''۔ (یوسف ۱۲:۵۳)

اور ہدایت دینے والی قوت کو نفس لوامہ یا ضمیر کہتے ہیں۔ بغیر کسی بیرونی ترغیب کے ازخود انسان کے اندر اچھے اور برے خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان دونوں خیالات کے درمیان فرق کر کے ہدایت حاصل کرنا انسان کی ذاتی ذمہ داری ہے:

وَ لَآ اُقۡسِمُ بِا لنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ۝ اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی (القیامہ ۷۵:۲)

نفس لوامہ یا ضمیر ایک بات کہہ کر خاموش نہیں ہوتا بلکہ بار بار مختلف انداز میں خیالات ہجوم کر جاتے ہیں۔ صحیح دماغ اچھائی اور برائی میں تمیز کر کے اچھے خیال کو اختیار کر لیتا ہے لیکن غلط انسان برے خیال کو ترجیح دے دیتا ہے اور ضمیر کی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ بعض اوقات ان خیالات میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو پھر وہ دوسرے انسانوں سے مشورہ کرتا ہے۔ نیک انسان اچھا مشورہ دیتا ہے اور برا انسان غلط مشورہ دیتا ہے۔ نفس امارہ جلدی ہارنے والا نہیں ہوتا۔ ایک شکست کے بعد دوبارہ غلط خیال جنم لیتے ہیں۔ اسے قرآن نے وسوسہ کا نام دیا ہے:

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۖۚ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ (ق ۵۰:۱۶)

گمراہی کا یہ عامل بڑا زوردار ہے اور مستقل انداز میں کام کرتا ہے۔ اکثر و بیشتر انسانوں کی گمراہی کا موجب بھی یہی نفس امارہ ہی ہوتا ہے۔ حق پرست انسان اس اندرونی انگیخت کی

مستقل نگرانی کرتے ہیں۔ اسے مراقبہ کا نام دیا گیا ہے۔ خود اپنے اوپر تنقید کرنا، اپنی غلطیوں کو پہچاننا اور اعتراف کرنا، خود کو اپنی گمراہی کا ذمہ دار ٹھہرانا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اکثر لوگ اپنی غلطیوں کو تسلیم نہیں کرتے، وہ ہر غلطی کو صحیح سمجھ کر کرتے ہیں:

اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَهُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ۝ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جس کی ساری سعی وجہد راہ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب ٹھیک کر رہے ہیں۔ (الکہف ۱۸:۱۰۴)

تکبرِ زہد، استکبارِ نفس، اپنے آپ کو عقل کل سمجھنا اور نفس امارہ کی دی ہوئی گمراہی کو حق سمجھ کر پوری دنیا سے لڑ جانا، انسان کی بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ کمزوری ساری عمر گمراہی کی وجہ بنتی ہے اور اس غلطی کی ساری کی ساری ذمہ داری خود حضرت انسان پر ہے۔ وہ اپنی ذاتی گمراہی کے لیے کسی دوسرے کو ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتا۔ اسے خود ہی اپنے جرم کی سزا بھگتنا ہوگی۔ یہی وہ نقصان ہے جس سے داعی الی الخیر انسان کو بچانا چاہتا ہے لیکن انسان خود اپنے آپ سے دشمنی کرتا ہے اور کسی ناصح کی نصیحت پر دھیان نہیں کرتا۔ آخر کار اسے خود اپنے آپ کو ہی ملامت کرنا پڑے گی:

فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِکُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِیَّ ؕ اِنِّیۡ کَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَکۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ اب مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ یہاں نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری۔ اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ (ابراہیم ۱۴:۲۲)

خواہشاتِ نفس

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَةً فِی الۡاَرۡضِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ (ہم نے اس سے کہا) ''اے داود علیہ السلام، ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ (ص ۳۸:۲۶)

اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّاالظَّنَّ وَمَا تَھۡوَی الۡاَنۡفُسُ ج وَلَقَدۡ جَآءَھُمۡ مِّنۡ رَّبِّھِمُ الۡھُدٰی ۝	حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم وگمان کی پیروی کررہے ہیں اور خواہشات نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ (النجم ۵۳:۲۳)
فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِھِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا ۝	پھران کے بعد وہ ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہش نفس کی پیروی کی، پس قریب ہے کہ وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں۔ (مریم ۱۹:۵۹)

انسانی زندگی کی ضرورت کے لیے اللہ تعالیٰ نے باہم متضاد خواہشات، میلانات، احساسات اور رجحانات پیدا کردیے ہیں۔ اگر یہ سب توازن اور اعتدال میں رہیں تو زندگی اچھے طریقے سے چلتی ہے اور انسان ایک بہتر انداز سے زندگی گزار سکتا ہے۔ دولت، شہرت، طاقت، جنس وغیرہ خواہشات نفس ہیں۔ جو زندگی میں مفید اور نقصان دہ دونوں کام کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زندگی، ہدایت اور آرام و آسائش کی حدود واضح کردی ہیں۔ گمراہ انسان ہدایت سے بے نیاز ہوکر اپنی زندگی کی باگ اپنی خواہشات کے سپرد کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے زندگی کا متوازن اور ہدایت یافتہ راستہ تجویز کردیا۔ امتداد زمانہ سے مسلمان نے دین حق کو چھوڑ کر ذاتی رائے، علم، عقل اور خواہشات کو اپنا ہادی بنالیا۔ اس طرح ہر قدم گمراہی کی طرف اٹھنے لگا۔

آج انسانی خواہشات کی حکمرانی ہے۔ ہدایت کے نقطہ نظر سے یہ غلط کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو خواہشات نفس کی پیروی سے منع فرمایا اور مثبت و منفی جملہ خواہشات کا تزکیہ کرکے صراط مستقیم پر چلنا سکھایا۔ انسان جب خواہشات کی غلامی اختیار کرلیتا ہے تو پھر یہ خواہشات اسے ایک مقام پر ٹھہرنے نہیں دیتیں۔ ناچار اسے بہت سی گمراہیاں اپنانا پڑتی ہیں۔ ہر انسان اگر اپنی

اپنی خواہشات کا غلام بن جائے تو ہر سُو خواہشوں کے غلاموں کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ ہر شخص اپنا اپنا نظریہ بنالیتا ہے۔ جتنے انسان اتنے فرقے، جتنا خواہشات کا زور اتنی زندگی کی تدابیر۔ دوسروں سے بے نیاز ہو کر اگر ایک انسان خود اپنے اندر پائی جانے والی ساری خواہشات کی ہی پیروی شروع کر دے تو اس کی جیب میں موجود سارے کے سارے پیسے، قوت، طاقت ختم اور سارا اقتدار خواہشات کی بھینٹ چڑھ جائے گا لیکن ان خواہشات کے مطالبے پورے نہیں ہوں گے۔ سب کچھ تباہ کرنے کے بعد ایک مقام پر جا کر انسان کو ٹھہرنا پڑے گا کہ بس اب میں ان خواہشات کی تکمیل نہیں کر سکتا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اس نے خواہشات کی ناجائز پیروی کر کے غلطی کی ہے۔ اگر انسان اس احساس کے بعد توبہ کر کے اپنی خواہشات کا تزکیہ کر کے صراط مستقیم پر واپس آجائے تو اس کی اصلاح ہو سکتی ہے اور نقصان کی تلافی کی جا سکتی ہے لیکن اگر ہزاروں نقصان اٹھانے کے باوجود توبہ واستغفار اور اصلاح نہ کرے تو پھر انسان کا انجام دنیا میں ذلت اور آخرت میں دوزخ ہو گا۔ ہزاروں سال سے لوگ خواہشات کے اس منہ زور گھوڑے کو لگام دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہندو جوگی، عیسائی راہب ان خواہشات کو کنٹرول کرنے کے لیے نفس کو مارنے کا فلسفہ لے کر سڑکوں پر پھرتے رہتے ہیں۔ نفس کو مارنے کی جتنی بھی کوشش یہ لوگ کرتے ہیں اتنا ہی ان کا نفس موٹا ہوتا جاتا ہے۔

ہزار کوششوں کے باوجود خواہشات نہیں مرتیں۔ ایک شخص نے کوشش کی کہ بھوک کی خواہش ختم کرنے کے لیے گندم نہیں کھاؤں گا لیکن مجبوراً اسے پیٹ کو بھرنا تھا۔ گندم کے علاوہ اسے بہت کچھ کھانا پڑا۔ ایک شخص نفس کو مارنے کے لیے بھنگ پیتا ہے۔ گندم نہ کھا کر اور بھنگ پی کر انسان بیمار تو ہو جاتا ہے لیکن بھوک کی خواہش نہیں مرتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نفس کو مارنا گناہ قرار دیا ہے اور تزکیہ نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہدایت کے نقطہ نظر سے نفسانی خواہشات کی مطلق پیروی غلط اور گمراہی ہے۔ ان خواہشات کو اسلام کی طے کردہ حدود میں رکھ کر تزکیہ نفس کا طریقہ اپنا

کر صحیح مسلمان بنا جا سکتا ہے۔خواہشات کی پیروی گناہ ہے۔ان کا تزکیہ کرنا فرض ہے اور اسلام کی طے کردہ حدود و قیود کے اندر رہ کر زندگی گزارنا نجات اخروی اور دنیاوی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۝ (الشمس ۹:۹۱) یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔

قَدۡاَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ۝ (اعلیٰ ۱۴:۸۷) فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی۔

تزکیہ کا مطلب ہے پاکیزگی، بڑھوتری اور نشوونما۔تزکیہ نفس میں یہ دونوں حالتیں موجود ہیں۔ایک یہ کہ نفسانی خواہشات کی اصلاح کی جائے،اس میں سے جو خواہشات فطرتاً انسان کی ضرورت ہیں ان کو شریعت کے اصولوں کا پابند کیا جائے۔ان میں پائی جانے والی آلائشوں کو ختم کر دیا جائے۔نشوونما کا مفہوم یہ ہے کہ اچھی اور ضروری خواہشات کو صالح بنا کر ان کی افادیت کو بڑھا یا جائے مثلاً بھوک کی خواہش ایک ضروری فطری خواہش ہے۔اس کی اصلاح کے لیے انسان حلال رزق کھائے۔شریعت کے مطابق صبح اور شام دو دفعہ کھائے،سارا دن جانوروں کی طرح نہ کھاتا رہے۔متوازن خوراک کھائے یعنی دودھ،مکھن،دہی،گوشت چپاتی وغیرہ جو بھی خوراک کھائے اس کو کام کاج،صحت اور عمر کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہیے۔

تزکیہ نفس میں یہ بھی شامل ہے کہ بھوک رکھ کر کھائے۔اتنا نہ کھائے کہ کھانے کے بوجھ سے انسان چل پھر بھی نہ سکے۔نہ اتنا کم کھائے کہ دبلا پتلا اور کمزور ہو جائے اور دنیا کا کوئی کام کرنے کی طاقت اور استطاعت ہی کھو دے۔درمیانی طاقت کا مضبوط جسم جو جہاد اور روزمرہ کے کاموں سے نہ تھکے اور نہ ہی اکتائے،اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے۔نشوونما کے پہلو سے بھوک کا تزکیہ یہ ہے کہ خوراک تو کم ہو لیکن طاقت اور ضرورت کے مطابق صحت مند خوراک ہو۔انسانی جسم بیماریوں،گرمی اور سردی کا صحیح مقابلہ کر سکے۔

اسی طرح شہوت نفس کا تزکیہ یہ ہے کہ حلال ذرائع سے اپنی جنسی ضروریات پوری کرے اور حرام ذرائع زنا،بے شرمی،بے حیائی،بے پردگی،اخلاق باختگی،گانے،فلم ڈرامے وغیرہ سے

پرہیز کرے۔عفت وعصمت کی حفاظت کرے۔اپنے خیالات واخلاقیات کو بھی پاکیزہ کرے اور عفت وعصمت کی پابندی کر کے معاشرے کو عفیف معاشرہ بنائے۔لہوالحدیث کی مخالفت کر کے اخلاق حسنہ کی تبلیغ واشاعت کے ذریعے عفت کے فروغ کی کوشش کرے۔نیکی کے فروغ اور برائی کو مٹانے کے کام کرنے سے مسلمان صحیح اور صالح مسلمان بن سکتا ہے۔اگر تزکیہ نفس کا فریضہ ادا نہیں کرے گا تو اس کی اپنی خواہشات اسے گمراہ کر کے دوزخ میں ڈال دیں گی۔شریعت نے تزکیہ نفس کے اصول وضاحت سے بتائے ہیں۔

دیگر انسانوں کی پیروی

انسان میں یہ کمزوری ہے کہ وہ صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ اپنے نظریات سے دوسروں کو بھی متاثر کرتا ہے۔اس طرح ایک انسان جب خواہشات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو پھر معاشرے میں موجود دوسرے انسانوں کی خواہشات سے بھی معاملہ پیش آتا ہے۔کسی جگہ اسے مخالفت درپیش ہوتی ہے اور کسی جگہ اسے موافقت ملتی ہے۔کسی جگہ وہ دوسروں سے اپنی خواہشات کی پیروی کراتا ہے اور کسی مقام پر اسے دوسروں کی خواہشات کی پیروی کرنا پڑتی ہے۔

یہ تضادات کی دنیا ہے۔ جتنے انسان ہیں اتنی ہی خواہشات ہیں اور ہر انسان کی خواہش دوسرے انسان کو متاثر کرتی ہے۔ ہر شخص میں اقتدار کی خواہش موجود ہے اور اقتدار کے خواہش مندوں میں آپس میں ٹکراؤ ناگزیر ہے۔آج کوئی دو گروہ بھی ایک نصب العین پر متفق نظر نہیں آتے۔ ہر گروہ اپنے اپنے نظریات،خواہشات اور آرزوؤں کا پلندا اٹھائے مطمئن جا رہا ہے:

فَتَقَطَّعُوٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ مگر بعد میں لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا، ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں مگن ہے۔ (المومنون۲۳:۵۳)

خواہشات کی بنیاد پر بننے والے یہ گروہ حق کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔کافروں کی تعداد دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ ہے اور مسلمانوں کے اندر فرقہ پرستوں اور منافقوں کی تعداد

حق پرستوں اور مخلصین سے زیادہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ اے نبی ﷺ اگر تو ان کافروں، مشرکوں، منافقوں اور بے راہ مسلمانوں کی خواہشات کی پیروی کرے گا تو یہ تمہیں گمراہ کردیں گے۔ دوسروں کی پیروی میں گمراہ ہونے والے اپنی گمراہی کے جرم کے خود ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے جان بوجھ کر دوسروں کی خواہشات کی پیروی کی۔ دوسروں کی خواہشات کی غلامی جان بوجھ کر قبول کی۔ اس لیے اگر کوئی ایسا شخص ذلیل ہو رہا ہے تو وہ خود کردہ گناہوں کی سزا بھگت رہا ہے۔ اپنی ذلت اور گمراہی کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

چونکہ انسان مل جل کر رہتے ہیں اس لیے ایک انسان دوسرے انسان کے خیال، تبلیغ، عقیدے اور کردار سے متاثر ہوتا ہے۔ نیک لوگ بھی ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں اور برے بھی۔ اگر نیکی کی دعوت زوردار اور باکردار ہو تو لوگ کھنچے چلے آتے ہیں لیکن اگر نیکی کی دعوت کمزور اور غیر مؤثر ہو اور برائی کی دعوت زوردار ہو اور اس کی پشت پر حکمرانی کی طاقت، معاشرے کا دباؤ اور لالچ و ترغیب بھی ہو، اس کے ساتھ معاشی و معاشرتی مفادات بھی ہوں تو پھر گمراہی تیزی سے پھیلتی ہے۔ اس لیے انسان کو اکیلے ضمیر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو فریضہ تبلیغ سونپ کر نیکی پھیلانے کا حکم دیا ہے۔ اسلامی قوانین کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض پر زور دیا ہے تاکہ بندوں میں ایسا ماحول پیدا کردیا جائے کہ انسان کے لیے ہدایت پانا آسان ہو جائے۔ فطرت ہر انسان کی ہدایت کا بندوبست کرتی ہے تاکہ کل کو وہ یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے کسی نے دوزخ کے انجام سے آگاہ نہیں کیا تھا۔

حکمران

ہدایت کے سلسلے میں حکمران طبقہ ایک بہت بڑا عامل ہے۔

اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰهِ میں راستوں تک پہنچ سکوں، آسمانوں کے راستوں

مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًاؕ وَكَذٰلِكَ تک، اور موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو جھانک کر دیکھوں۔ مجھے

زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ تو یہ موسیٰ علیہ السلام جھوٹا ہی معلوم ہوتا ہے'' اسی طرح

السَّبِيْلِ ط وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝ (المومن ۴۰: ۳۷) فرعون کے لیے اس کی بد عملی خوشنما بنادی گئی اور وہ راہ راست سے روک دیا گیا۔فرعون کی ساری چال بازی (اس کی اپنی) تباہی کے راستہ میں صرف ہوئی۔

حکمران بادشاہ ہو، سلطان، صدر، آمر مطلق، فوجی یا غیر فوجی، جو شخص بھی اقتدار پر قابض ہو وہ اپنی قوم کی ہدایت اور گمراہی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔قیامت کے دن اسے اس ذمہ داری کا جواب دینا ہوگا۔نیک حکمران نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے، قوم کی مناسب تعلیم و تربیت اور اصلاح کے لیے قانون سازی کرتا ہے۔امن وامان، اصلاح معاشرہ اور خدمت خلق کو شعار بناتا ہے۔اس کے برعکس فاسق و فاجر حکمران خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنی قوم کو بھی گمراہ کر دیتا ہے۔ مشہور محاورہ ہے:

اَلنَّاسُ عَلٰی دِيْنِ مُلُوْ كِهِم لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر عمل کرتے ہیں۔

بعض حکمران ظالم بھی ہوتے ہیں اور بزور قوت وتشدد ہدایت کی راہ روکتے ہیں:

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجاً ط اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلَالٍ بَعِيْدٍ ۝ (ابراھیم ۱۴: ۳) جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ راستہ (ان کی خواہشات کے مطابق) ٹیڑھا ہو جائے۔ یہ لوگ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

بادشاہت ایک پرانا ادارہ ہے۔طوفان نوح علیہ السلام کے بعد چند سال خلافت علی منہاج النبوہ رہی پھر وہی ظلم وستم کی حکمرانی، بت پرستی اور باطل کا راج واپس آ گیا جو پہلے تھا۔تاریخ میں سب سے پرانی بادشاہی عراق میں تھی۔تقریباً ۵۰۰۰ سال پہلے نمرود نے بھی ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت کی اور انسانوں پر اپنی خدائی کا سکہ چلایا۔کئی ہزار سال گزرنے کے باوجود آج بھی بادشاہت کا ادارہ موجود ہے۔فرعون و ذوالقرنین کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔اسلام نے حکمرانی کے لیے خلافت اور مشاورت کا ادارہ تشکیل دیا۔دنیا میں بہترین نظام حکومت خلافت راشدہ تھا۔

انسانیت کی بدقسمتی ہے کہ ۳۰ سال کے بعد وہ نظام بھی فرقہ پرستی کا شکار ہو گیا اور دنیا سے ایسا مٹا کہ آج تک واپس نہ آ سکا۔ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد جعلی خلافت کے روپ میں پرانی جہالت بادشاہت بن کر واپس آ گئی اور امتداد زمانہ سے بادشاہت کا تصور اتنا راسخ ہو چکا ہے کہ شیر شاہ سوری جیسا نیک بادشاہ بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ واپس نہ لا سکا۔ اس نے عدل قائم کیا اور ہندوستان کو فلاحی اور خادم خلق حکومت دی۔ اسی طرح عالم گیر بادشاہ بھی درویش اور نیک تھا۔ اس نے بھی اسلام کی بڑی خدمت کی لیکن وہ بادشاہت کی جگہ خلافت نہ لا سکا۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات کو دیکھا جائے تو مسئلہ توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ الٰہ الناس ہے۔ وہ آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی رب ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ (الناس ۱۱۴:۱-۳)

کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے حقیقی معبود کی۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ (الکہف ۱۸:۱۴)

ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیے جب وہ اٹھے اور انھوں نے اعلان کر دیا کہ ''ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے اگر ہم ایسا کریں تو بالکل بے جا بات کریں گے۔''

اس لیے سب سے بڑا شرک یہی ہے کہ انسان انسانوں کو اپنا بادشاہ تسلیم کرے اور اللہ کی بجائے بادشاہ کے قانون پر چلے۔ دین کے معنی ہی غالب قانون کے ہیں۔ داعی الی الخیر کی بنیادی تعلیم بادشاہت کے خلاف ہوتی ہے اس لیے بادشاہ کو اپنی حکومت کی بقاء اور سلامتی کی فکر سب سے پہلے ہوتی ہے۔ وہ کسی صالح مبلّغ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کے دربار میں جا کر اعلان نبوت کیا۔ معجزے دکھائے اور اسے اللہ کی بادشاہی میں داخل ہو کر اسلام لانے کی دعوت دی تو اسے سب سے پہلے اپنے اقتدار کی فکر لاحق ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت

میں اسے اپنا اقتدار ختم ہوتا نظر آیا:

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوسٰى ۝ (طٰہٰ۲۰:۵۷) کہنے لگا ”اے موسیٰ علیہ السلام، کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کرے۔

وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ط مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝ (الشوریٰ۴۲:۳۵) اوراس وقت ہماری آیات میں جھگڑے کرنے والوں کو پتہ چل جائے کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

اس نے اعلان کر دیا کہ موسیٰ علیہ السلام مجھے اقتدار سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے آخری دم تک موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی۔ یہ حالات آج بھی ہیں۔ آج کا حکمران بھی اسلامی قانون کے نفاذ میں اپنی موت دیکھ رہا ہے۔ بادشاہوں کا شرک یہ ہے کہ وہ اللہ کے قانون کی جگہ اپنی من مرضی کا قانون نافذ کرتے ہیں اور ان خود ساختہ قوانین کے نفاذ کے لیے تشدد، ظلم اور استحصال کرتے ہیں۔ داعی الی الخیر کی سب سے زیادہ مخالفت ہمیشہ ان غلط بادشاہوں نے کی ہے۔

ہر حکمران اپنے خود ساختہ یا اپنے آباؤ اجداد کے بنائے ہوئے طریقوں، رسموں اور قوانین کا پابند ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے طرز حکمرانی اور قانون میں اللہ کے حکم سے ترمیم کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ وہ ایسا نظام تعلیم وتربیت تشکیل دیتا ہے جو اس کے مذہب، خاندانی روایات، رسوم اور معاشرتی اقدار کے مطابق ہو۔ آج کے حکمران خواہ وہ کسی بھی ملک کے ہوں، سب کے سب انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر نظام حکومت چلا رہے ہیں۔ مسلمان ملکوں میں بھی اللہ کے قانون کو بالادستی حاصل نہیں ہے۔ خود مسلمان ملکوں کے حکمران انگریزوں کے قوانین، نظام تعلیم اور معاشرتی وتہذیبی امور چلا رہے ہیں۔ سعودی عرب میں کچھ تعزیرات اسلام کے مطابق ہیں۔ باقی وہاں بھی موروثی بادشاہت ہی ہے، خود سعودی فرماں روا ملک کہلاتا ہے۔

ہزاروں سال کی انسانی تاریخ میں حق اور باطل کی کشمکش کا جائزہ لیا جائے تو اسلام کی

سب سے زیادہ مخالفت بادشاہوں نے کی ہے۔خواہ وہ مسلمان بادشاہ ہوں یا کافر۔بعض مسلمان بادشاہوں نے عوام کے لیے شریعت کی قانون سازی کی تھی لیکن اسلام کے یہ قانون خود بادشاہوں اورشہزادوں پر لاگو نہیں ہوسکتے تھے۔درس نظامی،تبلیغ اسلام،تعلیم الاسلام جو کچھ بھی تھی،غریب اور پسے ہوئے عوام کے لیے تھی۔اپنے سرکاری دربار میں حاضر سردار،وزیر،مشیر،سرمایہ دار،شہزادے، فوجی افسر،ملازمین حکومت اسلامی قوانین کی پابندی سے آزاد تھے۔

بادشاہوں نے قانون سازی کے ذریعے بھی اسلام کو روکنے کی کوشش کی ہے۔ترکی ایک مسلمان ملک ہے۔اس کا صدر،کمانڈر انچیف،جج،ممبران پارلیمنٹ سب مسلمان ہیں لیکن وہاں پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کیا کہ ملک کے سرکاری اداروں میں کوئی عورت پردہ نہیں کرسکتی۔ پچھلے دنوں ایک خاتون پارلیمنٹ ممبر سکارف پہن کر پارلیمنٹ کے اجلاس میں چلی گئی۔اس کی پارلیمنٹ کی رکنیت منسوخ ہوگئی۔بے چاری کو ملک چھوڑ کر یورپ میں پناہ لینا پڑی۔

اسی ایک مثال سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان بادشاہوں،حکمرانوں اور صاحب اقتدار لوگوں کے بنائے ہوئے باطل قوانین کس طرح اسلام اور ہدایت الی اللہ کی راہ روک رہے ہیں اور طاغوت بنے بیٹھے ہیں۔حکمران سب سے پہلی بحث ایمان ہی کی چھیڑتا ہے۔وہ چاہتا ہے کہ لوگ میری بھی اطاعت اسی طرح کریں جس طرح وہ اللہ کی کرتے ہیں۔ بلکہ خود خدا بننا چاہتا ہے۔ حلال اور حرام کے سارے ضوابط خود بنانا چاہتا ہے۔اس کا مطالبہ ہوتا ہے کہ لوگ مجھے اللہ تعالیٰ کا اوتار،نائب اور خلیفہ سمجھ کر بلاچون وچراں میری اطاعت کریں۔ مجھے ٹیکس دیں اور میری حکومت کو مضبوط بنانے کے لیے اپنی گردنیں پیش کریں۔میری فوج کے سپاہی بن کر میرے مخالفوں کو زیر کریں۔حکمران اپنے اس حکم کو منوانے کے لیے قرآن سے اولی الامر کی دلیل دیتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَـا يُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰـهَ اے لوگو جوایمان لائے ہو،اطاعت کرو اللہ کی اور وَاَطِيْـعُـوا الـرَّسُوْلَ وَاُوْلِـى الْاَمْـرِ اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے

مِنۡکُمۡ ج فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ط ذٰلِکَ پھیر دو اگر واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ۝ (النساء۴:۵۹) ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اس حکم میں جو تنازع کا ذکر ہے اسے وہ حذف کر دیتے ہیں اور تنازعہ کرنے والوں پر تشدد کرتے ہیں یا باغی قرار دے کر قتل کر دیتے ہیں۔ باقی عوام سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ بلا چون وچراں اطاعت کریں۔ نیک و بد ہر قسم کے حکم کی غیر مشروط اطاعت کریں۔ ایک حدیث السلطان ظل اللہ فی الارض سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ایک فاسق وفاجر، شرابی، زانی حکمران اپنے آپ کو اللہ کا نمائندہ اور ظل الٰہی بنا کر پیش کرتا ہے اور زبردستی لوگوں سے ایمان اور اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے۔ ہر حکمران کا مطالبہ ہے کہ لوگ مجھ پر اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اللہ پر ایمان لاتے ہیں چنانچہ نظام تعلیم میں ایسی تبدیلیاں کی جاتی ہیں کہ بچپن ہی میں انسانوں کے ذہن اور عقیدہ بدل جائے اور ظل الٰہی پر ان کا ایمان پختہ ہو جائے۔

دین اور دنیا کی تفریق باطل حکمرانوں کے لیے بڑی مفید حکمت ہے۔ وہ سیادت، سیاست اور معیشت کو اپنے ماتحت کر دیتے ہیں اور عبادات کے لیے ایک جماعت اہل اللہ، علما اور صوفیا کی بنا دیتے ہیں۔ علما سوء کی سرپرستی کرتے ہیں۔ باطل صوفیا کو نذر نیاز پیش کرتے ہیں۔ اس طرح دین کو اپنی سیاست سے خارج کر کے خانقاہ اور مسجد میں قید کر دیتے ہیں۔ اس سے عوام الناس کو بھی سہولت ہو جاتی ہے۔ ان کو پریشانیوں کے حل کے لیے صبر کا سبق دینے والے بزرگ مل جاتے ہیں۔ بادشاہوں نے ہمیشہ صوفیا کا احترام کیا۔ کچھ معروف صوفی ماضی کے بادشاہوں کے درباروں میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ بادشاہوں نے کئی پختہ مزار بھی بنوائے۔

آج کا صدر اور وزیر اعظم بھی درباروں پر چادریں چڑھانا ایک سیاسی حربہ خیال کرتا

ہے۔ مطلق العنان حکمرانوں کو تصوف راس آ جاتا ہے۔ نیک، عابد و زاہد لوگ ترک دنیا کر کے خانقاہوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔ بادشاہ پر تنقید کرنے اور اس کی غلطی پر ٹوکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

علمائے سو بھی حکمرانوں کے وظیفہ پر نظر رکھتے ہیں۔ اس طرح حکمرانوں کو میدان صاف نظر آتا ہے۔ جو کوئی ایک آدھ بار روک ٹوک کرتا ہے، اسے جیل میں ڈال کر حکمران مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب اس کی عیش پرستی پر کوئی تنقید نہیں کر سکتا۔ دین و دنیا کی تفریق سے لوگوں کے ذہن بھی دربارشاہی کی بجائے مزار والے دربار کی طرف ہو جاتے ہیں۔ وہاں قوال بیٹھے ہیں جو صاحب قبر سے حاجت روائی کا سبق دیتے ہیں۔ اس طرح امتداد زمانہ سے اب عقائد میں بھی شرک، قبر پرستی اور اولیا پرستی شامل ہو گئی ہے۔ لوگ اپنی حاجات کے لیے مزاروں پر ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں اور وقت کے حکمران ایوان اقتدار میں شراب اور زنا سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ جو پریشانی وقت کے حکمران نے عدل اور امن قائم کر کے دور کرنی ہے، اس پریشانی کے حل کے لیے داتا دربار پر دعا کرنا کتنا بڑا ظلم ہے؟

عقیدے کی خرابی ہمیں کہاں لے گئی ہے؟ حق اور باطل کی تمیز ہی مٹ گئی ہے۔ ایسے حالات میں حکمران بے فکر ہو جاتا ہے اور عوام جہالت میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ قرآن اور حدیث الماریوں میں بند خاموش پڑے ہیں کہ کوئی داعی الی الخیر پیدا ہو اور نئے طالبان حق تلاش کرے۔ وہ وقت کب آئے گا جب لوگوں کے دل قرآن پڑھ کر بدل جائیں؟

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔ (الحدید ۵۷:۱۶)

موجودہ مسلمان حکمران بھی یورپی تہذیب کے عملی غلام ہیں اور اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے قانون سازی کر رہے ہیں۔ خود پاکستان میں اسلام کی سب سے بڑی دشمن ملکی حکومت ہے۔ عوام مسلمان ہیں، حج بھی کر کے آتے ہیں لیکن اپنے نظام تعلیم و تربیت، حکومت اور عدالت میں اسلام کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ حکومتی ذرائع ابلاغ دن رات لوگوں کو بے حیا بنانے اور اسلام سے منحرف کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ کی بھیجی ہوئی آفات، زلزلہ، سیلاب اور دیگر حادثات سے بھی کوئی نصیحت قبول نہیں کرتے۔ حالیہ زلزلہ نے ان حکمرانوں کی کرپشن میں اضافہ کیا ہے۔ کسی ایک فرد نے بھی توبہ نہیں کی۔

ستاون مسلمان ممالک کے حکمرانوں میں سے کسی کو توفیق نہیں ملی کہ وہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کر سکے۔ اسلام کے نام پر کمائی کھانے والے خود اسلام کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ موجودہ زمانے کے بادشاہ، حکمران، صدر، وزیر اور اعلیٰ حکام سب مل کر طاغوت کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہدایت کے نقطہ نظر سے ان خدا کے باغیوں کا انکار عقیدہ توحید کا حصہ ہے اور ان کے ہر ظلم و تشدد کو برداشت کرنا جہاد ہے۔ ان کو ذمہ داریوں سے فارغ کر کے صالحین کو فائز کرانا اقامت دین کے لیے ضروری ہے۔ زمام کار فاسقوں سے چھین کر اسلامی قانون کو جاری و ساری کرنا ہر حق پرست کا فرض عین ہے۔

اشرافیہ

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ (الاعراف ۷:۸۸)	قوم کے سرداروں نے، جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے، نے کہا کہ ”اے شعیب علیہ السلام، ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملّت میں واپس آنا ہوگا۔ شعیب علیہ السلام نے جواب دیا ”کیا زبردستی ہمیں پھیرا جائے گا خواہ ہم راضی نہ ہوں؟

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحاً مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط قَالُوْآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْآ اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ (الاعراف ۷:۷۵-۷۶)

اس کی قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے، کمزور طبقہ کے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے، کہا "کیا واقعی یہ جانتے ہو کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کا پیغمبر ہے"؟ انہوں نے جواب دیا "بے شک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے اسے ہم مانتے ہیں"۔ ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کے منکر ہیں"۔

اشرافیہ کے لیے قرآن نے ملاء (سردار) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ملاء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم قوم کے وہ سردار جو حکمرانوں کے مصاحب، وزیر، مشیر، نوکر شاہی، افسر، فوجی کمانڈر، نواب اور سرمایہ دار ممبر پارلیمنٹ ہوتے ہیں۔ وہ سب مل کر طاقت کا سرچشمہ بنتے ہیں۔ وہ صرف حکمران ڈکٹیٹر، صدر، وزیر اعظم کے مصاحب ہوتے ہیں۔ چاپلوسی، بے جا تعریف اور جی حضوری سے اپنا کام چلاتے ہیں۔ حکمرانوں کو اپنی وفاداریوں کا یقین دلانے کے لیے بار بار قسمیں کھاتے اور زمین بوس ہو کر سجدہ وسلام کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ یہ حکمرانوں کے مقرب ہوتے ہیں اس لیے ان کی ساری طاقت بادشاہ کی خوشنودی میں ہوتی ہے۔ حکمرانوں کی ناراضی ان کی موت کا باعث بن سکتی ہے اس لیے وہ حکمران پرست ہوتے ہیں خواہ سابق حکمرانوں کے نظریات پہلے کی نسبت مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بھی اسلام کے سخت مخالفت ہوتے ہیں۔

چودہ سو سال سے مسلمان حکمرانوں کی مصاحبت کرنے والے ان سرداران قوم سے کبھی کوئی اسلام کی بھلائی کا کام نہیں ہوا۔ معدودے چند نیک لوگ گزرے ہیں جو بادشاہ کو نیک مشورے دیتے رہے۔ اپنی ذات کی حد تک وہ نیک تھے۔ جہاں تک حق وصداقت اور خلافت راشدہ کے احیا کا تعلق ہے تو ان چودہ صدیوں میں ایک بھی سردار، ملاء، وزیر، مشیر ایسا نہیں گزرا جس نے احیائے اسلام کے لیے کسی تحریک اقامت دین کا ساتھ دیا ہو۔ دنیاوی معاملات سے

فارغ ایک جامد مذہبیت جو صرف مسجد تک محدود ہوتی ہے، اس کی سر پرستی کرنے والے بہت مل جائیں گے۔ مجدد الف ثانی احمد سر ہندیؒ کے ساتھ جو کچھ جہانگیر بادشاہ، اس کے سرداروں اور وزیروں نے کیا وہ تاریخ میں نمایاں طور پر درج ہے۔ اہل اللہ نے ہمیشہ بادشاہوں کے درباروں میں کلمہ حق سنایا لیکن یہ بادشاہ لوگ اسلام کو مٹانے میں ہمیشہ سرگرم رہے۔

دوسری قسم کے سردار وہ ہوتے ہیں جہاں بادشاہ نہیں ہوتا اور سردار مل کر ایک جرگہ، پارلیمنٹ یا انجمن بناتے ہیں اور باہم مشاورت سے ملک کا نظام چلاتے ہیں۔ اسے انگریزی میں Aristocracy کہتے ہیں۔ ماضی میں روم کی حکومت بھی اسی اشرافیہ کے پاس تھی اور جولیس سیزر کی موت کی وجہ بھی سرداروں کی آپس کی کشمکش تھی۔ پرانے زمانے میں قوم ثمود کی حکومت بھی سرداروں کے پاس تھی:

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے يُّفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۞ اور کوئی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے۔

(النمل ۲۷:۴۸)

یہ نو سردار قوم کا نظام چلاتے تھے اور ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اونٹنی کی ٹانگیں کاٹی تھیں۔ آج کی جمہوری پارلیمنٹ بھی اسی سرداری نظام سے مشابہت رکھتی ہے۔ اسلام کے مقابلے میں یہاں بھی اقتدار کی خواہش ہی مخالفت کی وجہ بنی ہے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں ان سرداروں کو اپنی سرداری کے ختم ہونے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ یہ اپنی من مرضی کی زندگی چھوڑ کر اللہ کی مرضی اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اس لیے یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں، اللہ کی ہدایت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی ہر حربہ استعمال کر کے اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ ان کو خطرہ ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اللہ کی حکمرانی قبول کر لی تو ہماری قیادت اور دولت کی فراوانی ختم ہو جائے گی۔ سردار اور ان کا یہ انداز حکمرانی بھی طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔

جب نبی ﷺ تشریف لائے تو سرزمین عرب میں قبائلی نظام تھا۔ کوئی مہذب و مدون بادشاہت نہ تھی۔ پورے ملک میں قبائلی سرداروں کا چلن تھا اور یہ سردار اتنے زوردار تھے کہ قبیلے کا

ہر فرد ان کا اطاعت شعار ہوتا تھا۔ جو بھی اپنے سرداروں کا باغی ہوتا اسے قتل کر دیا جاتا یا پھر قبیلہ بدر کر دیا جاتا۔ جو شخص قبیلے سے خارج کیا جاتا وہ اغوا کر کے غلام بنا لیا جاتا یا پھر اسے لڑ کر اپنا مقام بنانا پڑتا۔

ایران اور روم میں تو بادشاہت تھی لیکن عرب کا نظام قبائلی سرداروں کے ہاتھ میں تھا۔ مکہ کے سردار جو نبی ﷺ کے رشتہ دار اور بھائی بند تھے، سب سے پہلے آپ کے مخالف بنے۔ خود آپ کا چچا ابولہب آپ کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ مکے کے سرداروں کی مخالفت کی وجہ سے تیرہ سال کی تبلیغ کے نتیجے میں قلیل تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ مدینہ میں جب یہ دعوت پہنچی تو اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے سرداروں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی جیسا منافق بھی نہ چاہتے ہوئے مجبوراً مسلمان ہو گیا کیونکہ اُس کا سارا قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا اور وہ تنہا اپنے قبیلے کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہی حال اطراف مدینہ و مکہ میں بھی تھا۔ جس قبیلے کے سردار مسلمان ہو گئے وہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور جس قبیلے کے سرداروں نے مخالفت کی وہ آخری فتح تک اپنی جہالت پر اڑا رہا۔ سیرت رسول ﷺ کے مطالعہ سے ثابت ہوا کہ ماضی میں فروغ اسلام اور ہدایت کی راہ میں بڑی رکاوٹ یہ قبائلی سردار بھی تھے۔ آج بھی یہ سردار جنہیں سیادت اور حکومت میں اثر و رسوخ حاصل ہے، ہدایت کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

وڈیرہ

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ (الاحزاب ۶۷:۳۳) اور کہیں گے "اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی انہوں نے ہمیں راہ راست سے بے راہ کر دیا۔"

وڈیرہ سید القوم بھی ہو سکتا ہے اور اپنے علاقے اور گاؤں کا سردار بھی۔ پاکستان میں بڑی زمینوں اور جاگیروں کے مالک کو وڈیرہ کہتے ہیں۔ قبیلے کا سردار تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن دولت،

حشمت اور جاگیر کی وجہ سے چھوٹے بڑے سردار ہر گاؤں میں موجود ہوتے ہیں۔ایک قبیلے کا اثر اگر سو دیہاتوں میں ہے تو ہر گاؤں کا وڈیرہ الگ سے ہوگا۔کسی وڈیرے کی جاگیر کئی دیہات میں بھی ہوسکتی ہے۔ جاگیردار،نواب،سردار سب اپنی اپنی مالی حیثیت سے بڑے یا چھوٹے ہوتے ہیں۔بعض اوقات وڈیرے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اور کبھی آپس میں اتحاد کرکے غریب عوام کا استحصال کرتے رہتے ہیں۔اگر کوئی وڈیرہ صالح انسان ہوتو وہ بستی امن،عدل اور علم کا گہوارہ بن جاتی ہے اور نیکی کا مرکز بن کر دور دور تک اسلام کی روشنی پھیلاتی ہے لیکن اگر اس بستی کا وڈیرہ گمراہی پھیلانے والا ہوتو پوری بستی جرائم پیشہ افراد سے بھر جاتی ہے بلکہ ارد گرد کے دیہاتوں کو بھی جرائم پیشہ بنا دیتی ہے۔

آج کے دور میں وڈیروں کی اکثریت مادہ پرست، جاہل اور ظالم ہوتی ہے۔اگر کسی بستی کا وڈیرہ دشمنی پر تل جائے تو داعی الی الخیر کو وہ بستی چھوڑنا پڑتی ہے۔شہروں میں تبلیغ کرنا آسان ہے لیکن دیہات میں وڈیرے، جاگیردار اور زمیندار کی اجازت کے بغیر تبلیغ ناممکن ہے۔ان ظالم وڈیروں کی وجہ سے ہی دیہات جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔۱۹۶۴ میں میں ایک تقریب میں شامل تھا۔اٹک کے ڈی سی نے تقریر کے دوران علاقہ فتح جنگ کے ایک وڈیرے کا نام لے کر بتایا کہ وہ اپنی بستی میں پرائمری سکول کھولنے کی اجازت نہیں دیتا۔

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ دیہات کے وڈیرے مسلمان ہونے کے باوجود اسلام کی تبلیغ،فروغ اور اشاعت کی اجازت نہیں دیتے۔علم وآگہی اور تقویٰ وتزکیہ کے سخت مخالف ہیں۔ان وڈیروں کی وجہ سے دیہات میں اسلام کا نور نہیں پھیل رہا۔کسان،مزدور جہالت اور مصروفیاتِ زندگی کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوتے کہ شہروں میں آکر علم دین حاصل کریں۔گاؤں کا امام مسجد اسی طرح کا ایک رذیل ہوتا ہے جس طرح ایک لوہار اور کمہار۔اکثر خاندانی امام مسجد قرآن کی تلاوت بھی صحیح انداز میں نہیں کرسکتے،ترجمہ وتفسیر سے آگاہی تو دور کی بات ہے۔دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں شہروں میں سے تو کچھ لوگ ہدایت قبول کرلیتے ہیں لیکن دیہات میں وڈیرے کی وجہ سے ہدایت جڑ نہیں

پکڑ رہی۔ پاکستان جیسے مسلمانوں کے ملک میں دیہاتی اسلام کے نام سے ناواقف ہیں۔

وڈیرے کی بنیادی خرابی یہ ہے کہ وہ حکومت، دولت، عزت اور غلبے کو اپنا ذاتی اور خاندانی حق سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میں خاندانی سردار ہوں اس لیے مجھے سیادت اور حکومت کا حق حاصل ہے۔ میرے ماتحت چونکہ پیدائشی غلام ہیں اس لیے یہ صرف میرا حکم ماننے کے پابند ہیں۔ وڈیرہ اللہ کی اس حکمت کو نہیں سمجھتا کہ اقتدار صلاحیت کے ساتھ مشروط ہے۔ اس لیے وہ کسی بھی باصلاحیت انسان کو اپنے علاقے میں پنپنے نہیں دیتا۔ قابل اور باصلاحیت افراد کو ناچار ہجرت کر کے آبائی علاقہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ جب ایک باصلاحیت فرد وڈیرے کے چنگل سے نکل کر آزاد وطن میں آتا ہے تو وہ اپنی قابلیت کی وجہ سے دنیا میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے۔

مترفین

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰـكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ط اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝

اگر اللہ اپنے سب بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے، مگر وہ ایک حساب سے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے، یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان پر نگاہ رکھتا ہے۔ (الشوریٰ ۴۲:۲۷)

وَاتَّبَعَ الَّـذِيْنَ ظَـلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (ھود ۱۱:۱۱۶)

ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ لا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس کو ہم نہیں مانتے۔ (السباء ۳۴:۳۴)

وَاِذَآ اَرَدْنَـآ اَنْ نُّهْـلِكَ قَـرْيَةً اَمَـرْنَا مُتْـرَفِيْهَـا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں

الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۱۶) نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

عربی زبان میں مترفین دولت مند سرمایہ دار کو کہتے ہیں۔ بادشاہ کے پاس دولت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ وزراء، ملاء، سید، سردار، وڈیرہ سب دولت کے حریص ہوتے ہیں۔ وسائل، سیادت، سیاست، اقتدار ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس لیے کرپشن، لوٹ مار، استحصال، تشدد غرض وہ ہر طریقے سے دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ اس طرح عوام الناس کی نسبت زیادہ دولت مند ہو جاتے ہیں۔ اکثر قبائل اور اقوام نے صلاحیت، ذہانت اور شجاعت کی بنیاد پر کسی کو سرداری نہیں دی اس لیے باصلاحیت افراد ہمیشہ غریب ہی رہتے ہیں۔

تاریخ کی گواہی ہے کہ ذہین ارسطو بادشاہ نہیں بن سکتا، بادشاہ کا مصاحب اور استاد بن سکتا ہے۔ آج بھی قابل سائنسدان اور مفکران وڈیروں کے ملازم، غلام اور خادم تو ہو سکتے ہیں، خود سرمایہ دار اور جاگیردار نہیں بن سکتے۔ دولتمند اکثر حرام ذرائع سے دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ اسلام حلال وحرام کی پابندی لگاتا ہے اس لیے سرمایہ دار اسلام کو قبول نہیں کرتا کہ اسلامی قوانین کی پابندی سے وہ دولت سے ہاتھ دھولے گا۔ دولت سے محروم ہونا ان سرمایہ داروں کی موت ہے۔

اللہ نے سود حرام قرار دیا ہے جبکہ ہر سرمایہ دار کا کارخانہ سود پر چل رہا ہے۔ یہ سرمایہ دار سمجھتے ہیں:

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ط (القصص ۲۸:۵۷) وہ کہتے ہیں ''اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کر لیں تو اس زمین سے اچک لیے جائیں گے۔''

اگر کوئی مبلغ غیر سیاسی بن جائے یا بظاہر پیر بن کر دم درود کا چکر چلائے جس سے سرمایہ دار کے مالی مفادات پر کوئی آنچ نہ آئے تو پھر وڈیرہ اس کی خوب آؤ بھگت کرے گا۔ اس کے چرنوں کو ہاتھ بھی لگائے گا اور اسے رنگین پلنگ اور صاف ستھری چادر پر بٹھائے گا۔ دولت مند چونکہ جائز اور ناجائز میں تمیز نہیں کرتے بلکہ صرف دولت کے پجاری ہوتے ہیں اس لیے ان کا ٹھاٹھ باٹھ، رہن

سہن غلط اور غیر شرعی ہوتا ہے۔

تمام امیر لوگ ظالم نہیں ہوتے۔ نیک سرمایہ دار اپنے کارخانوں میں نماز، تعلیم، وعظ اور نصیحت کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ اہل اللہ کی مجلسوں میں بھی بیٹھتے ہیں۔ نماز اور حج کی پابندی بھی کرتے ہیں۔ یہ ان کی ذاتی نیکی ہوتی ہے۔ جہاں تک سرمایہ دارانہ نظام اور صنعت و حرفت کے قوانین کا تعلق ہے، اس کا رویہ بھی دوسرے بڑے بڑے سرمایہ داروں جیسا ہوتا ہے۔ پاکستان میں امراء کا طبقہ با قاعدہ اپنا ایک وجود رکھتا ہے۔ ان کی سوسائٹی بن چکی ہے۔ ان کی رہائش پوش علاقوں میں ہوتی ہیں۔ ان کا میل جول اپنے جیسے سرمایہ داروں سے رہتا ہے۔ اس طرح مترفین کی ایک اعلیٰ سوسائٹی بن جاتی ہے جس کی تہذیب عوام الناس سے مختلف ہوتی ہے۔ سوسائٹی کے ان اعلیٰ طبقات میں اسلامی قانون، علم و فن اور اقامت دین کے لیے کوئی گنجائش موجود نہیں ہوتی۔ آج بھی یہ اعلیٰ طبقہ مسلمان ہونے کے باوجود نفاذ اسلام کا مخالف ہے۔ یہ لوگ اپنی بے پناہ دولت میں سے چند سو یا چند ہزار روپے نکال کر مسجدیں بنوا دیں گے، کچھ غربا اور مساکین کو خیرات کر دیں گے، کچھ مدرسوں، درس گاہوں اور ہسپتالوں کو چندہ بھی دیں گے۔ ان نیکیوں کے ساتھ ساتھ حرام کی کمائی اور استحصال جاری رہتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر دوزخ میں جانے والے لوگوں میں سرمایہ داروں کی اکثریت ہوگی:

اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُتۡرَفِيۡنَ ۝ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس انجام کو پہنچنے سے پہلے خوشحال تھے۔ (الواقعہ ۵۶:۴۵)

ہدایت کے پہلو سے انسان کو رزق حلال تلاش کرنا چاہیے اور رزق کفاف پر گزر اوقات کرنی چاہیے۔ غریب مبلغ زیادہ خلوص کے ساتھ دین کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ جب مبلغ حضرات اور دین کے خادموں پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور ان کو دولت و سرمایہ حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہو جاتے ہیں تو وہ بھی سرمایہ دار بن کر مترفین کی ذہنیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک امام مسجد میرا واقف تھا۔ جب میں تبلیغی پروگرام کے لیے جاتا تو بڑے تپاک سے ملتا

اور مسجد میں خطاب کی دعوت دیتا۔ اس کی مسجد میں میں نے کئی درس قرآن دیے۔ اللہ کے کرم سے اسے سعودی عرب جانے اور ملازمت کرنے کا موقع مل گیا۔ کئی سال وہاں رہا۔ آج وہ سرمایہ دار انسان ہے۔ اب وہ امامت نہیں کرتا بلکہ کاروبار کرتا ہے اور مجھ جیسے ادنیٰ کارکن کو پہچانتا بھی نہیں۔ کبھی سرراہ مل جائے تو بغیر پہچانے گزر جاتا ہے جیسے اجنبی شخص کے پاس سے گزرتے ہیں۔

میں نے زندگی میں نیک، صالح اور متقی سرمایہ دار بہت کم دیکھے ہیں۔ ہمارے علاقے میں ایک حاجی صاحب رہتے ہیں، مسجد کا چندہ بھی دیتے ہیں۔ وہ صرف پانچ فیصد اسلام پر عمل کرتے ہیں اور پچانوے فیصد مترفین میں شامل ہیں۔ رہا انفرادی تقویٰ تو اس کا تعلق دولت کے ساتھ نہیں۔ امیر آدمی بھی نیک ہوسکتا ہے اور غریب بھی۔ اسی طرح امیر بھی ظالم ہوسکتا ہے اور غریب بھی۔ اس لیے اگر کوئی شخص امیر بھی ہے اور نیک بھی تو اس کی نیکی کا کوئی تعلق اس کی دولت کے ساتھ نہیں۔ نیکی کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے۔ جو شخص خواہ امیر ہو یا غریب اللہ کی کبریائی اور عظمت کا تصور کر کے ڈر جائے اور اپنی آزاد مرضی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنا شعار بنالے، وہ صالح انسان ہے۔

پاکستان میں دنیا و دین کی تفریق موجود ہے اس لیے مسلمانوں کی اکثریت خواہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتی ہو صرف مذہبی معاملات میں اللہ کے قوانین کی اطاعت کرتی ہے۔ دنیاوی اور مالی معاملات کو چونکہ اسلام کا حصہ نہیں سمجھا جاتا اس لیے ان معاملات میں اللہ کے قانون کی پابندی کوئی بھی نہیں کرتا۔ فرقہ پرستی نے تو اور بھی لوگوں کو دینی امور سے آزاد کر دیا ہے۔ اگر ایک شخص دو بکرے ذبح کر کے ختم شریف دلا دے تو کسی کو اس کے ذریعہ آمدن پر اعتراض نہیں ہوگا۔ کوئی یہ سوال نہیں کرے گا کہ یہ دو بکرے چوری کے تھے یا رزق حلال سے خریدے تھے؟

دولت اللہ کا فضل ہے۔ اسے حق کے ساتھ کمانا اور خرچ کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے لیکن سرمایہ دارنہ ذہنیت حق سے کوسوں دور رہتی ہے۔ سرمایہ دار جس طرح روٹی اور لوہا خریدتا ہے اسی طرح وہ اللہ کو بھی خریدنے کی فکر کرتا ہے حالانکہ جنت سرمائے سے نہیں خریدی جاسکتی۔ جنت میں

جانے کے لیے تو اسلام کی مکمل اطاعت کرنا پڑتی ہے۔ اللہ کے ہاں نامکمل اسلام قبول و منظور نہیں۔ چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ ان مترفین کی بداعمالیوں کی تاریخ ہے۔

دو گروہ؛ پیشوا اور پیروکار

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ۝

وہاں یہ کافر کہیں گے ”اے رب، ذرا ہمیں دکھا دے ان جنوں اور انسانوں کو جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، ہم انہیں پاؤں تلے روند ڈالیں گے تاکہ وہ خوب ذلیل و خوار ہوں۔ (حٰم السجدہ ۴۱:۲۹)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ط وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ ج يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝

یہ کافر کہتے ہیں کہ ”ہم ہرگز اس قرآن کو نہ مانیں گے اور نہ اس سے پہلے آئی ہوئی کسی کتاب کو تسلیم کریں گے“۔ کاش تم دیکھو ان کا حال اس وقت جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ ”اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے“۔ وہ بڑے بننے والے ان دبے ہوئے لوگوں کو جواب دیں گے ”کیا ہم نے تمھیں اس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ بلکہ تم خود مجرم تھے“۔ (السبا ۳۴:۳۱-۳۲)

قرآن نے بار بار دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک قیادت کرنے والا اور دوسرا پیروی کرنے والا۔ یہ انسانی تاریخ ہے کہ ہر زمانے میں انسانی معاشرت میں یہ دونوں گروہ موجود رہے ہیں۔ بادشاہ، سردار، وزیر، سرمایہ دار، ممبر پارلیمنٹ، قبائلی سردار، علمائے کرام اور پیران عظام آگے لگنے والوں میں شامل ہوتے ہیں اور غریب عوام اس طبقہ اعلیٰ کی پیروی کرتی ہے۔ ماحول مذہبی ہو

یا غیر مذہبی، یہ دو گروہ ہر جگہ، ہر شہر، ہر زمانے اور ہر قوم میں موجود رہے ہیں۔ آج بھی ساری دنیا میں یہ دونوں طبقے موجود ہیں۔ خود اپنے ملک میں حزب اقتدار ہو یا حزب مخالف، ایک طرف لیڈر حضرات ہیں اور دوسری طرف ان لیڈروں کے پیروکار۔

انسانیت کی یہ گروہی تقسیم آج بھی موجود ہے۔ اقامت دین نیکی اور ہدایت کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو قیادت کرنے والا امیر، سردار، صدر وہ ہونا چاہیے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہو:

يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوا ط إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ٥

لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔ (الحجرات ۴۹:۱۳)

جن علاقوں میں صدر، سردار، امیر اللہ سے ڈرنے والے ہیں وہاں عدل اور انصاف کچھ نہ کچھ موجود ہے اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا نظام اچھا برا چل رہا ہے لیکن جن علاقوں میں قیادت و سیادت غلط ہاتھوں میں ہے وہاں دین اسلام کو ناپسند کیا جاتا ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کو دقیانوسی، جاہل اور دہشت گرد کا خطاب دیا جاتا ہے۔

اشاعت اسلام اور اقامت دین کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ غلط قیادت اسلام کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ غلط قیادت کو ہٹائے بغیر اسلام قائم نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ۱۳ سال مکہ میں تبلیغ کی۔ بڑی تگ و دو کے بعد تھوڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور وہ بھی ظلم و ستم برداشت نہ کر سکے۔ مجبوراً مکہ چھوڑ کر حبشہ اور پھر مدینہ چلے گئے۔ یہ سرداران مکہ کا دباؤ اور ظلم تھا جو اسلام کی راہ میں رکاوٹ تھا۔ مکہ کی اکثریت دل سے نبی ﷺ کا احترام کرتی تھی۔ عوام الناس چونکہ سرداروں کے پیچھے چلنے والے تھے اس لیے وہ نبی ﷺ کی صداقت کے معترف ہونے کے باوجود اسلام قبول نہ کر سکے۔ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا۔

جنگ بدر، جنگ احد اور فتح مکہ کے دن تقریباً تمام سرداران قریش قتل ہو گئے۔کل ۱۲۰ بڑے چھوٹے سردار قتل ہو گئے۔ جب نبی ﷺ نے مکہ فتح کیا تو پرانے بڑے سرداروں میں سے صرف ایک ابوسفیان ہی زندہ رہ گئے تھے چنانچہ وہ بھی فتح کے دن مسلمان ہو گئے۔ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھاگ گیا پھر مسلمان ہو گیا۔اب سرداروں کی لیڈری کے خوف سے ان کے پیچھے چلنے والے لوگ آزاد تھے۔ نبی ﷺ کے اس حکم نے بھی اثر کیا:

فاذھبوا وانتم الطلقا٥ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یوں عوام الناس نے جو ہمیشہ سرداروں کے پیچھے چلا کرتے تھے نبی ﷺ کو اپنا سردار تسلیم کر لیا اور سارا مکہ جس کی آبادی کئی ہزار افراد پر مشتمل تھی، ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا۔ظالم قیادت کے خاتمہ کا یہ اثر تھا کہ کہاں تیرہ سال میں چند سو مسلمان ہوئے اور آج آزادی کا ثمر تھا کہ پورے شہر کے ہزاروں انسان مسلمان ہو گئے۔یہی حال ایران، شام، عراق اور مصر کا ہوا۔مسلمان فوجوں نے ان ممالک کو فتح کیا۔بادشاہوں، سرداروں، وڈیروں کا سیاسی دباؤ اور معاشرتی غلبہ ختم ہو گیا۔ عوام الناس نئے لیڈر کے انتخاب کے لیے آزاد ہو گئے اور انہوں نے جوق در جوق اسلام قبول کر لیا۔ **ید خلون فی دین اللہ افواجا** کی یہی توضیح ہے۔

آج بھی اگر ائمۃ الکفر کی سیادت کو ختم کر دیا جائے تو پاکستان میں مکہ مدینہ کی طرز پر خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ بن سکتی ہے۔امر واقعہ یہ ہے کہ ملک مسلمانوں کا، اہل اقتدار بھی مسلمان اور عوام کی اکثریت جوان سرداروں اور اکابرین کے پیچھے چل رہی ہے، وہ بھی مسلمان ہے۔مسلمانوں کے ملک میں بھی ہدایت کے دروازے بند ہیں اور اللہ کے نیک بندوں کو نیک بننے میں دشواریاں ہیں تو اس کی وجہ یہی طاغوتی نظام حکومت، طاغوتی قانون، طاغوتی نظام تعلیم اور طاغوتی لیڈر ہیں جو خود اسلام سے منحرف ہیں اور عوام الناس کو اسلام کے قریب کرنے کی بجائے اسلام سے دور لے جا رہے ہیں۔ ہدایت کے سچے طالبوں کو ان لیڈران کرام سے الگ ہو کر خود اپنی ذاتی کاوش سے قرآن، حدیث اور سیرت نبوی ﷺ کا علم حاصل کرنا چاہیے۔

مشرک

يَـٰٓأَيُّهَـا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِن تُطِيْعُوْا الَّذِيْنَ كَـفَـرُوْا يَـرُدُّوْكُـمْ عَـلَـىٰٓ أَعْقَـابِكُمْ فَتَنقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ۝ (آل عمران ۳:۱۴۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم ان لوگوں کے اشاروں پر چلو گے جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو وہ الٹا پھیر لے جائیں گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔

پاکستان میں ہندوؤں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اس لیے اسلام کی مخالفت میں اتنے مؤثر نہیں لیکن ہندوستان، روس، چین اور جاپان میں کفار اور مشرکین کی آبادی ہے اس لیے وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ وہاں کا قانون، ذرائع ابلاغ، نظام تعلیم، تہذیب وتمدن اور صنعت و حرفت وغیرہ سارا ماحول اور معاشرہ ایسا بن چکا ہے جو بھی پیدا ہوتا ہے کافر ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ ممالک جان بوجھ کر عوام کو اسلام سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ وہاں انسانوں کو بہت سی آزادیاں حاصل ہیں لیکن اسلام کے فروغ کی سہولتیں حاصل نہیں ہیں۔ ہندوستان میں مسلمان ایک تہائی ہیں اس لیے ان میں کچھ جان ہے اور وہ اپنے ذرائع سے اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کر لیتے ہیں لیکن ان مسلمانوں میں بھی نام کے مسلمان زیادہ اور حقیقی مسلمان کم ہیں۔ مسلمانوں کی اپنی کمزوریاں بھی فروغ اسلام میں حائل ہو جاتی ہیں:

قَـالُـوْا يٰشُـعَيْـبُ مَـا نَفْقَهُ كَثِيْراً مِّمَّا تَـقُوْلُ وَإِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفاً ج وَلَوْلَا رَهْـطُكَ لَـرَجَـمْـنٰكَ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ۝ (ھود ۱۱:۹۱) انہوں نے جواب دیا "اے شعیب علیہ السلام، تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہے، تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کا تجھے سنگ سار کر چکے ہوتے، تیرا بل تو اتنا نہیں کہ ہم پر بھاری ہو"۔

ہر شخص کو اپنے نظریات سے پیار ہوتا ہے۔ آباء واجداد سے ملنے والے نظریات پر انسان پختہ ہوتا ہے۔ پہلے سے موجود نظریات کے خلاف جب کوئی منکر خدا بات سنتا ہے تو اسے اپنے سابق دین کی حفاظت کی فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ نیا نظریہ اس کے نظریات کے خلاف ہوتا ہے اس

لیے وقتی طور پر اپنے دین کا تعصب اسے نئی بات کو قبول کرنے سے روکتا ہے۔ چاہیے تو یہ کہ دعوت کا تجزیہ کیا جائے اور حق کے بارے میں سنجیدگی کا مظاہرہ کیا جائے۔ لیکن پہلے سے موجود کفر حق کو قبول کرنے سے روکتا ہے۔

یہود و نصاریٰ

مغربی ممالک یورپ، امریکہ، برطانیہ، روس وغیرہ میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی آبادی عیسائیوں کی ہے اور وہ بھی زیادہ ترقی یافتہ ممالک میں آباد ہے۔ ان ممالک میں یہودیوں کی بھی معقول تعداد موجود ہے۔ دنیا کا سرمایہ، سائنس، صنعت، حرفت اور تجارت زیادہ تر یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ خصوصاً امریکہ میں یہودی سرمایہ داروں کا سیاسی اور معاشی اثر ورسوخ بہت زیادہ ہے۔ امریکہ کے یہودی صدارتی الیکشن پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

جنگ عظیم اول اور دوئم میں یہودیوں نے امریکہ اور یورپی ممالک سے گٹھ جوڑ کر کے سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا اور سرزمین فلسطین میں اسرائیل کے نام سے یہودی ریاست قائم کر دی۔ یہودیوں کی آبادی فلسطین اور یورپی ممالک میں زیادہ ہے۔ اس طرح پوری دنیا کے یہودی مل کر اسرائیل کی حکومت کا نظام چلا رہے ہیں اور اس میں انہیں امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس اور جرمنی کی حمایت بھی حاصل ہے۔ ہدایت اور اسلام کی اقامت کے نقطہ نظر سے یہودی اور عیسائی پہلے دن سے ہی اسلام کے خلاف ہیں۔ اسلام کی مخالفت میں یہودیوں اور عیسائیوں کی کارروائیوں کی فہرست بہت لمبی ہے۔

آج بھی وہ بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ ذرائع ابلاغ، نظام تعلیم، معاشی سرگرمیوں کے ذریعے اسلام کے فروغ کو روکا جائے اور کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمان صرف نام کے مسلمان رہ جائیں ان سے روح محمد ﷺ نکال لی جائے۔ سیاسی طور پر امریکہ نے ۲۰۰۱ء میں بلا جواز افغانستان پر حملہ کر کے طالبان کی مذہبی ریاست ختم کر دی۔ عراق پر حملہ کر کے اس کے تیل پر قبضہ کر لیا۔ سعودی عرب اور عرب ریاستوں کو اپنے سیاسی دباؤ میں لے لیا۔ شام اور ایران کو بھی دھمکیاں مل

رہی ہیں۔ دیکھیں مستقبل میں پاکستان کا سیاسی حشر کیا ہوتا ہے؟

یہودی اور عیسائی اس کوشش میں ہیں کہ سارے مسلمان یورپی تہذیب کے دلدادہ بن جائیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کو بھول جائیں۔ اسلام کی جگہ سیکولرازم کی تعلیم دیں اور جہاد، تبلیغ اور عبادات سے کنارہ کش ہو کر اسی طرح سے دہریے بن جائیں جس طرح کا دہریہ اتاترک تھا۔ یہودی تہذیب کے غلبے کے لیے دن رات کوششیں ہو رہی ہیں اور مسلمانوں کے بے دین اور منافق حکمران ان کے حاشیہ دار بن چکے ہیں۔

ایسے ماحول میں داعیان الی الخیر کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ ہم نے حکومتی ذرائع سے محروم ہونے کے باوجود اپنے ذاتی ذرائع سے حق کی تبلیغ کرنی ہے۔ عوام، خواص، علماء، طلباء غرضیکہ مسلمانوں کے ہر طبقے میں کام کر کے اصلاحی تحریک کو آگے بڑھانا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کی گمراہی کے مقابلے میں ہمیں اسلام کی ہدایت کا نور پھیلانا ہے۔

یہ ہزاروں سال پرانی کشمکش ہے اور اسے ہم نے جاری رکھنا ہے۔ اگر ہم سست ہو گئے تو اسلام کو مٹانے کی مغربی ممالک کی کوششیں تیز ہو جائیں گی۔ ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کی تعلیمات کو فروغ دینا اور قائم کرنا ہے۔ اسلام کی نشر و اشاعت ہم سب پر فرض ہے۔ یہودی اور عیسائی تہذیب کی پیروی سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے:

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝	یا پھر تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام سب کے سب یہودی تھے یا نصرانی؟ کہو "تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟" اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے؟ تمہاری حرکات سے اللہ غافل تو نہیں۔ (البقرہ ۲:۱۴۰)
قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ	کہو، اے اہل کتاب! یہ تمہاری کیا روش ہے کہ جو اللہ کی بات

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجاً وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقاً مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝

مانتا ہے اسے بھی تم اللہ کے راستہ سے روکتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھی راہ چلے، حالانکہ تم خود (اس کے راہ راست ہونے پر) گواہ ہو۔ تمہاری حرکتوں سے اللہ غافل نہیں ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم نے ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمہیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ (آل عمران ۳: ۹۹۔۱۰۰)

نبی ﷺ کے زمانے سے یہودی سازشیں کر رہے ہیں۔ مدینہ میں یہودیوں نے سازشیں کیں۔ نبی ﷺ نے ان کو مدینہ سے نکال باہر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کو سرزمین عرب سے نکال باہر کیا۔ یہودی ساری دنیا میں منتشر ہو گئے لیکن وہ آج بھی سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان کی چند سازشیں درج ذیل ہیں:

☆ مالیات

سب سے کامیاب سازش مالیات میں ہے۔ مسلمان ملکوں میں بڑے بڑے کارخانے سب یہودیوں کے ہیں۔ اس طرح ملک کی معیشت پر یہودیوں کا قبضہ ہے مثلاً پاکستانی دودھ بیچتے ہیں، نیسلے (Nestle) خرید کر پیک کر کے پھر مسلمانوں کو ہی بیچ دیتا ہے۔ صرف پیکنگ کے ذریعے کروڑوں روپے پاکستانیوں کی جیبوں سے نکل کر یہودیوں کے ہاں چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح مشروبات، ادویات، زیب و زینت کا سامان بنا کر مسلمانوں کی دولت لوٹ رہے ہیں۔ یہودی بنکوں میں مسلمانوں کا پیسہ ہے اور اس پیسے سے یہودی دنیا میں سرمایہ کاری کر کے مزید دولت اکٹھی کر رہے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس وقت مسلمان ملکوں کی ساری معیشت پنجۂ یہود میں ہے۔ وہ کسی وقت بھی کوئی بحران کھڑا کر کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ ۱۹۶۶۔۶۷ میں گلوکوز کا بحران پیدا ہوا تھا اور یہودی سازش کے ذریعے ہزاروں مریض گلوکوز کی بوتل نہ ملنے کی وجہ سے مر گئے۔

☆علمی

علمی دنیا میں تو یہودیوں کا مکمل کنٹرول ہے۔ سائنس دان، پروفیسر، ریسرچ سکالر سبھی یہودی ہیں۔ ہر سال نوبل پرائز ملتا ہے تو دو چار یہودی ضرور نوبل پرائز حاصل کرتے ہیں۔ کسی ایک مسلمان سائنس دان کو نوبل پرائز نہیں ملتا بلکہ عبدالقدیر محسن پاکستان کو جیل کی ہوا کھانا پڑتی ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس پر یہودی کی خاص نظر ہے۔ مسلمان ممالک میں جو سائنس، طب اور زراعت کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں سے اکثر کے مصنف یہودی ہوتے ہیں۔ مسلمان ملکوں کی علمی دنیا پر یہودیوں کو سو فیصد کنٹرول حاصل ہے۔

آج افریقی ممالک میں ایسے قرآن دیکھنے میں آئے جن میں یہودیوں نے تحریف کر کے ایسا مواد نکال دیا جن میں یہودیوں کی مذمت کی آیات تھیں اور نئی باتیں شامل کر دیں۔ الحمدللہ بیدار مغز حفاظ کرام نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور غلط اور تحریف شدہ قرآن کی کاپیاں ضائع کر دیں لیکن یہودی سازشیں اب بھی جاری ہیں وہ مسلمانوں کے نصاب تعلیم سے قرآن کی جہاد کی آیات نکلوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

پرانے زمانے میں بہت سے یہودی مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے کچھ تو مخلص مسلمان بن گئے لیکن کچھ ایسے تھے جو منافق رہے۔ انہوں نے مسلمان بن کر علمی نقطہ نظر سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی بہت سی جھوٹی حدیثیں گھڑیں اور مشہور محدثین کا نام لے کر بیان کرنا شروع کر دیں جو سادہ لوح مسلمانوں میں رواج پا گئیں۔ جن کی بنیاد پر مسلمان کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ مسلمانوں کے تفرقہ کی دیگر سیاسی، مالی اور اخلاقی وجوہات بھی ہیں لیکن اس تفرقہ کو ان جھوٹی حدیثوں نے بہت تقویت دی ہے۔ آج بھی مغرب کے یہودی مستشرق کھوج لگا لگا کر جھوٹ سچ کو تحقیق کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔ پرانے زمانے میں عبداللہ بن سبا کا فتنہ بہت مشہور ہوا۔ وہ یہودی سازشی تھا جس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ تصوف میں بھی بہت سی یہودی رسمیں موجود ہیں۔

☆معاشرتی

معاشرہ ہمارا، خاندان ہمارے لیکن ہمارے گھروں میں استعمال ہونے والی سب چیزیں یہودی فراہم کررہے ہیں۔ یہودی کلچر نے ہمارے گھروں کو بھی متاثر کرلیا ہے۔ رہن سہن میں یہودی کی عقل کام کررہی۔ ہم اپنے گھر میں رہ کر بھی یہودی کی طرز بود و باش کے تابع مہمل ہیں۔

☆عورتوں کے ذریعے مسلمانوں میں نفوذ

یہودی لڑکیاں نمایاں شہرت والے مسلمان لڑکوں سے پیار کی پینگیں بڑھاتی ہیں۔ پھر بظاہر مسلمان بن کر نوجوان ہونہار مسلمانوں سے شادی کرلیتی ہیں۔ ان ہونہار مسلمان سائنس دانوں، پروفیسروں، سیاست دانوں اور سرمایہ داروں کو آہستہ آہستہ متاثر کرکے یہودی مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ مسلمان ممالک کے بڑے بڑے معروف لوگوں نے ان بظاہر مسلمان لیکن دل سے پکی یہودی لڑکیوں سے شادیاں کررکھی ہیں۔ بعض عورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ مسلمان ملکوں کے حکمرانوں کو بھی متاثر کرلیتی ہیں۔ اس طرح حکومت کے ذریعے مسلمان ملکوں میں بے حیائی پھیلانے اور اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔

☆ ذرائع ابلاغ

دنیا کے ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا سو فیصد قبضہ ہے۔ امریکہ، برطانیہ، روس، جاپان، چین، فرانس وغیرہ بڑے ممالک میں تو یہودیوں کے ذاتی ذرائع ابلاغ ہیں اور حکومتی ذرائع بھی یہودیوں کے نام ہیں۔ ان ذرائع سے اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا دن رات جاری ہے۔ اس تفصیل سے ہمیں آگاہ ہونا چاہیے کہ آج دنیا میں ہمارے خلاف کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں؟ ان سازشوں کا ہماری ہدایت کے ساتھ براہ راست تعلق ہے۔ ہم یہودی کی وجہ سے فکر معاش میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمارے ذرائع ابلاغ اور تعلیم و تربیت کے ادارے یہودیوں کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے براہ راست ہمارے عقیدے، عمل، تبلیغ، جہاد اور رہن سہن کو بھی متاثر کرتے ہیں۔

معاشرتی اقدار

اِنَّھُمۡ اَلۡفَوۡا اٰبَآءَ ھُمۡ ضَآلِّیۡنَ ۝ فَھُمۡ عَلٰۤی اٰثٰرِھِمۡ یُھۡرَعُوۡنَ۝
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا اور انہی کے نقش قدم پر دوڑ چلے۔

(الصافات ۳۷:۶۹-۷۰)

ہر زمانے میں معاشرے کا بھی ایک دباؤ رہا ہے۔ حکمرانوں اور سرداروں کے علاوہ ماحول اور معاشرہ بھی ہدایت کا مددگار ہوسکتا ہے اور گمراہی پھیلانے کا ذریعہ بھی۔ ایک فرد بہت سے مسائل میں آزاد ہوتا ہے لیکن ماحول اور معاشرے سے کٹ کر وہ اپنی رہی سہی آزادی بھی ختم کر لیتا ہے۔ پرانے زمانے میں جب کسی وجہ سے کسی کو قبیلے سے خارج کر دیتے تو وہ مجبور ہوتا تھا کہ کسی دوسرے قبیلے کی پناہ تلاش کرے۔ کوئی اکیلا فرد زندگی نہیں گزار سکتا تھا جب تک اسے کسی قبیلے کی سرپرستی حاصل نہ ہو۔

آج دنیا کافی بدل گئی ہے اور آزادی کا ماحول کافی ترقی یافتہ ہے پھر بھی سیاسی، علمی اور اخلاقی طور پر معاشرے کا دباؤ برقرار ہے مثلاً بچوں کی تعلیم اور شادی بیاہ کے مسائل میں معاشرے سے کٹنے والے کو بہت دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اقامت دین اور ہدایت کے نقطہ نظر سے ہمیں بھی اسی پاکستانی معاشرے میں رہ کر کام کرنا ہے۔ مثبت و منفی دونوں قسم کے دباؤ سہنا پڑیں گے۔

ہمارا معاشرہ منافق معاشرہ ہے۔ یہاں انگریزی قانون، تہذیب، مادہ پرستی، کرپشن، جھوٹ کی عمل داری ہے اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت بھی ہورہی ہے۔ اس دوعملی کی وجہ سے پوری قوم منافق بن چکی ہے۔ تبلیغ کرنے اور سننے والے اس نفاق سے متاثر ہورہے ہیں۔ معاشرے کے اس دباؤ میں مکمل اور صحیح اسلام لوگوں کو سمجھ ہی نہیں آرہا۔ ہر کوئی منافقت سے بھرپور اسلام چاہتا ہے۔ حق لاشریک ہے، وہ دوئی پسند نہیں ہے۔ معاشرے کو اس منافقانہ دباؤ سے نکال کر حق کی صاف صراط مستقیم کی روشنی پھیلانا ضروری ہے۔ بہت سے لوگ اس معاشرتی دباؤ کی وجہ سے جانتے بوجھتے حق سے انحراف کررہے ہیں۔

شاعروادیب

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۝ رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ (الشعراء ۲۲۴:۲۶)

شاعر نیک بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ پاکستان میں نیک شاعر تو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اکثر شعراء دین سے غافل اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بھی بے بہرہ ہیں۔ ہمارے ہاں سنے جانے والے زیادہ تر گانوں میں عشق کی تعلیم ہے، حسن و عشق کی حکایات ہیں، گناہ کی ترغیب ہے۔ لوگوں کے جذبات بھڑکا کر انہیں یادِ خدا سے غافل اور جنسیات میں مگن کر دیا جاتا ہے۔ آج کا شاعر اور اس کا کلام اخلاقی پابندیوں سے آزاد فحاشی، بے حیائی اور بے غیرتی پھیلا رہا ہے۔ ان اشعار میں کسی بلند نصب العین کا ذکر نہیں۔ دن رات مسلمانوں کی نوجوان نسل کو بہکا کر گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

دوسری قسم کے جو اشعار سنے جاتے ہیں، انہیں نعت کا نام دیا گیا ہے۔ نعتوں میں اصولاً نبی ﷺ کی تعریف کی جانی چاہیے لیکن رائج الوقت نعتیہ کلام میں زیادہ تر غیر اللہ سے استغاثہ ہے۔ نبی ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اولیا اور پیروں کو خدا بنا کر یا خدا کا اوتار بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ ساری دعائیں جو صرف اللہ سے کرنا چاہئیں، وہ سبھی ان بزرگوں سے کی جاتی ہیں۔ مسلمانوں میں شرک، مادہ پرستی اور جہالت کے فروغ کے لیے یہ نعتیہ کلام دن دگنی ترقی کر رہا ہے۔ مدینے کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے جاتے ہیں۔ یہ عاشقان رسول شاعر کسی ایک بھی سنت کے احیاء کی تبلیغ نہیں کرتے۔ مسلمان قوم کو بھکاری بنا رہے ہیں۔

پاکستانی ادیب بھی گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ ناول، فلم، کہانیاں، ڈرامے سبھی اسلام کی مخالفت اور کفر، الحاد، حسن، عشق، بداخلاقی، حسد، بغض، منافرت، تشدد، ظلم اور استحصال پھیلانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ کہانی وقتی طور پر لذت آفرین ہوتی ہے لیکن ایک نوجوان کی غلط تربیت کر جاتی ہے۔ کئی نوجوان فلم دیکھ کر ڈاکہ ڈالنے کا طریقہ سیکھتے ہیں۔ فلموں میں دکھائی جانے والی کہانی

سے قتل و غارت گری اور اسلحے کی نمائش کا طریقہ سیکھ لیتے ہیں۔ یہ سب ادیب اور فلم ساز کا گناہ ہے کہ وہ قوم کی اصلاح کرنے، اسے نیکی کی رہنمائی دینے کی بجائے برائی کی طرف رہنمائی دے رہے ہیں۔ اخبارات میں روزانہ ہزاروں الفاظ چھپتے ہیں۔ ان الفاظ میں زیادہ تر گمراہی، انارکی اور تفرقہ پیدا کرنے والے الفاظ ہوتے ہیں۔ بہت سے اخبارات اصلاحی مضامین شائع کرتے ہیں۔ دین کے نام پر جو مواد اخبارات میں چھپتا ہے وہ بھی جہالت اور بے دینی کے فروغ کا ذریعہ بن رہا ہے۔ جوانوں کو گمراہ کرنے میں ادیبوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ ہر نوجوان جورات کو ایک جنسی ناول پڑھتا ہے اور صبح عشق و محبت کی نئی کہانی از خود شروع کر دیتا ہے۔ ان ناولوں، افسانوں اور فلموں کی وجہ سے نوجوان لڑکیاں لڑکے گھروں سے بھاگ رہے ہیں۔ اغوا، قتل اور جنسی تشدد کے واقعات ہو رہے ہیں۔ ان سب گمراہیوں کے ذمہ دار شاعر و ادیب ہیں:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ق وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝	اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دل فریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑا دے۔ ایسے لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے۔ (لقمان ۳۱:۶)

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی دعوت کا مقابلہ کرنے کے لیے نضر بن حارث ایران سے قصے اور افسانے خرید کر مکہ میں لایا تاکہ لوگوں کو ان داستانوں میں مگن کر کے راہ ہدایت سے روکے۔

طاغوت

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قف لا قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَا انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ	دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا

www.darulislah.com.pk

عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ لا يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمَاتِ ط اُوْلٰٓـئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ ۲:۲۵۶-۲۵۷)

سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں، ان کا حامی ومددگار اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے حامی ومددگار طاغوت ہیں اور وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں ہمیشہ رہیں گے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ط فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (النحل ۱۶:۳۶)

ہم نے ہر امت میں ایک رسول علیہ السلام بھیجا، اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ ”اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔“ اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہو گئی۔ پھر ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہو چکا ہے؟

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ج فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ (الزمر ۳۹:۱۷)

بخلاف اس کے جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا ان کے لیے خوشخبری ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ط وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ (النساء ۴:۶۰)

اے نبی علیہ السلام! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم

دیا گیا تھا۔شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت
دور لے جانا چاہتا ہے۔

طاغوت سے مراد وہ شخص ہے جو خود گمراہ، اللہ تعالیٰ کا باغی اور دوسرے انسانوں کو اللہ کی بغاوت و نافرمانی پر مجبور کرے۔ طاغوت کی فہرست بہت لمبی ہے۔ شیطان، ظالم بادشاہ، گمراہ سردار، وزیر، قبائلی سردار، وڈیرہ، انسانی قانون، انسانی غلط نظام تعلیم، اسلام سے باغی معاشرہ، بگڑے ہوئے مسلم حکمران، علمائے سو، دنیا پرست پیر اور صوفی سبھی اس فہرست میں آجاتے ہیں۔ جو زیادہ طاقت ور ہے اور زیادہ لوگوں کو گمراہ کر کے خدا کا باغی بنا سکتا ہے، وہ بڑا طاغوت ہے۔ شیطان نے لاکھوں، کروڑوں انسانوں کو گمراہ کیا، فرعون بھی طاغوت تھا۔

یورپی معاشرہ اور مغربی تہذیب بھی آج کا طاغوت ہے، یہ خدا کی باغی تہذیب ہے اور اسلام کو مٹا کر تہذیبی غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔قرآن نے حکم دیا ہے کہ مسلمان ہر طاغوت کا باغی ہے۔ لا الہ الا اللہ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ہم اللہ کے کسی باغی کی بات ماننے کو تیار نہیں۔ پہلے طاغوت کا انکار کیا جاتا ہے اور پھر حق کا اقرار کیا جاتا ہے۔ دعوت و تبلیغ سے بھی طاغوت کی نفی کی جاتی ہے اور بذریعہ جہاد بھی طاغوت کو مٹا کر اسلام کو غالب اور قائم کرنا ہر مخلص مسلمان کا فرض ہے۔ طاغوت سے کسی بھی درجہ میں مصالحت اور نرم رویے کی اجازت نہیں۔ طاغوت کی مخالفت طاقت سے ہوسکتی ہے اور زبان سے بھی۔ اگر ایمان بہت ہی کمزور ہے تو ایمان کی حفاظت کے لیے طاغوت کو دل سے برا جانے اور اندر ہی اندر کڑھے کہ کاش میرے پاس طاقت ہوتی تو میں اعلانیہ طاغوت کا انکار کرتا۔

علما سوء

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ۹:۳۱) انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ اور یہ تمہیں کیسے حکم بناتے ہیں جبکہ ان کے پاس توراۃ

فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ○ (المائدہ۵:۴۳) موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا قَالُوٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ ○ (البقرہ۲:۱۴) جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، اور جب علیٰحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے محض مذاق کررہے ہیں۔

عالم دین کا اصل مقام ہادی، مرشد اور استاد کا ہے۔ اس کی ذمہ داری عوام الناس تک اسلام کا صحیح علم پہنچانا ہے۔ قرآن اپنی اصل حالت میں موجود ہے، حدیث، فقہ، سیرت النبی ﷺ، تاریخ اپنی صحیح حالت میں آج ہماری لائبریریوں کی زینت ہے تو یہ سب حق پرست علماء کا کارنامہ ہے۔ یہ بزرگ ہمارے محسن ہیں۔ اب دنیا کے لالچ اور فرقہ پرستی نے بہت کچھ بدل دیا ہے۔ آج دنیا میں اللہ کی رضا کے لیے تبلیغ و تعلیم کرنے والے علماء کی شدید کمی ہے:

قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ○ (السباء۳۴:۱۳) میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔

قحط الرجال کے اس دور میں حق پرست علماء کی شدید کمی نے حق کی تلاش کرنے والوں کے لیے کافی مشکلات پیدا کردی ہیں۔ علماء سوء کی شہرت ہے۔ علماء کے پاس جائیں تو وہ مختلف قسم کی تعلیم دیتے ہیں۔

☆ اپنے اپنے فرقے کی تعلیم اور مخالف فرقے کے ابطال کے دلائل عطا کرتے ہیں۔

☆ نامکمل اسلام کی تعلیم دیتے ہیں۔ انہوں نے اسلام کو نماز، روزہ، حج اور درود وسلام تک محدود کردیا ہے۔

☆ دین اور دنیا میں تفریق کردی ہے۔ دنیاوی معاملات اور دنیاوی تعلیم سے بالکل کورے ہیں۔

ان تینوں اقسام میں ناقص اسلام بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت خود دین

سے غافل ہے اور دنیاوی امور میں مصروف ہے۔اسے اسلام کی تکمیل یا اقامت کی کوئی فکرنہیں ہوتی اس لیے وہ رائج الوقت نظام کے تحت اپنے امام مسجد سے راضی ہے اوراس کی مسجد اور مدرسہ چلانے کے لیے مالی تعاون کر دیتی ہے لیکن حق کا سچا طالب جب ان مولویوں کی تعلیم اور بدعات کو دیکھتا ہے تو مضطرب ہو جاتا ہے۔تلاش حق میں وہ مختلف کتابیں پڑھتا اور مختلف مشہور علما کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔کئی سال کی محنت شاقہ سے اس کا خلوص رنگ لاتا ہے اور بڑی مشکل سے وہ حق کو پانے میں کامیاب ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے عمر کا قیمتی حصہ صرف کر کے اسلام کی حقانیت پائی ہو وہ ان علماء سوء کی بدعتوں،تفرقوں،اور دین و دنیا کی تفریق سے بدظن ہو جاتے ہیں۔اگر ہمیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنا ہے تو ان مولوی حضرات کو علمائے حق بنانا ضروری ہے۔ان کے مدرسوں کا نصاب کچھ اس انداز میں تبدیل کیا جائے کہ انہیں مکمل اسلام کا ادراک ہو۔فقیہانہ بصیرت حاصل ہو۔دنیاوی معاملات بھی تعلیم نصاب کا حصہ ہوں۔ان علمائے کرام کو ٹیکنیکل کام سکھائے جائیں تاکہ وہ خدمت دین کے ساتھ ساتھ اپنا روزگار بھی کمائیں،صرف مسجد کے وظیفے پر ان کی گذراوقات ان کو ذہنی غلام بنا دیتی ہے کیونکہ ناقص علم والا مولوی ہمیشہ رسہ گیروں کو ووٹ دیتا ہے،کبھی کسی نیک آدمی کو ووٹ نہیں دیتا۔

جعلی پیر

پیری کا ادارہ بڑے نیک ارادے سے قائم کیا گیا تھا۔فضیل بن عیاضؒ،عبداللہ بن مبارکؒ،جنید بغدادیؒ اپنے اپنے زمانے کے بہترین عالم،فقیہہ اور صالح مسلمان تھے۔انہوں نے علم اور دین کی بہترین خدمات سرانجام دی ہیں۔ابتداء میں تصوف،تزکیہ نفس،احسان شریعت کے مسائل سمجھے جاتے تھے۔پرانے صوفی تیس تیس سال دین کا علم حاصل کرتے تھے۔پھر طریقت اور سلوک کی منزلیں طے کرتے تھے۔یہی بزرگ ہیں جنہوں نے ہندوستان کے لاکھوں ہندوؤں کو مسلمان بنایا لیکن امتداد زمانہ سے اب پیر کا مقام ایک گدی نشین کا مقام بن کر رہ گیا ہے۔

آج کا صوفی شریعت کو کلیتاً چھوڑ چکا ہے،دین سے جاہل ہے،ہندو جوگی،عیسائی راہب

اور بدھ بھکشو کے طریقے پر چل کر زندگی گزار رہا ہے۔ وہ تمام جہالتیں جنہیں نبی ﷺ نے ختم کیا تھا، وہ تمام کی تمام اب پیروں کے آستانوں میں رواج پا چکی ہیں۔ شریعت کے علم سے جاہل پیر کے پاس چند خاندانی وظائف، دم، تعویز اور گنڈے شامل ہیں۔ اس طرح اس کا کاروبار دنیا چل رہا ہے۔ وہ لوگ جو ہادی برحق کا کردار ادا کرنے کے لیے مامور ہوئے تھے، آج حق سے روکنے کا ذریعہ بن چکے ہیں۔

تصوف کا مضمون بدعات کی بھرمار سے ایک چیستان بنا دیا گیا ہے۔ جو پیر سب سے زیادہ مشہور ہے وہ سب سے بڑا عامل اور جادوگر ہے۔ میں نے کئی قادری بزرگوں سے سوال کیا کہ ملک میں قادریوں کی اکثریت ہے۔ ان لاکھوں قادریوں میں سے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کتنے ہیں؟ لاہور شہر پیروں اور مزاروں کا شہر ہے۔ ان ہزاروں پیروں میں سے علی ہجویریؒ کتنے ہیں؟ آخر یہ دونوں بزرگ بھی کسی پیر ہی کے مرید تھے۔ اب اس پائے کے صالحین کیوں پیدا نہیں ہوتے؟

اس خرابی کی مرکزی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم میں شریعت کی تعلیم شامل نہیں بلکہ دور حاضر کے صوفیا تو شریعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ لڑکا داتا صاحب نے عطا کیا ہے، پیراں دتہ نام کا شخص پیر کے تعویز سے پید ہوا تھا۔ ایک پیر صاحب نے اپنے مرید کو نماز پڑھنے سے روک دیا۔ ایک پیر صاحب رات کو جاگتے رہے لیکن انہوں نے عشاء، تہجد اور فجر کی نماز تک نہ پڑھی۔ جن پیروں کے نماز اور مذہب کے متعلق یہ خیالات ہوں، ان سے اسلام کی اقامت کے لیے کیا کام لیا جا سکتا ہے؟ جو پیر حکماً مرید کو نماز سے روک دے۔ کیا وہ طاغوت نہیں؟ الحمدللہ میں نے اللہ والے بھی دیکھے ہیں۔ ایسے پیر بھی دیکھے ہیں جو تحفہ و ہدیہ کی ساری کمائی اپنے مریدوں کو کھلا دیا کرتے تھے اور خود خالی ہاتھ وقت گزارا کرتے تھے۔ آج کا پیر تو اس طرح زبردستی نذرانہ وصول کرتا ہے جیسے کوئی جگا ٹیکس وصول کرتا ہے۔ ان پیروں اور خانقاہوں کی اصلاح اور مزاروں پر ہونے والی خرافات کی اصلاح بھی ضروری ہے ورنہ گمراہی کا یہ طریقہ مزید ترقی کرے گا۔

شیطانی حربے

شیطان

شیطان کا اصل نام عزازیل ہے اسے ابلیس بھی کہتے ہیں، جنوں میں سے ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا۝ (الکہف ۱۸:۵۰)

یاد کرو، جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ وہ جنوں میں سے تھا اس لیے اپنے رب کے حکم کی اطاعت سے نکل گیا۔ اب کیا تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو اپنا سرپرست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ بڑا ہی برا بدل ہے جسے ظالم لوگ اختیار کر رہے ہیں۔

اس کا مادہ تخلیق آگ ہے۔ وہ سریع الحرکت ہے۔ انسانی شکل میں بھی ظاہر ہوسکتا ہے۔ سانس کے راستے انسان کے خون میں داخل ہو کر انسانی خیالات کو متاثر کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی قوتیں اور صلاحیتیں دی ہیں۔ اس کی عمر بہت لمبی ہے۔ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے اسے کہا کہ فرشتوں کے ساتھ تو بھی آدم علیہ السلام کو سجدہ کر تو اس نے استکبار کیا اور سجدے سے انکار کر دیا:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ

پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سب جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا وہ اپنی بڑائی

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ۞ (البقرہ۲:۳۴) کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا:

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ۞ (الاعراف ۷:۱۲) میں اس سے بہتر ہوں۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَاِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ۞ (الاعراف ۷:۱۳) پوچھا ''تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں تجھ کو حکم دیا تھا؟'' اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔

اس نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے ناراضی کا اظہار کیا اور اسے راندۂ درگاہ قرار دے کر دربار عالی سے نکال دیا:

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ۞ اچھا تو یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے۔
(صٓ ۳۸:۷۷)

دربار سے نکلتے وقت اس نے مہلت مانگی:

قَالَ رَبِّ اَنْظِرْنِيْ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۞ (الاعراف ۷:۱۴) بولا مجھے اس وقت تک مہلت دے جب کہ یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے مہلت دے دی:

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ۞ فرمایا، ''تجھے مہلت ہے۔''
(الاعراف ۷:۱۵)

آدم علیہ السلام تو فوت ہو چکے لیکن ابلیس ابھی تک زندہ اور جوان ہے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کو گمراہ کرنے کا اسے تجربہ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے مرکز توحید مسجد حرام میں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے ہاتھوں ۳۶۰ بت رکھوانے کا بھی اسے تجربہ ہے۔ اس کا علم بہت وسیع ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب پیغمبروں کے صحیفوں سے آگاہ ہے۔ اسے کئی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ اس کی معلومات بہت زیادہ اور ناقابل یقین حد تک وسیع ہیں۔ شیطان جنوں میں سے ہے اس لیے اس کی اولاد، رشتہ دار اور اس کے تابع فرمان جنوں کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے۔

اس کی با قاعدہ ایک جماعت ہے۔جس کے عہدے دار ہیں اوران کی مجلس شوریٰ بھی ہے۔اس کی ایک بڑی فوج ظفر موج ہے جواس کے اشارے پر انسانوں کو گمراہ کرنے کی خدمت سرانجام دے رہی ہے۔ابلیس بذاتِ خود ہر انسان کے پاس نہیں جاتا۔اس کے چیلے چانٹے مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر کام کرتے ہیں۔جس طرح انسانی جماعتیں اور قبیلے کام کرتے ہیں اسی طرح شیطانی گروہ کے جن ایک نظم وضبط سے گمراہی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔

جنوں میں مسلمان جن بھی ہوتے ہیں لیکن ابلیس کے مقابلے میں ان کی کوئی طاقت اور قوت نہیں۔وہ قلیل تعداد میں ہیں اور بہت کم متقی وصالح ہیں۔جس طرح پاکستانی مسلمان نیکی اور بدی کے امتزاج سے کام لیتے ہیں،اسی طرح صدیوں کے انحطاط کی وجہ سے جنوں میں بھی متقی اور صالح جنوں کی شدید کمی ہے۔عملاً اس وقت جنوں پر ابلیس کی سیادت چل رہی ہے اور جنوں کی اکثریت اس کی تابع فرمان ہے۔اس طرح انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ابلیس کو لاکھوں کے حساب سے کارندے دستیاب ہیں۔ پہلے دن جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ آدم کو زمین میں بسانا ہے تو اس کے ساتھ ابلیس کو بھی حکم دیا کہ تم بھی اب زمین پر ہی رہو گے۔

شیطان نے دربارِ عالی سے راندہ ہونے کی وجہ آدم کو سمجھا اس لیے اعلان کر دیا کہ میں ہر طرح سے آدم اور اس کی اولاد کو گمراہ کروں گا:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۝ (الاعراف ۷:۱۶۔۱۷)	بولا،"اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا،آگے اور پیچھے ،دائیں اور بائیں ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔"
وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ	"میں انہیں بہکاؤں گا میں انہیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا، میں انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے جانوروں

فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ وَمَن یَتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیّاً مِّن دُونِ اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَاناً مُّبِیْناً ۝ کے کان پھاڑیں گے اور میں انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے خدائی ساخت میں رودبدل کریں گے۔'' (النساء۴:۱۱۹) اس شیطان کو جس نے اللہ کی بجائے اپنا ولی وسرپرست بنالیا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اس نے کہا ''تیری عزت کی قسم، میں ان سب لوگوں کو بہکا کر رہوں گا۔'' (ص۳۸:۸۲)

سب سے پہلا قدم تو آدم علیہ السلام کو ورغلایا کہ اس درخت کو چھوئیں جسے چھونے سے منع کیا گیا تھا۔ خیر خواہ بن کر ترغیب وتحریص، چکنی چپڑی باتیں کر کے کو ایسا جھانسہ دیا کہ وہ بھول گئے کہ میں نے درخت کو نہیں چھونا۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم آپس میں دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَی حِیْنٍ ۝ آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔ ہم نے حکم دیا کہ ''اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے۔'' (البقرہ۲:۳۶)

اسی طرح وہ آج بھی اپنے مختلف ہتھکنڈوں سے انسانوں کو گمراہ کر رہا ہے اور دنیا کی دو تہائی آبادی کو گمراہ کر چکا ہے۔ اب وہ مسلسل مسلمانوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ یہ بھی گمراہ ہو جائیں۔

اب ہم ان ہتھ کنڈوں کا جائزہ لیں گے جو ابلیس انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

وسوسہ

وسوسہ کے معانی بار بار ایک خیال کو دل و دماغ میں ڈالنا ہیں۔ یہ عمل اتنے خفیہ طریقے سے ہو کہ محسوس ہی نہ ہو کہ کوئی بیرونی شخصیت خیال ڈال رہی۔ بظاہر محسوس ایسے ہی ہوتا ہے کہ یہ انسانی کا اپنا ذاتی خیال ہے حالانکہ یہ خیال انسان کا ذاتی نہیں ہوتا، یہ شیطانی خیال ہوتا ہے جو شیطان اپنے تخلیقی قواء سے انسان کے اندر ڈالتا ہے۔ یہ وسواس (وسوسہ ڈالنے والے) ابلیس اور اس کی ذریت ہوتی ہے۔ گمراہی کی ابتدا خیال سے ہوتی ہے جو خواہش کو انگیخت کرتا ہے اور پھر بار بار کی دعوت گناہ سے خواہشات کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ حرص، ترغیب اور خواہشات کا دباؤ برائی کے لیے عزم پیدا کر دیتا ہے اور انسان گناہ میں ملوث ہو جاتا ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰـهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝

کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے حقیقی معبود کی اس وسوسہ ڈالنے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ (الناس ۱۱۴: ۵۴)

اکساہٹ

اکساہٹ کا طریق کار یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ کر کے نبی ﷺ کی نافرمانی کی ترغیب دلاتے ہیں۔ جذبات کو ابھار کر مسلمانوں کو باہم لڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کفر، شرک اور بدعت کے دفاع کے لیے ان کے ماننے والوں کے جذبات گرم کرتے ہیں۔ دوسری طرف اللہ کا نام لینے والوں کے جذبات کو ابھار کر بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ دو فریق باہم دگر ایسے لڑیں کہ دین کے فروغ کا راستہ بند کیا جا سکے۔ شروع شروع میں صرف جذبات کو انگیخت کرتے ہیں لیکن باہم وسوسہ اندازی سے بغاوت اور عداوت تک لے جاتے ہیں۔

اہل ایمان کو باغی بنا کر اللہ کے مقابلے پر لانا شیطان کا بنیادی ہدف ہے۔ چھوٹے چھوٹے گناہوں کے بعد بڑے گناہ سرزد ہونا شروع جاتے ہیں۔ پہلے ایمان کو کمزور کیا جاتا ہے پھر دلائل کا انبار لگا کر اسلام کا اخراج ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اہل خرد وسوسہ اندازی اور اس تغیر کو سمجھ کر شیطانی ہتھکنڈوں سے بچنے کی فکر کرے تو پھر اہل حق کی گالیوں، الزامات، بدنامی اور بے عزتی سے تواضع کی جاتی ہے اور دوسری طرف مرد مومن کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے تاکہ فوراً باطل سے ٹکرا جائے۔ اصل نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ قبل از وقت ٹکراؤ سے دعوت کو پھیلنے سے روکا جائے۔ داعی حق کی سعی کو راستے کے کانٹوں سے الجھا دینا نزغ شیطان ہے۔ قبل از وقت لڑائی سے شیطان کا کام آسان ہو جاتا ہے اور دعوت پھیلنے سے رک جاتی ہے:

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو۔ (حم السجدہ ۳۶:۴۱)

جلد بازی، بے وقت کشمکش، حکمت سے خالی تبلیغ، تعصّبات، بداخلاقی، بلا دلیل ہلڑ بازی، غصہ، ضد اور جہالت پر اتر آنا، ایسے حربے ہیں جو نزغ شیطان کی ذیل میں آتے ہیں۔ شیطان کا کام صرف وسوسہ اور نزغ ہے۔ وہ صرف انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کر سکتا ہے، عملاً اور جبراً انسان کو کسی کام کے لیے مجبور نہیں کر سکتا:

إِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ ۝ بے شک جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیرا بس نہ چلے گا۔ تیرا بس تو صرف ان بہکے ہوئے لوگوں ہی پر چلے گا جو تیری پیروی کریں۔ (الحجر ۴۲:۱۵)

اگر مسلمان عقل مندی سے کام لے اور حکمت تبلیغ کو سامنے رکھے تو شیطان کی اکساہٹ کو بروقت پہچان سکتا ہے۔

حق کی راہ کھوٹی کرنا

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ پھر وہ بولا "دیکھ تو سہی، کیا یہ اس قابل تھا کہ تو نے اسے

عَلَـیَّ لَـئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلًا۝ مجھ پر فضیلت دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں اس کی پوری نسل کی بیخ کنی کر ڈالوں، بس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے۔'' (بنی اسرائیل ۱۷:۶۲)

احتکن کا مطلب ہے بنی آدم کے قدم اسلام کی راہ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔ یہ ایک چیلنج ہے جو شیطان نے اللہ تعالیٰ کے روبرو آدم علیہ السلام کو دیا تھا اور وہ آج بھی اسی کوشش میں مصروف ہے کہ مسلمان کے قدم کسی بھی مقام پر جمنے نہ پائیں، اس کی منزل کھوٹی ہو، اس کی دنیاوی کاموں میں زیادہ دلچسپی ہو اور اقامت دین کی طرف بالکل توجہ نہ دے۔

بہکانا

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ۝ بولا، ''اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا۔'' (الاعراف ۷:۱۶)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۝ وہ بولا ''میرے رب، جیسا تو نے مجھے بہکایا اسی طرح اب میں زمین میں ان کے لیے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا۔'' (الحجر ۱۵:۳۹)

شیطان نے پہلے دن اعلان کر دیا تھا کہ وہ صراط مستقیم پر بیٹھے گا اور بنی آدم کو بہکا کر گمراہ کرے گا۔ وہ دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے انسان کو گھیرے گا اور ہر ممکن حربے استعمال کرے گا جن سے انسان گمراہ ہو سکے۔

دھوکا دہی

فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ ایک گروہ کو تو اس نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، مگر دوسرے گروہ پر گمراہی چسپاں ہو کر رہ گئی ہے کیونکہ

مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ۝ انہوں نے خدا کے بجائے شیاطین کو اپنا سر پرست بنالیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔ (الاعراف ۷:۳۰)

سانپ کی شکل میں شیطان حوا اور آدم علیہ السلام کے پاس جنت میں گیا۔ بڑا ہمدرد اور خیر خواہ بن کر مشورے دینے لگا کہ اگر اس درخت کو ہاتھ لگائیں گے تو ان کو ایک ایسی بادشاہی مل جائے گی جو کبھی ختم نہ ہو:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى۝ لیکن شیطان نے اس کو پھسلایا۔ کہنے لگا'' آدم، بتاؤں تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے'' (طٰہٰ ۲۰:۱۲۰)

اور کہا کہ میں یہ سارے مشورے اس لیے دے رہا ہوں کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں:

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ۝ اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ (الاعراف ۷:۲۱)

آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی سانپ کی شکل میں آنے والے شیطان کی چکنی چپڑی باتوں میں بھول گئے کہ اس درخت کو تو ہاتھ لگانے سے منع کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۝ ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا۔ (طٰہٰ ۲۰:۱۱۵)

یادداشت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اور خیر خواہی کے اظہار سے وہ دونوں میاں بیوی کو پھسلانے میں کامیاب ہو گیا اور دونوں نے بیک وقت اس ممنوعہ درخت کو چھو لیا جس کے نتیجے میں پوشاک ان سے خود بخود اتر گئی۔ آج بھی انسان کو شیطان اور اس کے پیروکار خیر خواہ بن کر دھوکہ دیتے ہیں اور چکنی چپڑی باتوں سے ورغلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ بار بار شیطان اور اس کے شاگردوں سے دھوکا کھا جاتا ہے اور انہیں اپنا دشمن سمجھنے کی بجائے اپنا خیر خواہ سمجھتا ہے۔ بہت کچھ گنوا کر بھی ان جھوٹے خیر خواہوں سے الگ ہونے کی فکر نہیں کرتا۔

بدی کا خوشنما بنانا

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (النحل ۱۶:۶۳)

خدا کی قسم، اے محمد ﷺ، تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں میں ہم رسول بھیج چکے ہیں (اور پہلے بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ) شیطان نے ان کے برے کرتوت انہیں خوشنما بنا کر دکھائے (اور رسولوں کی بات انہوں نے مان کر نہ دی) وہی شیطان آج ان لوگوں کا بھی سرپرست بنا ہوا ہے اور یہ دردناک سزا کے مستحق بن رہے ہیں۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الحجر ۱۵:۳۹)

وہ بولا ''میرے رب' جیسا تو نے مجھے بہکایا اسی طرح اب میں زمین میں ان کے لیے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا۔''

ابلیس برائی کو انسان کے سامنے بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے۔ برائی کو خوشنما بنانے کے لیے اس کے پاس بڑے دلائل ہیں۔ ایسی دلیل گھڑتا ہے کہ برائی نیکی بن جاتی ہے، نقصان کو نفع بنا کر پیش کرنے میں اسے کمال مہارت حاصل ہے۔ گناہ میں لذت پیدا کرنا شیطان کے لیے بہت آسان ہے۔ جنسی لذت، دولت کا لالچ، عہدے کے حسین خواب، عزت کی خوبصورت بلندیاں، حرص و ہوائے نفس کو بڑی نفاست سے مسلمان کے دل میں اتار دیتا ہے۔ اس طرح انسان گناہ کو نفع بخش اور ثواب سمجھ لیتا ہے۔

جھوٹے وعدے

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ

ذرا خیال کرو اس وقت کا جب کہ شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا آج کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور یہ

عَلٰى عَقِبَيۡهِ وَقَالَ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّنۡكُمۡ اِنِّىۡۤ اَرٰى مَا لَا تَرَوۡنَ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ۝ (الانفال ۸:۴۸)

کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے ، مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

شیطان ، اس کی اولاد اور اس کے پیروکار خود جھوٹے ہیں ، اس لیے انسان سے بھی جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ ہمیشہ غلط مشورے دیتے ہیں۔آج کی گمراہی کی بنیاد بھی جھوٹ پر ہے اور جھوٹ کی وجہ سے زمین فساد سے بھر گئی ہے۔

بے حیائی

يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ لَا يَفۡتِنَنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ كَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَيۡكُمۡ مِّنَ الۡجَـنَّةِ يَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا (الاعراف ۷:۲۷)

اے بنی آدم،ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیے تھے تا کہ ان کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے۔

فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّيۡطٰنُ لِيُبۡدِىَ لَهُمَا مَا وٗرِىَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا (الاعراف ۷:۲۰)

پھر شیطان نے ان کو بہکایا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے۔

قرآن نے جہاں آدم علیہ السلام اور شیطان کی کہانی بیان کی ہے وہاں یہ واضح کیا ہے کہ شیطان کا اصل حربہ یہ ہے کہ انسانی کی حیا پر حملہ کیا جائے،اس کا لباس اتروا کر اسے بے حیا بنا دیا جائے چنانچہ اپنی پہلی کوشش میں اس نے دونوں میاں بیوی کے کپڑے اتروا دیے۔

آج بھی شیطان کے شاگرد اہل یورپ انسان کو بے حیا بنانے کے درپے ہیں۔فلم،

ڈرامے، اشتہارات اور دیگر ذرائع ابلاغ سبھی دن رات کوشش کر رہے ہے کہ دنیا میں بے حیائی پھیلے۔ آج نکاح کرنا مشکل اور زنا کرنا آسان ہے۔ دن رات کی جنسی تبلیغ نے مسلمانوں کے دماغ کو ماؤف کر دیا ہے۔ نیک لوگ بھی جنسی محرکات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ جو دماغ ۲۴ گھنٹے جنس کے موضوع پر سوچے گا، اس دماغ میں اعلیٰ سیاسی، دینی اور اخلاقی خیالات کیسے آسکتے ہیں؟ انسان کو جنس کے حوالے کر کے شیطان بڑی کامیابی سے صراط مستقیم سے ہٹا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی پھیلانے سے منع کیا ہے۔

پھسلانا

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوراً۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۶۴)

تو جس جس کو اپنی دعوت سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے، ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا، مال اور اولاد کے ساتھ ساجھا لگا، اوران کو وعدوں کے جال میں پھانس اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا اور کچھ نہیں۔

مسلمان صراط مستقیم پر چل رہا ہوتا ہے، شیطان ایسی چال چلتا ہے کہ وہ پھسل کر راہ حق سے نیچے کھائی میں گر جاتا ہے۔ پہاڑی راستے کی مثال سے یہ پھسلنا با آسانی سمجھ آجاتا ہے۔ جب لوگ چھوٹی سی کھائی میں گرتے ہیں تو پھر ہڈی پسلی چور چور ہو جاتی ہے۔ یہی حال اسلام کی صراط مستقیم سے پھسلنے سے ہوتا ہے۔

ترقی کا لالچ

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يَآ اٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى۝ (طٰہٰ ۲۰:۱۲۰)

لیکن شیطان نے اس کو پھسلایا کہنے لگا ”آدم علیہ السلام بتاؤں تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے۔

ترقی کا لالچ شیطان کے بہکاوے میں ایک بڑا موثر ہتھیار ہے۔ آدم علیہ السلام ترقی کے لالچ میں یہ بھول گئے کہ میں نے درخت نہ چھونے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ہر شخص ترقی کر کے اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی تمنا رکھتا ہے۔ اس ان دیکھی ترقی کو خوشنما بنا کر قابل قبول بنا دیا جاتا ہے۔ ترقی کی یہ امید پہلے سے حاصل کردہ فوائد کو بھی ضائع کر دیتی ہے۔ قرآن سے ہٹ کر دین میں ترقی اور سنت سے انحراف کر کے روحانیت اور تزکیہ نفس میں ترقی، ایسے جھانسے ہیں جن کی بنیاد پر آج تصوف میں بدعات شامل کی گئی ہیں۔ ایک شخص ذکر میں مصروف ہے، اسے شیطان آ کر ترغیب دیتا ہے کہ پانی میں کھڑے ہو کر ذکر کرو، بڑی جلد منزل مل جائے گی۔ ایک سادہ لوح شخص کو سمجھاتا ہے کہ روحانی منزل کے حصول کے لیے نفس کو مارنا ضروری ہے اور نفس کو مارنے کے لیے گندا رہنا ضروری ہے۔ اس طرح روحانی ترقی کی بجائے انسان ایمان اور صحت کو برباد کر لیتا ہے۔ آج کے صوفی کو شیطان نے ان دیکھی روحانی ترقی کا لالچ دے کر شریعت سے ہٹا دیا ہے۔ اس طرح دنیاوی ترقی کا لالچ دے کر کرپشن اور رشوت کی لت لگا دی ہے۔

طول امل

تمنا و آرزو زندگی کا فطری حصہ ہے۔ انسان زندگی کو بہتر بنانے کی آرزو رکھتا ہے:

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝ (الحدید ۵۷:۱۴)

وہ مومنوں کو پکار پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مومن جواب دیں گے ہاں، مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا، موقع پرستی کی شک میں پڑے رہے اور جھوٹی توقعات تمہیں فریب دیتی رہیں یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا اور آخر وقت تک وہ بڑا دھوکے باز تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکا دیتا رہا۔

تمنا کی وجہ سے کام کرنے اور آگے بڑھنے کا ایک فطری جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نیک تمنا ایک مفید عامل ہے۔ ہر شخص میں اپنے ماحول سے مفادات حاصل کرنے کی خواہش، امید، تمنا، آرزو

موجود ہوتی ہے۔اسی وجہ سے سرگرمی سے کام کرتا ہے۔حالات و واقعات انسان کی تمنا کے مطابق نہیں چلتے:

لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ ۞ (النساء۴:۱۲۳) انجام کار تمہاری آرزوؤں پر موقوف نہیں ہے۔

شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ صحیح اور غلط تمنا میں تمیز ختم کر کے انسان کو جھوٹی تمناؤں کی طرف لے جائے جو کہ زندگی کی تلخ حقیقتوں کے خلاف ہوتی ہیں۔اس طرح انسان کو ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔تمنا ٹوٹ کر حسرت بن جاتی ہے اور بہت سی حسرتیں انسانی دماغ کو آ گھیرتی ہیں۔یوں انسان نفسیانی مریض بن کر شیطان کا نرم چارہ بن جاتا ہے۔ان ٹوٹی حسرتوں پر ہوائی قلعے بننا شروع ہوجاتے ہیں مثلاً کسی شخص کی بڑی کوشش کے باوجود شادی نہیں ہوتی۔رات کی تنہائی میں شیطان آجاتا ہے اور اداسی کی ایک فلم بنا کر دماغ میں چلا دیتا ہے۔خوبصورت بیوی، بڑا خاندان، جائیداد کی بہتات اور اس خوبصورت خواب وخیال میں نیند آجاتی ہے۔صبح تنہا اٹھ کر زندگی کی تلخیوں میں دوبارہ مصروف ہوجاتا ہے۔اس طرح سیاست میں ناکام شخص رات کو ملک کا دوسرا قائداعظم بنا طرح طرح کے حکم دے رہا ہوتا ہے۔انسان کی ہر ناکام تمنا ہوائی قلعے کا موضوع بن جاتی ہے۔شیخ چلی کی اس عادت کو طول امل کہتے ہیں۔یہ بھی گمراہی ہے کہ جو وقت تدبر و تفکر کرنے ، ہدایت پانے اور زندگی کے مشکل مسائل کو حل کرنے کا ہوتا ہے، وہی وقت ہوائی قلعے تعمیر کرنے اور ہر روز ایک نئ کہانی تشکیل دینے میں لگ جاتا ہے۔لمبی چوڑی ناکام تمنائیں انسان کو گمراہ کر دیتی ہیں، مایوسی پھیلاتی ہیں، لا حاصل آرزوؤں سے پرہیز کرنے سے انسان شیطانی حربوں سے بچ سکتا ہے۔ہدایت کے سچے طالبوں کو حقیقت پسند ہونا چاہیے اور ایسے خیال کو جھٹک دینا چاہیے جو وقت ضائع کرنے والا اور فضول ہو کیونکہ شیطان انسان کو جھوٹی تمنائیں دلاتا ہے۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُورًا ۞ (النساء۴:۱۲۰) وہ ان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے مگر شیطان کے سارے وعدے فریب کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔

علمی گمراہی

شیطان علم کے اعتبار سے بہت کچھ جانتا ہے۔وہ اہل علم کے پاس علمی دلائل لے کرآتا ہے۔اس نے ایسی دلیل گھڑی کہ قرآن کے الفاظ میں اس کے علم کو گمراہ کر دیا۔آج بھی بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔شیطان ان کوایسی پٹی پڑھاتا ہے کہ وہ گمراہی کے دلائل اعلانیہ اخبارات ورسائل میں شائع کرتے ہیں۔اردو میں نماز،قربانی کی جگہ بکرے کی قیمت غربا میں تقسیم کرنا جیسے علمی مسائل پر جو بحث ہورہی ہے یہ شیطان کی پھیلائی ہوئی علمی گمراہی ہی ہے۔ایسی بہت سی گمراہی کی باتیں کرنے والے آج کے معروف پڑھے لکھے لوگ ہیں بلکہ امت کوفرقوں میں تقسیم اس علمی گمراہی ہی نے کیا ہے۔کالج اورسکولوں سے جو بے دین بن کرنکل رہے ہیں یہ سب شیطان کے علم کے زیراثر ہوتے ہیں۔

بغض

اِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُم مُّنْتَهُونَ۞ (المائدہ۵:۹۱) شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اورجوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اوربغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اورنماز سے روک دے پھرکیاتم ان چیزوں سے باز ہوگئے؟

شیطان اپنی چالوں کے ذریعے لوگوں میں بدکرداری پیدا کرتا ہے جس سے ان میں باہمی بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے۔یوں معاشرہ جسے ہدایت یافتہ ہونا چاہیے بغض کی وجہ سے بدامنی کا شکار ہوجاتا ہے۔بغض شیطان کی چال ہے جس میں ناسمجھ انسان باآسانی پھنس جاتے ہیں اوراللہ سے رجوع کرنے کی بجائے شیطان پربھروسہ کرتے ہیں۔

فضول خرچی اورکنجوسی

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْآ اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ فضول خرچی نہ کروفضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی

وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۝ ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

(بنی اسرائیل ۱۷:۲۷)

معاشیات کا واضح قانون ہے کہ اعتدال کے ساتھ خرچ کیا جائے۔حق کے ساتھ کمانا اور حق کے ساتھ خرچ کرنا معاشی ترقی کا باعث ہے۔اگر اسلامی معاشی قوانین کی پابندی کی جائے تو مسلمان معاشرہ خوشحال معاشرہ بن سکتا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۝ نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔

(بنی اسرائیل ۱۷:۲۹)

شیطان کی چال ہے کہ وہ انسان کے ہر معاشی اقدام میں گمراہی پھیلاتا ہے۔کماتے وقت حلال اور حرام کی تمیز مٹا کر انسان کو مال و دولت کا حریص بنانے کی کوشش کرتا ہے۔جلد مالدار بننے کے لیے نئے نئے طریقوں سے حرام کمائی کی طرف بلاتا ہے۔اس طرح خرچ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اعتدال کے راستے کی بجائے فضول خرچی اور کنجوسی کا راستہ تجویز کرتا ہے۔

فضول خرچی اور ریاء الناس کے لیے پیسہ بہانے کے بہت خوبصورت دلائل انسان کو سجھاتا ہے۔ناک کو بلند کرنا، جھوٹی شہرت، دکھاوا، لوگوں میں مقبولیت کی دلیل غرض ہر ہتھکنڈا استعمال کر کے انسان کا سرمایہ ضائع کروا دیتا ہے۔دوسری طرف کنجوسی کی بھی تبلیغ کرتا ہے:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ بے شک شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا اور بخل کا حکم دیتا ہے۔

(البقرہ ۲:۲۶۸)

انسان خود اپنی بیماری کا علاج کرنے کے لیے بھی پیسہ خرچ نہیں کرتا۔اگر اس سے مسجد یا زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے چندہ مانگیں تو دس روپے کا نوٹ نکال کر دے گا۔بچے کی شادی پر دس لاکھ روپے خرچ کر دیتا ہے لیکن اپنے باپ کے قرضے کی ادائیگی کے لیے پچاس ہزار اس کے پاس

نہیں ہوتے۔ اللہ کے راہ میں خرچ کرنے کے لیے اس کی جیب سے بڑی دل گرفتگی کے ساتھ پانچ روپے کا سکہ برآمد ہوتا ہے۔ گمراہی کے عوامل میں شیطان کی یہ چال بڑی مؤثر اور کامیاب ہے کہ وہ انسان کو معاشی امور میں اتنا الجھا دیتا ہے کہ حرام کی کمائی، فضول خرچی اور کنجوسی اسے صراط مستقیم پر آنے ہی نہیں دیتی۔

بھول جانا

شیطان نے بہکایا اور آدم علیہ السلام بھول گئے کہ درخت کو ہاتھ نہیں لگانا:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰٓى اٰدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۝ (طٰہٰ ۲۰:۱۱۵)

ہم نے اس سے پہلے آدم علیہ السلام کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو شیطان نے بھلا دیا۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ۝ (طٰہٰ ۲۰:۸۸)

پھر اسی طرح سامری نے بھی ڈالا اور ان کے لیے ایک بچھڑے کی مورت بنا کر نکال لایا جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ لوگ پکار اٹھے "یہی ہے تمہارا خدا اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا، موسیٰ علیہ السلام اسے بھول گیا"۔

حضرت یوشع بن نون بھول گئے کہ مچھلی تھیلے سے نکل کر دریا میں چلی گئی:

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِن سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ

پس وہ ان کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی سے غافل ہو گئے اور وہ نکل کر اس طرح دریا میں چلی گئی جیسے کہ کوئی سرنگ لگی ہو۔ آگے جا کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا "لاؤ ہمارا ناشتہ آج کے سفر میں تو ہم بری طرح تھک گئے ہیں"۔ خادم نے کہا "آپ نے دیکھا! یہ کیا ہوا؟ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے اس وقت مچھلی کا خیال نہ رہا اور شیطان نے مجھ کو ایسا

وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَه‘ فِیۡ الۡبَحۡرِ عَجَبا۝ غافل کر دیا کہ میں اس کا ذکر (آپ سے کرنا) بھول گیا مچھلی تو عجیب طریقے سے نکل کر دریا میں چلی گئی۔'' (الکہف ۱۸: ۶۱-۶۳)

یوسف علیہ السلام کا ساتھی بھول گیا کہ وہ بادشاہ مصر کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ذکر کرے:

وَقَالَ لِلَّذِیۡ ظَنَّ اَنَّـهُ نَاجٍ مِّنۡهُمَا اذۡكُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّكَ فَاَنۡسٰهُ الشَّيۡطٰنُ ذِكۡرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِيۡنَ۝ پھر ان میں سے جس کے متعلق خیال تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ''اپنے رب (شاہ مصر) سے میرا ذکر کرنا۔'' مگر شیطان نے اسے ایسا غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنے رب (شاہ مصر) سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا اور یوسف علیہ السلام کئی سال قید خانے میں پڑا رہا۔ (یوسف ۱۲: ۴۲)

انسان ذکر کرنا بھول جاتا ہے:

اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ ان پر شیطان غالب آ گیا پس ان کو اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ (المجادلہ ۵۸: ۱۹)

وَاِمَّا يُنۡسِيَنَّكَ الشَّيۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ۝ اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلاوے میں ڈال دے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہو جائے اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (الانعام ۶: ۶۸)

اللہ تعالیٰ اہل جہنم کی نیک بندوں سے بدسلوکی پر ڈانٹتے ہوئے کہے گا:

فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِيًّا حَتّٰۤی اَنۡسَوۡكُمۡ ذِكۡرِیۡ وَكُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ ۝ تو تم نے ان کا مذاق بنالیا یہاں تک کہ تمہیں یہ بھی بھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں اور تم ان پر ہنستے رہے۔ (المومنون ۲۳: ۱۱۰)

انسان میں فطری کمزوری ہے کہ وہ بھول جاتا ہے۔ شیطان انسان کی اس کمزوری سے آگاہ ہے اس لیے وہ ایسے کاموں میں مصروف اور متوجہ رکھتا ہے کہ انسان مقصد اور ضروری کام بھول جاتا ہے۔ دنیاوی کاموں میں مصروفیت اور گہری دلچسپی، دنیاوی لالچ اور غیر متعلقہ چیزوں میں غور و خوض اصل اور مطلوب و مقصود چیزوں کو نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ انسان بڑھاپے

اور بیماری کی وجہ سے بھی بھول جاتا ہے۔شہرت کے غلبے اور حرص و لالچ کی وجہ سے بھی انسان بہت سی ضروری باتیں بھول جاتا ہے۔

چونکہ بھول جانا فطری انسانی کمزوری ہے اس لیے شیطان اس کمزوری کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر لیتا ہے۔آج ہم کچھ ضروری کام تو اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے بھول جاتے ہیں لیکن اکثر اوقات شیطان ہماری اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ہمیں گمراہ کر دیتا ہے اور ہم بہت سے نیکی کے کام کرنا بھول جاتے ہیں۔یادداشت کی کمزوری سے صراط مستقیم سے ہٹانا شیطان کی چالوں میں سے اہم چال ہے۔ ہدایت پانا اور شیطان کے ان ہتھ کنڈوں سے بچنا بہت ضروری ہے۔دشمن کو پہچاننے سے زندگی کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔ جو دشمن چوبیس گھنٹے ہمیں گمراہ کرنے کی تدبیریں کرتا، چالیں چلتا، وسوسے ڈالتا اور ہر ممکن حربہ استعمال کرتا ہے اس سے بچنے کی فکر کرنا بہت ضروری ہے۔

شیطان سے بچاؤ کی تدابیر

اولیت اسی بات کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے شیطان ابلیس کے حملہ کا دفاع کیا جائے۔ اسلام نے اس کے لیے بہت آسان نسخے تجویز کیے ہیں۔

☆ قرآن کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا چاہیے۔ ہر درس اور تقریر میں بھی پڑھنا ضروری ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔ (النحل ۱۶:۹۸)

☆ جب شیطانی وسوسہ دل میں آئے فوراً تعوذ پڑھے:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝ اگر شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

(الاعراف ۷:۲۰۰)

☆ انسان اپنے ایمان اور عمل کا برابر اندازاً حساب کرے اور اپنی کوتاہیوں پر جلدی استغفار کر کے

توبہ کرے اگر دن میں سومرتبہ بھی توبہ اور استغفار کرنا پڑے تو تھوڑی ہے۔استغفار ایک مستقل ورد ہے۔استغفار اور توبہ شیطانی ہتھکنڈوں کونا کام کردیتا ہے:

اِنَّ الَّـذِيْـنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۝ (الاعراف ۷:۲۰۱) جولوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہوجاتے اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے۔

☆لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم ، لاحول و لا قوۃ الا باللّٰہ لا ملجاء من اللّٰہ الا الیہ کاورد بھی کرنا چاہیے۔

☆ قرآن کا باقاعدگی سے مطالعہ کرے۔

☆ اللہ کی راہ میں دل کھول کر کے مال خرچ کرے۔

☆ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے اور ان سے مشاورت کرتا رہے۔

☆ زبان اللہ کے ذکر سے ہر وقت تر رہے۔

☆ دماغ کو نیک کاموں میں مصروف رکھے۔

☆ شیطان سے بچنے کے لیے خیالات کا نیکی کی طرف راغب ہونا ضروری ہے۔

گمراہ کرنے والوں کے حربے

یہاں پر گمراہ کرنے والے انسانوں کے ہتھکنڈوں کا ذکر کریں گے۔

اللہ کی راہ سے روکنا

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًا ۝	جن لوگوں نے انکار کیا اور اللہ کے راستے سے روکا۔ اللہ نے ان کے اعمال کو رائیگاں کر دیا۔ (النساء۴:۱۶۷)
الَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ۝	ان لوگوں کے لیے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں یہ راستہ ٹیڑھا ہو جائے۔ یہ لوگ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ (ابراہیم۱۴:۳)
اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ۝	جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال کو رائیگاں کر دیا۔ (محمد۴۷:۱)

کچھ لوگ دعوت الی اللہ ٹھکرانے کے بعد اس کی سختی سے مخالفت نہیں کرتے بلکہ آرام سے گھر میں جا بیٹھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگی میں کبھی کبھار ایسے موڑ یا حادثات پیش آجاتے ہیں کہ وہ توبہ کر لیتے ہیں۔ قرآن کی کوئی آیت ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کچھ بدبخت انکار کے بعد دعوت کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے غلط اور باطل نظریات کو ہی حق سمجھ کر اس کی پشت پناہی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ دین کے غلبے اور نفاذ کی راہ کو قوت سے روکتے ہیں

خواہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ان کا تعلق ہو۔ان کی کوششیں واضح انداز میں رائج الوقت قانون کی حفاظت اور اقامت دین کی مخالفت اور مخاصمت کے لیے ہوتی ہیں۔ایسے لوگ بھی ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ جو مذہبی یا سیاسی شخصیت غلبہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنے اس سے دین کے فہم وادراک کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔**بلعم بن باعورا** ایک نیک صاحب علم اور صاحب کرامت مومن تھا۔اس نے جانتے بوجھتے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی۔اللہ تعالیٰ نے اس کی ساری پارسائی کا جنازہ نکال دیا:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۞ (الجاثیہ۴۵:۲۳)	پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا اور اس کے کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعد اب اور کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟

مذاق

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۞ (الجاثیہ۴۵:9)	ہماری آیات میں سے کوئی بات اس کے علم میں آتی ہے تو وہ ان کا مذاق بنا لیتا ہے۔ایسے سب لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

جو لوگ دین کو ایک غیر سنجیدہ کام سمجھ کر اس پر توجہ نہ دیں تو ایسے لوگوں کے لیے بھی ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور وہ بداعمالیوں میں ایسے گم ہو جاتے ہیں کہ عذاب جہنم کو دیکھے بغیر ان کے شعور کی آنکھ نہیں کھلے گی۔ جب بھی کسی کام کو دل لگی اور مذاق بنا لیا جائے تو پھر لوگ اس کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہیں کرتے مثلاً ایک تبلیغی جلسہ ہے۔اس میں لوگ اس لیے شریک ہوں کہ چلو رونق میلہ دیکھیں گے۔کچھ روشنیاں ہوں گی۔ جہاں لوگوں کے لیے شان وشوکت ہی میں دل

لگی کا سامان ہو جائے تو ایسے جلسے سے کسی کو ہدایت کیا ملے گی؟ جلسہ تو کامیاب گنا جائے گا لیکن اُس شخص کے لیے بے کار ہو گا۔

کسی مقرر کی بات کو ہنسی اور مذاق میں اڑا دینے سے وہ تقریر دل میں جگہ نہیں پاتی۔ بعض لوگ اپنی غیر سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے بھی بات کو مذاق میں ٹال جاتے ہیں۔ لوگ بظاہر ایمان قبول کر لیتے ہیں لیکن دل کی نفرت موجود رہتی ہے۔ یہ بھی مذاق کا ایک انداز ہے۔ کچھ ایسے ہیں کہ وہ اصلاح کی ان باتوں کو جو ہدایت کے لیے بیان کی جاتی ہیں دل کی کدورت کی وجہ سے بھی مذاق اور ہنسی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اس استہزاء میں تحقیر اور نفرت کا پہلو بھی شامل کر لیا جاتا ہے دین میں نفرت اور مذاق کو جب ملا دیا جائے تو پھر ہدایت کا دروازہ بڑی شدت سے بند ہو جاتا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝	اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے کہ اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے محض مذاق کر رہے ہیں۔

(البقرہ۲:۱۴۔۱۶)

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝	تو تم نے ان کا مذاق بنا لیا یہاں تک کہ تمہیں یہ بھی بھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں اور تم ان پر ہنستے رہے۔

(المومنون۲۳:۱۱۰)

اس خندہ استہزاء میں توہین کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے اور لوگ صرف دل لگی، مزاح یا مذاق تک محدود نہیں رہتے بلکہ غصے سے بھی دین کی راہ روکنا شروع کر دیتے ہیں ایسے لوگ بھی ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ مذاق، استہزاء، ہنسی کے دو پہلو ہیں ایک داعی الی الخیر کا تمسخر اڑانا اور اس کی ہر اچھی بات کو ہنسی مزاح کا موضوع بنا کر اپنانے سے احتراز کرنا۔ دوسرا پہلو خود طالب حق کی طلب اور کوشش کو مذاق کا موضوع بنا لینا۔ طالب حق کی سادگی، انکساری اور لگن کو غیر سنجیدگی سے لینا۔ کئی استاد بھی اپنے شاگردوں کی خوبیوں کو غلطی سمجھ کر حق کی راہ کھوٹی کر دیتے ہیں۔ صاحب اقتدار بھی ہدایت کے طالبوں کو گمراہ سمجھ کر طنز و مزاح کر کے بات کو ٹال دیتے ہیں۔

بدنامی

خدا کے باغیوں کو اسلام کا عروج اور لوگوں کا نیک بن جانا پسند نہیں اس لیے وہ اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ کے نیک انسانوں پر تہمت لگاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ایک نیک اور شریف شخص بدنام ہو جائے۔ سورہ نور میں واقعہ افک کا ذکر ہے کہ عبداللہ بن اُبی منافق نے نبی ﷺ اور حضرت عائشہ ؓ کو بدنام کرنے کے لیے زنا کا جھوٹا الزام لگا دیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِىْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النور ۲۴:۱۱)

جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھ بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے تو عذاب عظیم ہے۔

اسی طرح دور حاضر میں وڈیرہ اپنے مخالفین پر جھوٹے مقدمے درج کروا کر انہیں ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ امام مسجد اور سکول کے استاد پر اغلام بازی کا جھوٹا الزام لگا کر گاؤں سے ہی نکال دیتا ہے۔ ہر شخص کے پاس وقت نہیں ہوتا کہ تحقیق کر سکے کہ یہ لگنے والا الزام سچا ہے یا جھوٹا؟ زبانیں ایک جھوٹ کو پکڑ لیتی ہیں اور معاشرے میں یہ جھوٹا الزام پھیل جاتا ہے۔ شریف آدمی کے لیے ہر جگہ صفائی پیش کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ حکمران اپنے مخالفین پر جھوٹے مقدمے درج کروا دیتے ہیں۔ حکمران جھوٹ بولتے ہیں اور ذرائع ابلاغ بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ جرمن وزیر گوئبلز کا قول ہے کہ اس تواتر سے جھوٹ بولو کہ لوگ اسے سچ مان لیں۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی میں ایک جھوٹ نشر یا شائع ہو گیا جس کی بے گناہ شخص اخبارات میں وضاحتیں کرتا ہے۔

اسلام اور ہدایت کی راہ روکنے کے لیے منکرین خدا طرح طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ ہر طریقے سے اہل اللہ کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میڈیا اسلام کو دہشت کا مذہب بنا کر پیش کر رہا ہے۔ اسلامی جہاد دہشت گردی بن چکا ہے۔ مولانا مودودیؒ صالح مفکر

تھے۔ اقامت دین کا بہترین نظریہ اور طریق کار قوم کے سامنے پیش کیا۔ حکمرانوں کو پسند نہیں آیا۔ پہلے ان کو جیل میں ڈالا، پھانسی کی سزا سنائی اور ریڈیو اخبارات میں ایسا بدنام کیا کہ عوام کی نگاہ سے گرادیا۔ علماء نے بھی آپ کی بھرپور مخالفت کی۔ اس طرح ہر طرف سے قوم کے خیر خواہ کو ایسا بدنام کردیا کہ آج کا نوجوان مولاناؒ کی کتاب پڑھنے سے کنی کتراتا ہے۔ پوری قوم نے بحیثیت مجموعی مولاناؒ کے لٹریچر سے عدم التفات کیا ہے۔ آج کا وڈیرہ بھی اہل حق کی بدنامی میں پیش پیش ہے۔ اس طرح فروغ اسلام کی کوششیں بدنامی کی کھڈ میں گر چکی ہیں۔

پروپیگنڈا، باتیں بنانا

کفار مکہ، مدینہ کے یہودی اور منافق نبی ﷺ کے متعلق طرح طرح کی باتیں بناتے تھے۔ مکہ والے کبھی کہتے کہ یہ جادوگر ہے، مسحور ہے یعنی اس پر کسی شخص نے جادو کر دیا ہے، یہ پاگل ہے، بہکی بہکی باتیں کرتا ہے، اسے آسیب کا سایہ ہے، یہ شیطانوں اور جنوں کی گرفت میں ہے، یہ بے دین ہو گیا ہے، اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ چکا ہے، قرآن خود گھڑ گھڑ کر کے لاتا ہے۔ یہ پرانے زمانے کی کہانیاں ہیں۔ کبھی کہتے مکہ کے کچھ غلام ہیں جو اسے قصے کہانیاں جوڑ دیتے ہیں، وہ یاد کر لیتا ہے اور ہمیں آکر سنا دیتا ہے۔ آج کا فلسفی کہتا ہے کہ نبی ﷺ کو مرگی کے دورے پڑتے تھے اور ان دوروں میں جو باتیں کرتا، اسے لوگوں نے وحی سمجھ لیا۔ غرض جتنے منہ تھے اتنی باتیں یہ لوگ بناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کی باتوں پر نہ جاؤ:

وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ ۝ (مزمل ۷۳:۱۰) اور جو لوگ باتیں بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو۔

نبی ﷺ بہترین شخصیت، اعلیٰ کردار، خوش گفتار، محسن، متقی اور مزکی انسان تھے۔ ایسے اعلیٰ شخص کے خلاف لوگ باتیں بنا سکتے ہیں تو ہمارے خلاف کیا کچھ نہیں ہو سکتا؟ اسلام کے مخالف آج بھی ہر قسم کی باتیں بناتے ہیں۔ ان مخالفانہ باتوں کو انگریزی میں پروپیگنڈا کہتے ہیں۔ ہم تو سچ بولتے ہیں لیکن ہمارا مخالف جھوٹ بھی بول لیتا ہے۔ وہ ہم پر جھوٹے الزامات بھی لگا دیتا ہے۔ اس طرح آج داعی الی الخیر کے خلاف پروپیگنڈا کا ایک بہت بڑا طوفان اٹھا دیا جاتا ہے۔

یورپی مصنفین نے تو اسلام کے خلاف ہزاروں کتابیں شائع کر دی ہیں۔ ہماری ہر خوبی کو برائی سمجھ لیا گیا ہے۔ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اگر کہیں ہم سے کوئی کوتاہی یا غلطی ہو جائے تو اس پر ایسی درگت بناتے ہیں کہ ہمارے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ یورپی و مغربی قومیں باوسائل ہیں۔ دولت، سیادت، قوت، ذرائع ابلاغ سبھی کچھ ان کے پاس ہے اس لیے ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی جاتی ہے۔ ذرائع ابلاغ، ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ، کمپیوٹر، سی ڈی، وڈیو، کیسٹ وغیرہ نے جدید سائنس کی وجہ سے بہت ترقی کر لی ہے۔ مخالفین اسلام ان ذرائع کو مسلمانوں کو بدنام کرنے اور اسلام کی مخالفت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اگر ان ذرائع کو حق وانصاف کی اشاعت کے لیے استعمال کیا جاتا تو آج اسلام ساری دنیا کا دین ہوتا لیکن یہودی اور عیسائیوں نے ان ذرائع سے اسلام کو مٹانے کی کوشش کی۔

آج بھرپور انداز میں مسلمانوں کو بدنام کرنے کی مہم چلائی جارہی ہے۔ مسلمانوں کی ساری نیکیاں برائیاں بن چکی ہیں۔ توحید، رسالت اور آخرت کے سچے عقائد میں شک ڈالا جارہا ہے۔ مسلمان امت کو پارہ پارہ کرنے اور تفرقہ کو فروغ دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس طرح منفی قوتیں اسلام کو مٹانے اور اس کی ترقی میں ہر قسم کی رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے اعلانیہ اور خفیہ کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمان اپنے دین سے منحرف ہو کر بے حیا بن جائے۔ دنیا کے لالچ میں آخرت کو چھوڑ دے اور رواداری کے نام پر غیر مسلموں میں گھل مل کر اپنی شناخت گم کر دے۔ اس حکمت سے پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ پڑھا لکھا انسان اس غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو رہا ہے۔

دوسروں سے کیا شکوہ خود مسلمان ممالک کے ذرائع ابلاغ، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات دن رات مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میڈیا کی مسلسل کوششوں سے پاکستان میں پردہ ختم ہو گیا۔ مسلمان دنیا کے حریص بن گئے ہیں۔ کرپشن اور لوٹ مار، اجتماعی جنسی تشدد اور قتل و غارت گری، ڈاکے اور چوریوں کے واقعات عام ہو گئے ہیں۔ دراصل ہمارے

ذرائع ابلاغ پر یورپی تہذیب سے متاثر لا دین، دہریوں، اور منافقوں کا قبضہ ہے اس لیے وہ اسلام کو غلط رنگ میں پیش کر رہے ہیں۔

سادہ لوح عوام ان تشہیری ذرائع سے متاثر ہو کر گمراہی قبول کر رہے ہیں۔ آج مسلمانوں کی زبوں حالی اور دین سے لاتعلقی کی بنیادی وجہ یہ ذرائع ابلاغ ہیں اور ان کا غلط پروپیگنڈا ہے۔

ظن

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ۝ (الانعام ۱۱۶:۶)

اور اے محمد ﷺ! اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۝ (یونس ۳۶:۱۰)

حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ محض قیاس و گمان کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ گمان حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۝ (النجم ۲۸:۵۳)

حالانکہ اس معاملہ کا کوئی علم انہیں حاصل نہیں ہے وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور گمان حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتے۔

یونانی اور مغربی فلسفے کی بنیاد ظن اور گمان ہے۔ گمان صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی، اس لیے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ظن، قیاس، خیالات و تصورات کو کسی معیار حق پر جانچے۔ یہ معیار صرف اور صرف وحی اور رسالت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے یقینی ذرائع سے ہی حق نازل فرمایا کہ کوئی صاحب دانش اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

آج دنیا کو گمراہ کرنے میں مغربی فلسفے کا اہم کردار ہے۔ یورپ میں رائج الوقت فلسفہ

الحاد ہے۔الحادی سوچ کی ابتدا ہی انکار خدا سے ہوتی ہے۔ ہر فلسفی ابتداء میں اس موضوع پر بحث کرتا ہے کہ اس بے خدا کائنات کا نظام کیسے چل رہا ہے؟ حالانکہ یہ غلط بنیاد ہے۔خدا کو الہٰ تصور کر کے بات سوچنے کا انداز، بے خدا سوچ سے قطعی مختلف ہوتا ہے۔قرآن نے فلسفے کی جڑ ایک لفظ ظن کہہ کر کاٹ دی ہے اور لفظ برہان استعمال کر کے ہر سوچنے والے سے کہا کہ استدلال کسی ٹھوس ثبوت پر کریں۔ایسے تصوراتی اوہام سے حق کا انکار کوئی عقل کی بات نہیں۔

اولی الالباب وہ ہے جو دلائل کو صحیح معیار پر پرکھے۔ برہان، آیت، دلیل کے الفاظ فلسفیوں کو صحیح انداز میں سوچنے کی ترغیب دیتے ہیں۔یورپی نظام تعلیم کی خرابی ہی یہ ہے کہ اس کی ساری عمارت الحادی فلسفے پر قائم ہے۔جب تعلیم میں سے اللہ کی الوہیت کو نکال دیا جائے گا تو باقی مادہ پرستانہ نظام رہ جاتا ہے جس کا نہ کوئی عقیدہ ہوتا ہے اور نہ کوئی اخلاق ۔ مادہ ان نازک احساسات سے فارغ ہوتا ہے۔موجودہ زمانے کے ماڈرن انسان کی گمراہی کی اصل وجہ یہ نظام تعلیم ہے جو الحاد اور مادہ پرست فلسفے پر استوار کیا گیا ہے۔گمان پر انحصار کر کے حق کا انکار کرنے والے ہدایت سے محروم ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

ہر تحریک کی پشت پر ایک فلسفہ کام کرتا ہے۔موجودہ زمانے میں کمیونزم نے گذشتہ سو سال میں دنیا میں بہت بڑے بڑے تغیرات بپا کیے۔اس نظام کی پشت پر کارل مارکس کا فلسفہ کام کرتا ہے۔یورپ کی مادہ پرستی ،مسولینی کی فاشزم اور ہٹلر کی برپا کردہ جنگ عظیم کے پس پردہ بھی ایک فلسفہ کام کر رہا تھا۔یہ تمام فلسفے بڑی بڑی تبدیلیاں لانے کے باوجود انسانیت کو فلاح و کامرانیوں سے ہم کنار نہ کر سکے۔دنیا کو امن،سکون راحت اور محبت نہ دے سکے۔اس کی اصل وجہ ان فلسفوں کی بنیاد ظن پر ہونا ہے۔کسی بھی نظریے کے لیے برہان یعنی ٹھوس دلیل نہیں دی گئی۔ایک بات تصور کر لی اور سارے فلسفے کی بنیاد ان باطل تصورات پر رکھ کر ظن کی ایک فلاسفی تیار کر دی گئی۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں لوگ اپنے روزمرہ معمولات میں گمان کی پیروی بہت کرتے ہیں۔جس کام کو ان کے ذہن نے صحیح سمجھ لیا بس وہ کر گزرتے ہیں خواہ وہ خیال اچھا ہو یا برا۔

مکروفریب

وَمَكَرُوا مَكْراً كُبَّاراً ۝ (نوح ۷۱:۲۲) ان لوگوں نے بڑا بھاری مکر کا جال پھیلا رکھا ہے

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَاداً (السباء ۳۴:۳۳) وہ دبے ہوئے لوگ ان بڑے بننے والوں سے کہیں گے، نہیں شب و روز کی مکاری تھی جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہم سر ٹھہرائیں۔

اسْتِكْبَاراً فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّءِ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر ۳۵:۴۳) یہ زمین میں اور زیادہ استکبار کرنے لگے اور بری بری چالیں چلنے لگے حالانکہ بری چالیں اپنے چلنے والوں ہی کو لے بیٹھتی ہیں۔

مکر کا لفظی ترجمہ ہے چال، خفیہ تدبیر، داؤ پیچ۔ دشمن مختلف چالوں سے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تدبیر اگر اعلانیہ کر دی جائے تو اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ چال وہی کامیاب ہوتی ہے جس کا مخالف کو علم نہ ہو۔ ان خفیہ تدابیر کے کئی پہلو ہیں۔ ایک خفیہ تدبیر علم و دانش کی روشنی میں حق کے فروغ کے لیے بنائی جاتی ہے۔ اس میں کسی پہ زیادتی کا ارادہ نہیں ہوتا صرف انسانیت کی فلاح کے لیے ہوتی ہے۔ اس کو خفیہ اس لیے رکھا جاتا ہے کہ نادان لوگ اس کو غلط مفہوم دے کر ساری سکیم کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ کچھ چالیں نقصان دہ ہوتی ہیں اگر مخالف فریق کو ان چالوں کا پتہ چل جائے تو وہ قبل از وقت ہوشیار ہو جاتا ہے اور اپنے دفاع کو مضبوط کر لیتا ہے۔

دشمن کا نقصان اسی صورت میں ہوگا جب وہ مخالف کی چال سے بے خبر ہوگا۔ اس لیے وہ دشمن سے اپنی چال کو خفیہ رکھتے ہیں۔ ہدایت کے عنوان سے حق کی راہ روکنے والے خفیہ چالیں چلتے ہیں۔ ایسی چالیں کہ اگر کامیاب ہو جائیں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں:

لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ (ابراھیم ۱۴:۴۶) ان کی چالیں ایسی غضب کی تھیں کہ پہاڑ ان سے ہل جائیں

یہ مکروفریب کا جال ہے جس کے ذریعے وڈیرہ، سردار، جاگیردار اپنے محکوم غلاموں کو علم

کی روشنی سے بے بہرہ اور جاہل رکھتا ہے تاکہ ان کی وڈیرہ شاہی چلتی رہے۔ اگر غلام آزاد ہو جائیں اور علم و آگہی کی وجہ سے شعور حاصل کر کے ان وڈیروں کی دست رس سے دور ہو جائیں تو جاگیر کا نظام نہیں چلتا۔ صدیوں سے یہ کام ہو رہا ہے کہ وسائل والے محروم انسانوں کو بیگار اور غلامی میں رکھ کر ان کا استحصال کرتے ہیں اور ان کو آزادی، علم، ہدایت اور اسلام کی روشنی سے محروم رکھتے ہیں۔ جب تک مکروفریب کا یہ جال ختم نہیں کیا جاتا اسلام کا فروغ تقریباً ناممکن ہے اور یہ مکرو فریب مذہبی معاملات میں ہے۔ سیاسی، معاشی اور معاشرتی امور میں تو مکروفریب اتنا چل رہا ہے کہ اصل اور نقل پرزہ پہچاننا ناممکن ہو گیا ہے۔ جب پرزہ گاڑی میں لگ کر چلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ہے یا غلط۔

اسی طرح خاندانی نظام میں بھی مکروفریب کا دور دورہ ہے۔ لوگ خوبصورت عورتوں سے شادی کے لیے ایسی زبردست چالیں چلتے ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے۔ شادی ہو جائے تو کئی سال کے بعد عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ جب بچے ہو گئے اور ایک خاص خاندانی نظام بن گیا تو پھر صرف لڑائی ہی ہوتی ہے جدائی یا طلاق نہیں ہوتی اور دھوکے سے ہونی والی شادیاں ساری عمر کا عذاب بن جاتی ہیں۔ رہے سیاست دان تو ان کی ساری حکومت ہی جھوٹ فریب اور دھوکے پر چلتی ہے۔ ابھی تک پاکستان کو مخلص اور خیر خواہ حکمران نہیں مل سکے۔ جو بھی آتا ہے مکر کا ایک خوبصورت جال ساتھ لاتا ہے اور جب اقتدار سے رخصت ہوتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ اتنے سال وہ اقتدار میں کیسے رہ گیا؟

ہدایت کے لیے ہم نے خود اتنے فریب کھائے کہ تلاش حق میں آدھی عمر ضائع کر دی۔ اگر شروع میں ہی حق کی پہچان ہو جاتی تو جوانی تحقیق اور تجربہ کی بجائے تقویٰ اور تزکیہ میں گزرتی۔ دراصل مکروفریب کے جال چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ دانا و دنکا کے محتاج پرندے کے پاس اتنی عقل و شعور نہیں کہ دام ہم رنگ زمین کو پہچان سکے۔

خوف

بادشاہوں اور مصاحبوں کے ظلم واستحصال کی وجہ سے خوف اور دہشت کا ماحول بن جاتا ہے اور ہر کمزور اور کم وسائل کا شخص ان سے ڈر جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوسٰىٓ اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوۡمِهٖ عَلٰى خَوۡفٍ مِّن فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاۡئِهِمۡ اَن يَّفۡتِنَهُمۡ وَاِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِى الۡاَرۡضِ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۝	موسیٰ علیہ السلام پر نوجوان تو ایمان لے آئے لیکن بڑے بوڑھے فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف کے باعث کہ وہ انہیں مصیبت میں نہ ڈال دیں، ایمان نہ لائے اور واقعی فرعون ملک میں زور رکھتا تھا اور واقعی وہ ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔ (یونس۱۰:۸۳)

کئی سو سال کی غلط فہمی اور تشدد نے ان کو خوف زدہ کر رکھا تھا اور یہ خوف ان کے اعصاب پر اتنا سوار تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا رسول جاننے اور ماننے کے باوجود آپ کا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا فیصلہ کر لیا اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکال کر فلسطین لے جانے کا ارادہ فرمایا۔

تشدد اور فتنہ وفساد

انبیاء کرام علیہ السلام کے مخالفین ہر زمانے میں اسلام کو مٹانے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے اور حربے استعمال کرتے رہے ہیں۔ آج کے مخالفین اسلام بھی حق کو مٹانے کے لیے اسی طرح ہر قسم کے حربے استعمال کر رہے ہیں۔ حق اور باطل کی یہ کشمکش قیامت تک جاری رہے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ جہاد کرتا رہے گا۔

جہاد کو اگر کشمکش اور سعی کے معانی میں لیا جائے تو حدیث ایک بڑی رہنمائی دیتی ہے کہ کافر، مشرک، اہل کتاب اسلام کو مٹانے کی کوششیں کرتے رہیں گے اور اللہ کے سپاہی، اللہ کا کلمہ سربلند کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ آج یہ صورت حال واضح ہو چکی ہے۔ اسلام کے مخالفین

پہلے باتوں سے اسلام کے خلاف ایک مہم چلاتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں، ذرائع ابلاغ کے ذریعے پروپیگنڈا کرتے ہیں، نظام تعلیم وتربیت سے ذہن ماؤف کرنے کی کوشش کرتے ہیں پھر جب اس سے ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا تو مسلمانوں پر تشدد شروع کر دیتے ہیں۔

آج کافر بھی مسلمان پر تشدد کرتا ہے اور خود مسلمان حکمران بھی اہل حق پر تشدد کرتا ہے۔ اگر مجبور و مظلوم مسلمان جواب دیتا ہے تو پھر فتنہ وفساد کا ماحول بن جاتا ہے۔ فلسطین، کشمیر، چیچنیا، عراق، افغانستان میں مسلمانوں پر ظلم ہورہا ہے۔ اگر یہودی سو فلسطینی ماردیں تو وہ ٹھیک ہے اور مغربی میڈیا خاموش رہتا ہے لیکن ایک فلسطینی اگر خودکش حملہ کر کے کسی یہودی کو ماردے تو ساری دنیا کے ذرائع ابلاغ مذمت کرتے ہیں اور شور شرابا شروع کر دیتے ہیں۔ امریکہ اگر دو لاکھ بے گناہ افغانی شہید کر دے تو اس نے ٹھیک کیا ہے لیکن اگر ایک مظلوم و مجبور افغانی دو امریکی مار دے تو وہ دہشت گرد ہے:

وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ اَخۡرَجُوۡكُمۡ وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوۡكُمۡ فِيۡهِ فَاِنۡ قٰتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ (البقرہ۲:۱۹۱)

ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے اس لیے کہ قتل اگرچہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔

اس طرح فتنہ وفساد کی ایک لہر چل رہی ہے۔ امریکہ وروس، یہود و ہنود غرض تمام عالم کفر ایک امت واحدہ بن چکا ہے۔ ان کی فوجی، سیاسی اور ابلاغی قوتیں سب اسلام اور مسلمان کو مٹانے کے لیے فتنہ وفساد اور جنگ جدل کی راہ اپنائے ہوئے ہیں۔

قتل

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بَايٰتِ اللّٰـهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَـآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (النساء۴:۱۵۵)	آخرکار ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور متعدد پیغمبروں کو ناحق قتل کیا اور یہاں تک کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں حالانکہ درحقیقت ان کی باطل پرستی کے سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے اور اسی وجہ سے یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔
اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الممتحنہ۶۰:۹)	وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔

اللہ کی راہ سے روکنا غلطی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔ کچھ گمراہ لوگ ایسے بھی ہیں جو سادہ لوح عوام کو بھی ہدایت اپنانے اور حق کو قبول کرنے سے روکتے ہیں بلکہ مخالفت میں اتنے شدید ہو جاتے ہیں کہ بعض اوقات قتل کرنے پر بھی تل جاتے ہیں۔ ہجرت کی رات مکے کے کافر نبی ﷺ کو قتل کرنے کی نیت سے آپ ﷺ کی گلی میں پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے معجزہ دکھایا تو بچ گئے ورنہ قتل کا رادہ کرنے والے تو پرعزم تھے۔ بنی اسرائیل نے اپنے کئی پیغمبر خود قتل کر دیے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ، وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا	جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں ''ہم تو صرف اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے ہاں اتری ہے۔

مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ اَنبِيَاءَ اللّٰهِ مِن قَبْلُ اِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (البقرہ۲:۹۱) اس دائرے کے باہر جو کچھ آیا ہے اسے ماننے سے وہ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اوراس تعلیم کی تصدیق وتائید کررہا ہے جوان کے ہاں پہلے سے موجود تھی۔اچھاان سے کہواگرتم اس تعلیم ہی پرایمان رکھنے والے ہوجوتمہارے ہاں آئی تھی تواس سے پہلے اللہ کے ان پیغمبروں کو(جوخود بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے تھے) کیوں قتل کرتے رہے؟

معرکہ بدرواحداسی قاتلانہ ذہنیت کا ثبوت ہے۔ ہدایت اورصراط مستقیم کی راہ میں حائل رکاوٹوں میں یہ بے گناہوں کاقتل آج بھی جاری ہے۔

جنگ

تہذیبوں کےٹکراؤ کا انجام ہرزمانے میں جنگ ہی رہا ہے۔خود نبی ﷺ نے ۱۵ سال پرامن تبلیغ کی۔ دوہجری میں کافرمدینہ پرحملہ آورہوگئےتو ناچار آپ کودفاع کرنا پڑا۔ بدر کے مقام پر پہلامعرکہ ہوااورایک سلسلۂ حرب چل نکلا۔آخر۸ہجری میں مکہ فتح ہوااورقریش سے جنگ ختم ہوگئی۔ پھر دوسرے قبائل ،ایران اورروم سے جنگ شروع ہوگئی۔اس طرح خلافت راشدہ کے اختتام تک یہ سلسلہ جنگ جاری رہا۔کفارآج بھی مسلمانوں پر جنگ مسلط کرتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں تین جنگیں ہوچکی ہیں۔امریکہ نے بلا جواز افغانستان پرحملہ کیا۔جھوٹ بول کر عراق فتح کرلیا۔ پاکستان ،ایران ،شام کوبھی دھمکیاں مل چکی ہیں۔کفاراورمشرکین سبھی اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں۔ جب استہزا، پروپیگنڈے،تشدداورفتنہ فساد سے اسلام نہیں مٹتا تو آخری چارہ کارسمجھ کر جنگ شروع کردی جاتی ہے۔کافرپہلے دن سے اسلام کومٹانے کی فکرمیں ہیں اورحق باطل پرغلبہ چاہتا ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نورکوبجھانا

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ۞ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُولَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۞ (الصّف ۶۱:۸۔۹)

چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

یہ کشمکش ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے۔ مسلمان مجاہد اسلام کے فروغ، اپنے دفاع اور استحکام کے لیے کافروں کا مقابلہ کرتا ہے۔ ماضی میں جب بھی حملہ ہوا کافروں کی طرف سے ہوا اور مسلمانوں نے دفاع کیا۔ آج بھی کافر ہی پہل کرتا ہے لیکن آج کا مسلمان حکمران امریکہ کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا اور بغیر لڑے ہی امریکہ کی اطاعت اور غلامی قبول کرتے ہوئے ایک ٹیلی فون سے ہی ڈھیر ہو جاتا ہے۔ جو بزدل قوم ٹیلی فون پر اطاعت قبول کر لے اس کو بم سے مارنے کی کیا ضرورت ہے؟

اسلام کا مرکزی عقیدہ ہے کہ اللہ بادشاہ، رب اور مالک و معبود ہے۔ مسلمان اس کا بندہ اور غلام ہے۔ کسی کافر کی غلامی شرک ہے اس لیے داعی حق جسے ہر ایک کو اسلام کی طرف دعوت دینا ہے، وہ انسانوں کی غلامی قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اسے شہادت قبول ہے، غلامی قبول نہیں:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی (اقبالؒ)

لہوالحدیث

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞ (لقمان ۳۱:۶)

اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب خرید کر لاتا ہے تا کہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑا دے ایسے لوگوں کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

لہو کا ترجمہ ہے غافل کرنے والی بات، بے مقصد گفتگو، کہانی، گانا، ہنسی، مذاق، لطیفے وغیرہ جو انسان کو ایسا مصروف رکھیں کہ اس کو اپنے اصل مقصد سے غافل کردے۔ نبی ﷺ کے زمانے میں نضر بن حارث عراق سے لونڈیاں خرید کرلایا جو اس دور کے ناچ، گانے اور ڈرامے کے آرٹ کی ماہر تھیں۔ وہ ایرانی و عراقی قصے، کہانیاں اور گانے سنا کر نو مسلم نو جوانوں کو گمراہ کرنے کے لیے لونڈیوں کو ان پر مسلط کر دیتا اور انہیں بے دین کرنے کی کوشش کرتا۔ اپنے نو جوانوں کو غافل رکھنے کے لیے بھی مجرے کرواتا اور قصے کہانیوں کی محفلیں سجاتا۔ اس طرح اس نے آرٹ اور کلچر کے ذریعے اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔

آج مغربی تہذیب کی یلغار بھی لہوالحدیث کے ذریعے ہے۔ فلم، ٹی وی، ، انٹرنیٹ، وڈیو سب ایسے مشاغل ہیں جو نو جوانوں کو دن رات مصروف رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ مفید آدمی نہیں رہ جاتے۔ ناول، کہانی، ڈرامہ اور کلاسیکل ادب بھی انسان کو مفید زندگی عطا کرنے کی بجائے مقصد زندگی سے غافل کر دینے والا ہے۔ آج کا علم و ادب سبق آموز اور نصیحت آفرین ہونے کی بجائے عشق، لڑائی، دنگا فساد اور جنسی بے راہ روی کی طرف لے جانے والا ہے۔

۲۰ سال پہلے میں ہفتہ کے روز بعد نماز عشاء درس دیا کرتا تھا۔ انہی دنوں ٹی وی پر ایک ڈرامہ چل رہا تھا۔ میرے حلقۂ درس کے نو جوان اس ڈرامے کے ایسے دلدادہ ہوئے کہ درس قرآن کی حاضری کم ہوگئی۔ حکومت وقت بھی بے ہودہ قسم کے ٹی وی پروگرام کام کی گھڑیوں میں دکھاتی اور قرآن کے اسباق رات ۱۲ بجے کے بعد دکھاتی ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو گمراہ کیا جا سکے۔ لہوالحدیث یورپی تہذیب کے فروغ کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ لہوالحدیث بھی راہ حق کی رکاوٹ اور فتنہ ہے۔

بحث و جدال

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ ان کے سامنے جب ہدایت آئی تو اسے ماننے اور اپنے رب کے حضور معافی چاہنے سے آخر ان کو کس چیز نے

شَیْءٍ جَدَلًا ۝ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُؤْمِنُوْآ اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی وَ يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوْآ اٰيٰتِيْ وَمَا اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝

روک دیا؟ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو جو پچھلی قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے یا یہ کہ وہ عذاب کو سامنے دیکھ لیں۔ رسولوں کو ہم اس کام کے سوا اور کسی غرض کے لیے نہیں بھیجتے کہ وہ بشارت اور تنبیہہ کی خدمت انجام دے دیں مگر کافروں کا حال یہ ہے کہ وہ باطل کے ہتھیار لے کر حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور انہوں نے میری آیات کو اور ان تنبیہات کو جو انہیں کی گئیں مذاق بنالیا۔

(الکہف ۱۸: ۵۴-۵۶)

جدال زبانی جھگڑے کو کہتے ہیں اور اس جھگڑے کے پس منظر میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں صحیح ہوں اور دوسرا غلط ہے۔ صحیح اور غلط کا اصل معیار تو اللہ کا بتایا ہوا دین حق ہے لیکن انسان اپنی جہالت یا طبیعت کی وجہ سے باطل کو ہی صحیح سمجھ بیٹھتا ہے۔ باطل اور غلطی پر مبنی فساد بھی اسلام کی راہ کی رکاوٹ ہے۔ جھگڑا کرنے والا خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنی زبان کی سختی، رعب اور خوف سے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اس جھگڑے کی بنیاد پر جب خیر خواہ کو دشمن گردان لیا جاتا ہے تو اس کی ہر حرکت بری لگتی ہے۔ اس سے سلام دعا بھی برا لگتا ہے بلکہ اس کی مسکین صورت بھی بری لگتی ہے۔ اس کی نصیحت اور تبلیغ کی باتیں تو بہت ہی ناگوار گزرتی ہیں۔ مخالفت برائے مخالفت میں آ کر انسان اللہ، رسول ﷺ اور قرآن کی بات پر بھی توجہ نہیں دیتا اور حق کی اعلانیہ مخالفت پر ڈٹ جاتا ہے۔ ایسا شخص خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کی ہدایت کے راستے کا سنگ گراں ثابت ہوتا ہے۔

تفرقہ

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً

ابتدا میں سارے انسان ایک ہی امت تھے بعد میں انہوں

فَاخْتَلَفُواْ وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ۝ (یونس ۱۰:۱۹)

نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے اور اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ کر لی گئی ہوتی تو جس چیز میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ کر دیا جاتا۔

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۝ (آل عمران ۳:۱۰۳)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے تم آگ سے بھرے ہوئے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آ جائے

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُواْ دِيْنَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُواْ يَفْعَلُونَ۝ (الانعام ۶:۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے؟

تفرقہ ہدایت کا بہت بڑا دشمن بلکہ ضد ہے۔ ادھر انسان کے عمل میں تفرقہ داخل ہوا اُدھر ہدایت اور نصرت غائب ہو گئی۔ حق کا سچا طالب صرف اس تفرقہ کی وجہ سے پریشان ہے۔ اسے ہر فرقہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور اللہ نے تفرقہ کو حرام کر دیا ہے۔ ہدایت سے دور رکھنے کے لیے تفرقہ پیدا کرنا فرعون کا حربہ ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا بے شک فرعون زمین میں بڑا بن بیٹھا اور اس

شِيَعًا نے ملک کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا (القصص ۲۸:۴)

عام طور پر لوگ فرقہ بندی کو مذہبی فرقہ بندی سمجھتے ہیں حالانکہ جس تفرقہ کی حضور ﷺ نے پیشین گوئی کی تھی وہ سیاسی اور حربی تفرقہ ہے۔ نبی ﷺ نے پیشین گوئی کی تم آپس میں لڑو گے اور تم میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان دو جنگیں ہوئیں اور مسلمان صحابی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ نبی ﷺ کے وصال کے ۲۰ سال بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں تفرقہ شروع ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اس تفرقے کی ابتدا تھی۔ وہاں تو کوفہ اور شام میں دو ریاستیں تھیں لیکن آج پوری دنیا میں ۵۷ مسلم ریاستیں موجود ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے خود پاکستان کی دو ریاستیں بنگلہ دیش اور موجودہ پاکستان بن چکی ہیں۔ آگے دیکھیں کیا ہوتا ہے؟

دوسری طرف مذہبی تفرقہ نے بھی کافی ترقی پائی ہے۔ شروع میں دو مذہبی فرقے تھے۔ اہل سنت اور اہل تشیع، اب ترقی کر کے خود اہل سنت کی تقریباً بیس جماعتیں ہیں۔ عیسائیوں میں بھی تفرقہ ہوا۔ عیسائیوں کے تین چار فرقے ہیں لیکن مسلمانوں کے فرقوں نے بہت ترقی کر لی ہے۔ ہدایت کے اعتبار سے سیاسی اور مذہبی فرقے اللہ کی راہ روکے کھڑے ہیں۔

لسانی، صوبائی اور معاشی فرقے تو ان گنت ہیں جو حق کی راہ روکنے والے ہیں۔ نبی ﷺ نے جس عرب جاہلیت کو مٹا کر اسلامی نظام نافذ کیا تھا، وہ جاہلیت مختلف فرقوں کی شکل میں واپس آ گئی ہے۔ مذہبی فرقوں کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے ذہن میں انتشار کے سوا کچھ نہیں بیٹھتا۔ چونکہ میری جوانی ان فرقوں کی تحقیق میں گزری ہے اس لیے تجربے کی بنیاد پر میری رائے ہے کہ فرقہ پرستی سے اجتناب کے بغیر ہدایت نہیں ملتی۔ انسان کو اگر سچا مسلمان بننا ہے تو وہ فرقہ کو حرام سمجھے۔ اس حق کی پیروی کرے جو قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔

تکذیب

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا اور جس روز اللہ ان کو اکٹھا کرے گا تو (یہی دنیا کی سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ قَدْ زندگی انہیں ایسی محسوس ہوگی) گویا یہ محض ایک گھڑی

خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۝ (یونس۱۰:۴۵)

پھر آپس میں جان پہچان کرنے کو ٹھہرے تھے (اس وقت متحقق ہو جائے گا کہ) فی الوقت سخت گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہرگز وہ راہ راست پر نہ تھے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ۝ (یونس۱۰:۳۹)

اصل یہ ہے جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مآل بھی ان کے سامنے نہیں آیا اس کو انہوں (خواہ مخواہ اٹکل پچو) جھٹلا دیا۔ اسی طرح تو ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ۝ (الواقعہ۵۶:۵۱)

پھر اے گمراہو اور جھٹلانے والو۔

ایک شخص بلا سوچے سمجھے حق کا انکار کر دیتا ہے۔ حالات کی تبدیلی سے ممکن ہے کہ جب وہ غور کرے تو اپنی غلطی کا اعتراف کر کے حق کو تسلیم کر لے۔ دوسرا شخص پہلے سے تعصب میں مبتلا ہے اور اپنے سابقہ علم کی وجہ سے اپنا اعتقاد رکھتا ہے۔ تیسرا شخص حق کو اپنے مفادات، سیاست، سیادت کے لیے نقصان دہ سمجھتا ہے۔ چوتھا شخص حق کی وزنی دلیل سے متاثر ہے لیکن اپنے تعلقات اور مفادات کی وجہ سے حق کو قبول کرنے میں متامل ہے۔ یہ سب لوگ حق کی تکذیب کرتے ہیں ان کا تاثر یہ ہے کہ یہ نئی دعوت ہماری نگاہ میں غلط اور جھوٹی ہے اس لیے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ۝ (آل عمران۳:۹۰)

مگر جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا اور پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے، ان کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی، ایسے لوگ تو پکے گمراہ ہیں۔

آیت سے ظاہر ہے کہ انسان کو اپنی رائے کے غلط ہونے کا احساس ہے لیکن دوسرے کی تکذیب ضروری ہے۔ فرقہ وارانہ ذہنیت، شک، تردّد اور منافقت بھی تکذیب کی طرف لے جاتے

ہیں۔

نبی ﷺ نے قریش مکہ کو دعوت طعام دی اور کھانے کے بعد فرمایا کہ یہ ایک کلمہ ہے جسے اگر قبول کرلو تو عرب پر تمہاری حکومت ہوگی اور عجم تمہیں خراج ادا کریں گے لیکن سرداران قریش کو یہ بات بعید از قیاس نظر آئی۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی بات سچی کر دی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے، کے زمانے میں عجم نے خراج دینا شروع کر دیا۔ اپنی کم علمی اور حالات سے عدم آگاہی کی وجہ سے داعی کی سچی باتیں پسند نہیں آتیں۔ ہدایت کی راہ میں تکذیب نقصان دہ ہے۔ دعوت الی اللہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، بات دلیل سے کی جائے اور جو بات واضح ہوا سے نفع ونقصان سے بے نیاز ہو کر صرف سچائی کی بنیاد پر تسلیم کر لیا جائے۔ حق کی تکذیب سے کسی کا کچھ نقصان نہیں ہوتا بلکہ خود تکذیب کرنے والا اللہ کی رحمت اور فضل وکرم سے محروم ہو کر دنیا اور آخرت دونوں میں خسارے میں رہتا ہے۔

نفرت

بَلْ جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ۝	نہیں بلکہ وہ حق لایا ہے، اور حق ہی ان کی اکثریت کو ناگوار ہے۔ (المومنون ۲۳:۷۰)
لَقَدْ جِئْنٰكُم بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ۝	ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے مگر تم میں سے اکثر کو حق ناگوار تھا۔ (الزخرف ۴۳:۷۸)
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰنِىْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ۝	حضرت نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے قوم! ذرا سوچو تو سہی کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر ہوں اور پھر اس نے مجھ کو اپنی خاص رحمت سے بھی نوازا مگر وہ تم کو نظر نہ آئی تو آخر ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے کہ تم ناپسند کرو اور ہم زبردستی اس کو تم پر چسپاں کر دیں۔ (هود ۱۱:۲۸)

حق کی دعوت اور حق پرستوں سے بلا وجہ نفرت بھی ہدایت حاصل کرنے سے روک دیتی

ہے۔ دانا لوگ خواہ مخواہ کسی سے نفرت نہیں کرتے۔ جو بات خیر خواہی کے جذبہ سے معقول انداز میں پیش کی جارہی ہے، اسے قبول کر لینا چاہیے۔ بعض اوقات تعصّبات کی وجہ سے بھی لوگ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح سمجھ لیتے ہیں۔ پروپیگنڈا مزید کسی بات کو عقل کی بارگاہ میں پیش ہونے کا موقع ہی فراہم نہیں ہونے دیتا۔ فرقہ پرستی نے ذہن کو ایسا مسموم کر دیا ہے کہ مذہب کے نام پر انسان انسان سے دور ہو گیا ہے۔ اسی طرح سیاسی جماعتوں میں بھی ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے جذبات موجود ہیں جن کی وجہ سے افہام و تفہیم میں بڑی وقت پیش آتی ہے۔ نفرت کی وجہ کوئی بھی ہو سکتی ہے البتہ یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ حق کی دعوت سے نفرت ہدایت سے محرومی کی ایک بڑی وجہ ہے۔

داعی حق کا کام ہے کہ خدمت، اخلاص اور تطہیر افکار کے ذریعے دلوں میں موجود نفرتوں کو پہلے محبت اور ایثار میں تبدیل کرے۔ ان شاء اللہ تعصّبات میں کمی آنے کے بعد نفرتوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جب دل قبول حق کے لیے صاف ہوں تو پھر ہدایت ملتی ہے۔ نفرتوں کی وجہ سے دل میں کوئی خانہ قبول حق کے لیے خالی نہیں رہ جاتا۔ نفرتوں کی وجہ سے بہت سا وقت، سرمایہ اور جانی نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں ایسے نقصان کو برداشت کرنے کے لیے اپنے ذہن کو تیار رکھنا چاہیے۔ اختلاف جب تک اختلاف رائے ہو کوئی نقصان نہیں۔ اختلاف رائے سے دلیل کو سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے لیکن جب اختلاف مخالفت اور تعصب کا روپ دھار لے تو پھر ہدایت کی کوئی دلیل اثر نہیں کرتی۔ ذاتی نفرت دین سے نفرت بن جاتی ہے۔ اللہ کا دین جو کالے، گورے، امیر اور غریب کی ہدایت کے لیے آیا تھا، ذاتیات کا اکھاڑہ بن جاتا ہے۔

زیادتی

نفرت کی بنیاد پر جو اختلاف واقع ہوتا ہے وہ دن بدن ترقی کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ غصہ بھڑک اٹھتا ہے اور ایک شخص دوسرے شخص پر حد سے تجاوز کر کے زیادتی اور ظلم کر دیتا ہے۔ یہ زیادتی اختلافات کو اور بڑھا دیتی ہے۔ اس طرح زندگی میں تشدد آجاتا ہے۔ ایک زیادتی دوسری

زیادتی کوجنم دیتی ہے:

وَمَا تَفَرَّقُوْآ اِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ط — لوگوں میں جوتفرقہ رونما ہوا وہ اس کے بعد ہوا کہ ان کے پاس علم آچکا تھا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ (الشوریٰ ۴۲:۱۴)

فَمَا اخْتَلَفُوْآ اِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ — پھر جو اختلاف ان کے درمیان رونما ہوا وہ (ناواقفیت کی وجہ سے نہیں بلکہ) علم آجانے کے بعد ہوا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ (الجاثیہ ۴۵:۱۷)

باہم دگر زیادتیاں، تشدد، ظلم، قتل وغارت گری اور تخریب کاری کو فروغ دیتی ہیں۔ ایک گروہ دوسرے گروہ کے خون کا پیاسا ہو جائے تو عقل وخرد اور ہدایت کی نرم باتیں اثر نہیں کرتیں۔ جب کوئی گروہ شکست کھا کر بددل ہو جائے اور اس نازک مقام پر کوئی سمجھانے والا ہادی موجود ہو تو ہدایت پا جانے اور توبہ واستغفار کرنے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔ دل کا گداز حق کو قبول کرنے میں مدد کرتا ہے۔ اس طرح تعصب کا پردہ ہٹنے سے ہدایت پانا آسان ہو جاتا ہے لیکن دکھی دلوں پر مرہم رکھنے والے اہل حق بہت کم ہیں۔ نفرتوں کو عروج حاصل ہو رہا ہے اور دنیا ظلم وزیادتی کرنے والوں سے بھری پڑی ہے۔ اس لیے دلوں میں نرمی پیدا نہیں ہوتی اور نفرت میں اضافہ کر دیتی ہے۔ انسان انتقام، ہٹ دھرمی اور زیادتی پر اتر آتا ہے اور حق کو قبول نہیں کرتا۔

بغض

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۝هٰٓاَنْتُمْ اُوْلَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا — تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے وہ اس سے شدید تر ہے ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے

يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ (آل عمران ۳: ۱۱۸-۱۱۹)

دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو گے) تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسول ﷺ اور تمہاری کتاب کو) مان لیا ہے مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیظ وغضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اپنے غصہ میں آپ جل مرو، اللہ دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔

بغض، نفرت، کراہت، دشمنی، عناد، غصہ، طیش اور اشتعال ناپسندیدگی اور ناراضگی کے مختلف درجات ہیں۔ سب کا محرک ایک ہی ہے کہ ہم صحیح ہیں اور ہمارا مخالف غلط ہے۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ ہم واقعی صحیح ہوں اور ہمارا مخالف واقعتاً غلط ہو۔ ممکن ہے کہ ہم غلط ہوں اور ہمارا مخالف صحیح ہو۔ بغض ایک فطری جذبہ ہے اور اس کے مثبت و منفی دونوں پہلو ہیں۔ اچھا پہلو یہ ہے کہ نیکی سے محبت کی جائے اور برائی سے نفرت اللہ کی رضا کے لیے کی جائے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰه وَاَعْطٰى لِلّٰه ومنَعَ لِلّٰه فَقَدِاسْتَكْمَلَ الْاِيْمَان

جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے نفرت کی اور اللہ کی راہ میں دیا اور اللہ کے خوف سے روکا، اس نے اپنا ایمان مکمل کیا۔ (راہ عمل صفحہ ۳۱)

گناہ کے ماحول، رسوم ورواج، افراد اور طاغوت سے جو گناہ کی طرف راغب کرے بغض رکھنا جائز ہے۔ دوستی دشمنی کے لیے حق کی دلیل موجود ہونی چاہیے اور دلیل کے بغیر خواہ مخواہ کا بغض ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔

بغض کا نقصان دہ اور غلط پہلو یہ ہے کہ انسان حق سے عناد رکھے۔ قرآن وسنت کے واضح اور مفید احکامات کو غلط سمجھ کر چھوڑ دے۔ فرقہ واریت سے بغض کو فروغ ملتا ہے۔ ہر فرقہ پرست خود کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھ کر بغض کا اظہار کرتا ہے۔ مخالف کی ہر اچھی حرکت کی بھی نفی کر دیتا ہے۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف ایک دوسرے سے بغض رکھتے ہیں اور ہر وقت ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس مخاصمہ کی وجہ سے داعی الی الخیر سے بھی لوگ بغض رکھتے ہیں اور اس کی کسی اچھی بات، نصیحت، خیر خواہی اور خدمت واخلاص کو قابل التفات نہیں سمجھتے، نظر انداز کر دیتے ہیں، منہ موڑ لیتے اور پشت کر کے مڑ جاتے ہیں۔

تفہیم القرآن ایک عمدہ تفسیر ہے جو طالبان حق کی بہت رہنمائی کرتی ہے لیکن سید مودودیؒ سے بغض رکھنے والے ہدایت کا ذریعہ بننے والی اس مفید کتاب کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتے۔

خود طالب حق سے بھی علماء اور صوفیا بغض رکھتے ہیں۔ حق کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو صحیح بات نہیں بتاتے کیونکہ ان کو خطرہ ہوتا ہے کہ یہ نو وارد کہیں ہماری گدی ہی نہ چھین لے۔ تعلیم کے اس جدید دور میں بھی مرکب جہالت بغض، عناد اور گمراہی کا باعث بن رہی ہے۔

حسد

وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝ اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے۔
(الفلق ۵:۱۱۳)

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَٰنِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرہ ۲:۱۰۹)

اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں۔ اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے حسد کی بنا پر تمہارے لیے ان کی یہ خواہش ہے۔

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے

اللّٰہُ مِن فَضلِہٖ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرَاھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاٰتَیْنٰھُم مُّلْکاً عَظِیْماًO
انہیں اپنے فضل سے نواز دیا؟ اگر یہ بات ہے تو انہیں معلوم ہو کہ ہم نے تو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی اور ملک عظیم بخش دیا۔ (النساء۴:۵۴)

حسد ایک فطری جذبہ ہے۔ ہر انسان کے اندر کم یا زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ ہر وقت موجود اور سرگرم رہتا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

یَابُنَیَّ اَنْ قُدِرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَ تُمْسی وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِكَ غَشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَل
اے میرے بیٹے اگر تو اس طرح زندگی گزار سکے کہ تیرے دل میں کسی کی بدخواہی نہ ہو تو ایسی ہی زندگی بسر کر۔ (راہ عمل صفحہ ۳۴)

حسد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان کی سوچ میں دوسروں کے متعلق طرح طرح کے مثبت و منفی خیالات آتے ہیں۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو سرداران مکہ کی زیب و زینت کی طرف نگاہ ڈالنے سے بھی یوں منع فرمایا:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجاً مِّنْھُمْ زَھْرَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا لِنَفْتِنَھُمْ فِیْہِ
اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے۔ (طٰہٰ۲۰:۱۳۱)

مسلمان ہر ایک کا خیر خواہ ہوتا ہے اس لیے اسے دوسروں کی دولت، حشمت، سیادت، قیادت، علم اور عقل و خرد سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس طرح دلوں میں حسد، بغض اور نفرت پیدا نہیں ہوتی۔ حاسد لوگ دوسروں کی نیکی، مال، علم، افرادی قوت، سیاست اور قیادت کو دیکھ کر جل جاتے ہیں۔ غریبی اور محرومی کی وجہ سے یہ احساس کمتری اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ حاسد کروٹیں بدل بدل کر تمنا کرتا ہے کہ فلاں شخص کی دولت، سیاست، سیادت، قوت، علم، شہرت مجھے مل جائے۔ اگر مجھے نہ مل سکے تو اس کے پاس بھی نہ رہے۔ اللہ کے نیک بندوں سے بھی لوگ حسد کرتے ہیں۔

یہود نے حضور ﷺ کی نبوت کی نشانیوں کو درست سمجھنے کے باوجود حضور ﷺ کے بنی اسماعیل ہونے کے حسد کے باعث اسلام قبول نہ کیا:

حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَق ج (البقرہ۲:۱۰۹) اگر چہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے حسد کی بنا پر تمہارے لیے ان کی یہ خواہش ہے۔

ان کے عروج، اصلاح پذیر مالی حالت اور علم وعرفان پر بھی لوگ حسد کرتے ہیں۔ حاسد کسی کو پیٹ بھر کر کھاتا نہیں دیکھ سکتا۔ کسی متقی، عابد وزاہد نوجوان کو دیکھ کر دل سے دعا کی بجائے آہ نکلتی ہے۔ اور نظر ایسی ناپاک ہوتی ہے کہ بعض اوقات نظر بد کا اثر ہو جاتا ہے۔ جب انسان کو کسی بات میں ہتک محسوس ہو تو حسد تو خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک استاد اگر شاگرد کی ذہانت اور صلاحیتوں سے حسد کرلے تو وہ اسے کیا ہدایت کی بات سکھائے گا؟ دوسری جانب اگر شاگرد استاد سے حسد رکھے تو کیا سیکھے گا؟

تعصّبات

صحیح عقیدہ اسلام اور عمل صالح کی بنیادی ضرورت ہے اور اس عقیدے کو مضبوطی سے تھامنا اور استقامت دکھانا قرآن کا حکم ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۝ (حم السجدہ۴۱:۳۰) جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ''نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

لیکن غلطی پر اڑ جانا، غلط عقیدے پر اصرار کرنا اور ان غلطیوں میں غلو کر کے تعصب کی شکل دے دینا خود انسان کے لیے ذاتی طور پر بھی نقصان دہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ (المائدہ۵:۷۷) اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو

نبی ﷺ کی محبت جزو ایمان ہے لیکن آپ کی عقیدت میں غلو کر کے آپ ﷺ کو خدا یا خدا

سے بھی بڑا بنا لینا کسی طرح بھی جائز جذبہ نہیں ہے۔اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام بھی واجب ہے لیکن غلو کر کے کسی کو اعلیٰ اور کسی کو ادنیٰ قرار دینا اور مدح صحابہ میں تعصب برتنا غلط اور خلاف اسلام ہے۔اسی طرح بول چال میں زبان ایک روزمرہ کے استعمال کی چیز ہے۔کسی زبان کو اعلیٰ اور کسی کو ادنیٰ قرار دے کر لسانی تعصب کا شکار ہو کر انسانوں کے گروہ بنانا اور آپس میں تلخیاں پیدا کرنا بھی ناجائز ہے۔قبائل کی اپنی اہمیت ہے۔ہر شخص معاشرے کی ضرورت ہے۔قبائلی تعصب میں مبتلا ہو کر کسی کو اشرف اور کسی کو کمین ٹھہرانا اور ایک دوسرے کے خلاف تعصّبات بھڑکا کر زمین میں فساد برپا کرنا شرعاً حرام ہے۔

غلط فلسفے ،نظریات اور تصورات کو بنیاد بنا کر ایک انسان دوسرے انسان سے متعصّبانہ رویہ رکھے تو دل باہم جڑنے کی بجائے ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں۔ سانحۂ کربلا کے بعد مسلمانوں میں گروہی اور قبائلی تعصّبات نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی۔آج بھی دنیا میں مذہبی،لسانی،گروہی،ملکی،خاندانی تعصّبات موجود ہیں۔ان تعصّبات کی وجہ سے دماغ جانب دار ہو جاتے ہیں اور صحیح بات کو قبول نہیں کرتے۔ناصح کی خیر خواہانہ بات سمجھ نہیں آتی۔جوش میں ہوش کام نہیں کرتا۔اسی طرح جذبات سے مغلوب شخص حق کو نہیں پہچانتا اور گمراہیوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔

ضد

ضد،ہٹ دھرمی،اصرار،اپنی بات پر اڑ جانا کئی نقصان دہ پہلو رکھتا ہے۔یہ اصرار صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔توحید باری تعالیٰ کو تسلیم کر کے اس پر مضبوطی سے قائم ہو جانے کو حق پر استقامت کہتے ہیں۔حق پر استقامت ایک ضروری خوبی ہے جو لوگ استقامت دکھاتے ہیں بظاہر وہ نقصان اٹھاتے ہیں۔اس کے برعکس قرآن کہتا ہے:

وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۝ اور گناہ عظیم پر اصرار کرتے تھے۔

(الواقعہ ۵۶:۴۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑے وثوق سے فرماتے کہ میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور کافر اپنے شرک پر اڑ

گئے کہ ان کے باپ دادا کا دین ہی صحیح ہے۔ وہ نبی ﷺ کو بے دین کہتے تھے۔ عقل وخرد کی میزان پر رکھ کر تدبر کیا جائے تو انسانی خیال غلط بھی ہوسکتا ہے اور صحیح بھی۔ خیال کے غلط یا صحیح ہونے کی دلیل ہونی چاہیے۔ ایسی دلیل جو سب کی سمجھ میں آ جائے۔ قرآن نے توحید، رسالت، آخرت کے دلائل دیے ہیں اور کافروں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بھی اپنے نظریات کے لیے دلیل لائیں:

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔

(النمل ۲۷:۶۴)

ہدایت کے اعتبار سے ضد ایک نقصان دہ چیز ہے۔ انسان کو کھلے دل سے قرآن کے دلائل پر غور وخوض کرنا چاہیے۔ تدبر اور تفکر سے قرآن کی صداقت کا یقین آ جاتا ہے۔ ہمارے ہاں فرقہ پرستی کا رواج ہے حالانکہ قرآن نے فرقہ پرستی سے منع فرمایا ہے۔ یہ فرقہ پرستی، انتشار اور آپس کی لڑائیاں کئی سو سال پرانی ہیں۔ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد تفرقہ شروع ہو گیا۔ چودہ صدیاں گزر گئیں، یہ تفرقہ ختم نہیں ہوا۔ مستقبل میں بھی اس کے ختم ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ہر فرقہ اپنے عقائد کو صحیح سمجھتا ہے اور اس کے ماننے والے اپنے فرقے کی صداقت پر اڑ جاتے ہیں۔ کسی قسم کی اصلاح کی طرف آنے کو تیار نہیں۔ اس تضاد کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا کہ ان مختلف اور متضاد نظریات والے فرقوں کو ایک امت واحدہ کیسے بنایا جائے؟

گذشتہ صدیوں میں کئی اصلاحی تحریکیں اٹھیں لیکن وہ اصلاح کرنے میں اس لیے ناکام رہیں کہ لوگ اپنے اپنے فرقہ کی صداقت پر ضد کرتے اور اصلاح قبول کو تیار نہ ہوتے۔ آج کے مذہبی، سیاسی اور معاشی ماحول میں بھی ضد کا عنصر غالب ہے اس لیے اصلاح کا عمل ناکام ہے۔ ہدایت ضدی اور ہٹ دھرم شخص کو نہیں ملتی۔ یہاں ہدایت تو اسے ملتی ہے جو قلب سلیم لے کر آئے۔ کاش لوگ قلب سلیم کے ساتھ قرآن پڑھتے ان کے لیے ہدایت کے دروازے کھل جاتے:

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ سوائے ان کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔

(الشعراء ۲۶:۸۹)

گمراہ ہونے والوں کی صفات

ذیل میں ان خامیوں کا ذکر کیا جا رہا جو اگر کسی شخص میں موجود ہوں تو وہ ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ یہ کمزوریاں جاننا ضروری ہیں تاکہ اپنے اندر سے یہ نقائص دور کرلیں اور اگر ہمارے زیر تربیت افراد میں ہدایت سے محروم رکھنے والا ایسا کوئی نقص ہو تو دانش مندی اور محبت سے اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اگر لوگ بار بار کی یاددہانی کے باوجود ان نقائص سے نہیں بچتے تو پھر ایسے لوگوں کے متعلق یک سو ہو جانا چاہیے کہ یہ ہمارے کام کے نہیں۔ ایسے لوگوں سے بالکل مایوس ہو جانا بھی جائز نہیں۔ ممکن ہے کہ زندگی کے کسی موڑ پر ان کو اصلاح کا خیال آجائے، اس لیے موت تک توبہ کی امید رکھنی چاہیے۔ حالات کی تبدیلی سے بھی کچھ لوگ توبہ کر لیتے ہیں البتہ توفیق کے مضمون کو ذہن میں رکھ کر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ ایسے ناہنجار لوگوں کو توبہ کی بھی توفیق کم ہی ملتی ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں پر زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

منکر

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ یقین رکھو وہ کافروں کو کامیابی کی راہ ہرگز نہیں دکھائے گا۔

(المائدہ ۵:۶۷)

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ اس طرح اللہ کافروں کا گمراہ ہونا متحقق کردے گا۔

(مومن ۴۰:۷۴)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو۔

(الزمر ۳۹:۳)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے ایمان لا کر پھر انکار کر دیا۔ اس لیے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اب یہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (المنافقون ۶۳:۳)

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔ (النساء ۴:۱۱۶)

کفر کے معانی ہیں انکار کرنا، ناشکری کرنا اور انکار کے کئی پہلو ہیں۔ خود خدا کی ذات، رسول ﷺ کی صداقت، قرآن کی حقانیت اور آخرت کا نہ ماننا یعنی سرے سے کسی حق کو حق ماننا ہی نہ جائے جسے ہم عرف عام میں الحاد کہتے ہیں۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ صداقت کے وجود کو تو تسلیم کر لیا جائے اس صداقت کے نتائج کو تسلیم نہ کیا جائے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ خدا اور رسول ﷺ پر ایمان کا دعویٰ تو کیا جائے مگر ان کے احکامات کو نہ مانا جائے، ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ پاکستان کے مسلمان توحید، رسالت، آخرت اور قرآن کی صداقت کو زبانی کلامی تو مانتے ہیں لیکن خدا کے احکامات کو حق تسلیم کر کے ان پر عمل کرنے سے گریزاں ہیں۔ یہ بھی انکار ہی کی ایک شکل ہے۔

پاکستان میں مساجد کی تو کثرت ہے لیکن نمازیوں کی قلت ہے جب کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوة بندۂ مسلمان اور کفر کے درمیان صرف نماز کی دیوار حائل ہے۔ (مسلم عن جابرؓ)

توفیق کے عنوان سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جب کوئی شخص کسی حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو پھر اس کے خیالات اور جذبات میں ایک منفی رجحان جنم لے لیتا ہے اور اس منفی ردعمل کی وجہ سے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے دلائل فراہم کر لیتا ہے:

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا نسی تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر

حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ دیتے ہیں، تا کہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری بھی کر دیں اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی کر لیں۔ (التوبہ ۹:۳۷)

جب بھی کسی شخص کے پاس اپنے برسر حق ہونے کے، اس کے اپنے زعم کے مطابق صحیح دلائل موجود ہوں تو پھر وہ اپنے نظریات پر نظر ثانی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور وہ انکار حق میں پختہ ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح اپنے لیے ہدایت کا دروازہ خود ہی بند کر لیتا ہے۔

متکبر

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَکَفَرْتُمْ بِہٖ وَشَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِہٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَکْبَرْتُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اے نبی ﷺ ان سے کہو ’’کبھی تم نے سوچا بھی کہ اگر یہ کلام اللہ ہی کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کر دیا؟ اور اس جیسے ایک کلام پر تو بنی اسرائیل کا ایک گواہ شہادت بھی دے چکا ہے، وہ ایمان لے آیا اور تم اپنے گھمنڈ میں پڑے رہے، ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔‘‘ (الاحقاف ۴۶:۱۰)

بعض اوقات کئی باتیں مخاطب کو سمجھ آتیں۔ اس میں اسلام کی کوئی کمزوری نہیں ہوتی، اس شخص کی عقل ناقص ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ انسان خود اپنی عقل کا ماتم کرے اور اصلاح احوال اور تدبر و تفکر کے ذریعے بات کو سمجھنے کی کوشش کرے، وہ غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنی عقل سے اسلام کی صحیح بات کو غلط سمجھ لیتا ہے۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اپنی عقل اور بات کو صحیح سمجھنا اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کی دی ہوئی تعلیم کو ناقص سمجھنا ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج ابھی تک تجویز نہیں ہوا۔ تکبر انسانی ذہن کو ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ جو دلیل عام لوگوں کی ہدایت کے لیے کافی ہوتی ہے وہی متکبر انسان کے غرور میں اضافے کا باعث بنتی ہے اور اس کی گمراہی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ متکبر شخص سمجھتا ہے کہ میں عقل مند ہوں اور باقی سب بے وقوف ہیں۔ میری سوچ اور کارکردگی سب سے بہتر ہے۔ فرعون ایک ظالم، جابر اور بیوقوف حکمران بھرے

دربار میں کہہ رہا ہے:

اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّشَادِ ۝ میں تمہیں سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہوں
(المومن ۴۰: ۲۹)

جو خود کو ہدایت یافتہ سمجھتا ہو وہ دوسروں سے ہدایت کی طلب کہاں اور کیسے کرے گا حالانکہ وہ گمراہ ہے۔ نیم خواندہ حضرات کے تکبر علم میں داخل ہو جانے کے بڑے امکانات ہیں۔ ایسے تھوڑے علم والے علماء کرام کی اصلاح میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ علم کا غرور بھی حق کی راہ کی ایک بڑی رکاوٹ ہے:

اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰٮهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ۝ (الجاثیہ ۴۵: ۲۳)

پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ کے بعد کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟

دوسروں کو کم تر اور اپنے آپ کو بہتر سمجھنا شیطان کا کام ہے۔ شیطان اپنے آپ کو انسان سے بہتر خیال کرتا تھا اسی لیے اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ۝ (الاعراف ۷: ۱۲)

پوچھا "تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا" بولا "میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے"

جب انسان کو اپنی کم مائیگی کا احساس ہو جائے تو پھر ممکن ہے کہ بات سمجھ آ جائے۔ مکے کا سردار ابوجہل دنیاوی نقطہ نظر سے ایک دانا شخص تھا لیکن تکبر نے اس کی ہدایت کی راہ بند کر دی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "بنی ہاشم نے مہمان نوازیاں کیں ہم نے بھی کیں۔ انہوں نے مال خرچ کیا ہم نے بھی کیا۔ اب ان میں سے ایک نبی بن بیٹھا ہے"۔ یہاں اس کا تکبر اسے اس حق کو تسلیم کرنے سے

روک رہا تھا جبکہ نبی ﷺ خود مصنوعی طریقے سے تو نہیں بنا بلکہ اللہ نے اپنے فضل سے اسے چن لیا۔ یہ بات اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ اللہ ایک شخص پر فضل کر کے اسے ابوجہل سے بڑا بنا سکتا ہے۔

آج بھی لوگوں کا یہی حال ہے کہ اپنی بڑائی کے زعم میں خود کو عقل کل سمجھتے ہیں اور جب ان کے سامنے خدا اور اس کے دین کی حقانیت کی دلیل پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے پرانے زمانے کی بات سمجھ کر رد کر دیتے ہیں حالانکہ یہ بات آج بھی اسی طرح نئی ہے جس طرح ۱۴۰۰ سال پہلے تھی۔ ماڈرن ہونے کی بیماری لوگوں کو قبول حق سے روک رہی ہے حالانکہ یورپی اخلاق باختہ تہذیب مصر اور یونان کی تباہ شدہ تہذیبوں سے ماخوذ ہے۔ یہ بے حیائی، ظلم، سرمایہ داری لاکھوں سال پرانی جاہلیت ہے جسے یہودی پروپیگنڈہ ماڈرن ازم کے نام پر پیش کر رہا ہے:

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۞ (المومن ۴۰:۷۵)

ان سے کہا جائے گا ”یہ تمہارا انجام اس لیے ہوا کہ تم زمین میں غیر حق پر مگن تھے اور پھر اس پر اتراتے تھے۔“

بعض لوگ تھوڑا سا دینی کام کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے بڑا کام کر لیا ہے اس لیے پرانے ہونے کے ناطے ہمیں ذمہ داری ملنی چاہیے۔ یہ بھی تکبر ہے اور جماعت میں بڑے انتشار کا باعث بنتا ہے۔ ہمیں خود بھی تکبر سے بچنا اور دوسروں کو بھی تکبر سے بچانا چاہیے۔

فاسق

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۞ (البقرہ ۲:۲۶)

اس طرح اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ (التوبہ ۹:۸۰)

اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ حق نہیں دکھاتا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ

اے نبی ﷺ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و

وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ۹:۲۴)

اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (الصّف۶۱:۵)

پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو کئی نکات سمجھ آتے ہیں۔ ایک یہ کہ بنی اسرائیل کو پتہ تھا اور ان کا اعتقاد تھا کہ موسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول ہیں اس لیے فرعون سے آزادی دلانے پر انہیں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کا شکر گزار ہونا چاہیے تھا۔ الٹا سب کچھ جانتے بوجھتے پوری معلومات کی روشنی میں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اور خدا کے رسول کو ستایا۔

جو لوگ مان کر بھی حکم نہ مانیں ان لوگوں کو قرآن فاسق کہتا ہے اور ایسے گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ گناہ کی خرابی یہ ہے کہ ایک غلطی مزید غلطیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ خدا کی نافرمانی کرنے والے مسلمانوں کی زندگی ایک خاص نہج پر چل پڑتی ہے اور پھر گناہ کرنا اس کے کاروبار، عزت اور اقتدار کی مجبوری بن جاتا ہے۔ خواہشات اسے دلاسہ دیتی ہیں کہ اب گناہ کی زندگی میں ہی فائدہ ہے۔ خدا کے رسول ﷺ کی اطاعت نقصان دہ ہے۔ حرام دولت اور گناہ کی اپنی ایک لذت ہے۔ انسان کا مرتبہ ایک مجبوری بن جاتا ہے اور یوں ایسا ماحول بن جاتا ہے کہ انسان فسق و فجور میں اور نبی کریم ﷺ کے احکامات کو توڑ کر اپنا فائدہ محسوس کرتا ہے۔ ایسے فاسق لوگ ہدایت کا دروازہ خود اپنے لیے بند کر لیتے ہیں۔

اخلاقی کمزوریاں بھی ہدایت سے محرومی کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ہدایت کے طالبوں کو فاسقوں

کی صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ غلط لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے انسان متاثر ہوتا ہے اور غلط کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ مشہور محاورہ ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اعمال کے اچھے برے طریقوں میں صحبت اور معیت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت میں برے بھی نیک بن جاتے ہیں اور بروں کی صحبت میں نیک بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نافرمان بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی:

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ۝ تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے الگ کر دے۔

(المائدہ ۵:۲۵)

فاسقوں سے دور رہنے ہی میں عافیت اور ہدایت ہے۔ صرف تبلیغ اور خدمت خلق کے لیے برے لوگوں سے رابطہ رکھا جا سکتا ہے۔ شاید کسی کے دل میں اچھی بات اتر جائے۔ فاسقوں سے علیٰحدگی میں ایک اور پہلو بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ان کے جرائم کی سزا دنیا میں بھی دیتا ہے۔ اس دعا سے یہ بات بھی سمجھ آجاتی ہے کہ اگر اللہ کسی قوم کو ان کے گناہوں کی پاداش میں سزا دینے کا فیصلہ کر لے تو دعا مانگنے والے نیک لوگ بھی برے افراد کی وجہ سے پس نہ جائیں۔ جب شمالی علاقہ جات اور کشمیر میں ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ میں زلزلہ آیا تو نیک و بد سبھی اس زلزلے میں فوت، زخمی اور متاثر بھی ہوئے۔ اگر کسی شخص نے یہ دعا مانگی ہوتی تو اللہ تعالیٰ یقیناً دعا مانگنے والوں کو اس عذاب سے بچا لیتا۔ کاش مسلمان قرآن کی واضح آیات سے کچھ سبق لیتے۔ لوگ رسماً قرآن پڑھتے ہیں، ایسی آیات پر غور کرنے کے لیے ان کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔

عام طور پر نیک اور فاسق دونوں ایک گھر، محلے اور گاؤں میں رہتے ہیں۔ شادی بیاہ، خوشی، غمی، سیاست، کھیل کسی بھی جگہ پر نیک بد سے الگ نہیں ہوتے۔ آج دنیا میں تعلقات کی بنیاد فسق و فجور، نیکی اور تقویٰ نہیں، رشتہ و برادری ہے۔ فسق و فجور کی اس دنیا میں برے لوگوں سے میل جول رکھنے سے تنہائی بہتر ہے۔ بری سوسائٹی سے کٹ جانا، اس کے گناہوں میں شریک ہو جانے سے بدرجہا بہتر ہے۔

ہدایت کا ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے۔ ایک نیکی دوسری نیکی کے فروغ کا ذریعہ بنتی

ہے۔اسی طرح ایک برائی دوسری برائی کو جنم دیتی ہے۔ایک انسان بعض اوقات ایسے حالات میں پھنس جاتا ہے کہ نہ چاہنے کے باوجود اسے برائی کرنا پڑتی ہے۔اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہدایت پائیں تو برے ساتھیوں سے بچنا ضروری ہے اور بری سوسائٹی کو بدل کر نیک سوسائٹی (معاشرہ) بنانا نیکی کی بقاء کے لیے ضروری ہے۔اگر معاشرہ نیک نہ بن سکے تو انفرادی نیکی بھی ضائع ہوجاتی ہے۔

ظالم

لغت کے اعتبار سے ظلم عدل کی ضد ہے یعنی ظلم کا لفظی ترجمہ ناانصافی ہے۔ظلم کے معانی میں اندھیرا بھی شامل ہے۔اسلام امن وسلامتی اور عدل وانصاف کا دین ہے۔جب نظام زندگی توحید ربانی کی بنیاد پر قائم ہوتو پھر دنیا میں عدل اجتماعی قائم ہوتا ہے۔جو شخص اس امن اور انصاف کے قانون کو ٹھکراتا ہے وہ ظلم کرتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰىٓ اِلَى الْاِسْلَامِ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اب بھلا اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھے حالانکہ اسے اسلام کی دعوت دی جارہی ہو۔ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔

(الصّف۶۱:۷)

دوسرا شخص وہ ہے جسے اپنے بے اصل نظریات ہی سے پیار ہے اور روشنی پاکر بھی جہالت کے اندھیروں میں دھکے کھاتا ہے:

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر رکھی یا وہ جس نے ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات کگر پر اٹھائی اور وہ اسے لے کر سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری ایسے ظالم کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

(التوبہ۹:۱۰۹)

تیسرا شخص وہ ہے جو دین کی حقانیت کو تسلیم کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری کا پابند ہو جانا چاہیے لیکن یہ شخص ہے کہ مان کر بھی حکم عدولی کرتا ہے:

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (آل عمران ۳:۸۶)

کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ہدایت بخشے جنہوں نے نعمت ایمان پا لینے کے بعد پھر انکار کیا حالانکہ وہ خود اس بات پر گواہی دے چکے ہیں کہ یہ رسول ﷺ حق پر ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آ چکی ہیں۔ اللہ ظالموں کو تو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

چوتھا شخص اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اقتدار پانے کے بعد فساد برپا کرتا ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ لا وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ (البقرہ ۲:۲۰۴-۲۰۵)

انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے۔ جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرہ ۲:۲۵۸)

اور اللہ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

نفسانی خواہشات کی پیروی بھی ہدایت سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ پیروی خود اپنی ذات پر ظلم ہے۔ نفسانی خواہشات مسلمان کو حد اعتدال سے دور لے جاتی ہیں:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو خدائی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے؟ اللہ ایسے

اَلۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝ (القصص ۲۸:۵۰) ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں بخشتا۔

قرآن کی یہ آیات واضح ہیں ان پر کسی حاشیے کی ضرورت نہیں۔ زندگی کے ان مختلف پہلوؤں سے جو بھی ظلم کرتا ہے، محروم رہتا ہے۔ مسلمان بھی اگر ظلم کرتا ہے تو وہ بھی ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ دین کی خدمت کرنے والوں کو اپنا محاسبہ بھی کرنا چاہیے کہ وہ اپنے نصب العین میں کتنے مخلص ہیں اور جن لوگوں پر وہ محنت کر رہے ہیں ان کے خلوص اور قبول حق کا کیا مقام ہے؟ جب یہ سب پہلو اجاگر ہو جائیں تو پھر سمجھ آتی ہے کہ ہدایت کے دروازے کن مخلص لوگوں کے لیے کھلتے ہیں؟ جو شخص تھوڑا ظلم کرتا ہے اس کی ہدایت تھوڑی بند ہوتی ہے اور جو زیادہ ظلم کرتا ہے اس کو ہدایت کی خوشبو سونگھنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ ہر نوعیت کے ظلم سے توبہ کرنی چاہیے۔ خدا سے اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے تاکہ ہدایت پانا اور اس پر قائم رہنا آسان ہو جائے۔

المیہ یہ ہے کہ لوگ مان کر بھی نہیں مانتے۔ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ظلم کرتے ہیں۔ خواہشات کی پیروی کا ظلم تو بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔ واضح رہے کہ ہدایت سے روکنے والے مندرجہ بالا ظلم صرف کافروں کو ہی ہدایت سے محروم نہیں رکھتے بلکہ مسلمانوں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔ انسان کو ایک مرتبہ ہدایت مل جاتی ہے پھر وہ کسی نہ کسی نوعیت کے ظلم کا ارتکاب کر لیتا ہے اور گمراہ ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ و استغفار نہ کرے تو پھر پے در پے سرزد ہونے والے مظالم ہدایت سے مزید محرومی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مسلمان ہوتے ہوئے ظلم کرنا بہت بڑی بدنصیبی ہے۔

جاہل

قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ (الزمر ۳۹:۹) ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟

جہالت علم کی ضد ہے۔ لاعلمی ہدایت کی راہ کی رکاوٹ ہے۔ حکمران اور وڈیرہ اپنی قوم کو جاہل رکھنا چاہتا ہے تاکہ غلاموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے اور کوئی عقل مند بندہ پیدا ہو کر ان کے اقتدار کو چیلنج نہ کر سکے۔ پاکستان میں جہالت تقریباً ۸۰ فیصد ہے۔ بہت سے لوگ جو ہمیں

بظاہر پڑھے لکھے نظر آتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی پہلو سے جاہل ہیں۔

دینی مدرسے کے طالب علم کے پاس مدرسے کی سند ہے لیکن فنی اعتبار، حلال رزق کمانے یا یونیورسٹی کی تعلیم کے نقطہ نظر سے وہ جاہل انسان ہے۔ اسی طرح ایک شخص کے پاس بی اے کی ڈگری ہے لیکن جہالت کا یہ عالم ہے کہ انگریزی زبان میں نوکری حاصل کرنے کی درخواست بھی نہیں لکھ سکتا۔ ایم اے اسلامیات کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ وہ درس قرآن نہیں دے سکتا۔ ایک مریض کی آنکھ میں مچھر کا پر گر گیا۔ اس کی آنکھ میں جلن ہوئی۔ وہ اپنے شہر کے ایک ڈاکٹر کے پاس گیا۔ اس نے دوائی تجویز کر دی مگر مچھر کا پر آنکھ سے نہیں نکالا۔ آنکھ زیادہ سوج گئی۔ دوسرے دن میرے پاس آ گیا۔ میں نے آنکھ میں مچھر کا پر دیکھا اور اپنے ڈسپنسر سے کہا کہ وہ پر نکال دے۔ اس نے چمٹی سے وہ پر نکال دیا۔ مریض ٹھیک ہو گیا۔ اب اسے آپ کون سے علم کا نام دیں گے کہ ایک ڈسپنسر تو مچھر کا پر پہچان لیتا اور نکال بھی دیتا ہے لیکن ایم بی بی ایس کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ مچھر کا پر آنکھ کو خراب کر رہا ہے۔ اس طرح کی ہزاروں مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ کئی اعتبار سے یہ پڑھے لوگ بھی جاہل ہیں۔ اس جہالت کا اصل ذمہ دار ہمارا نصاب تعلیم ہے۔ ہمارے ہاں دنیا میں کام آنے والی تعلیم دی ہی نہیں جاتی بس پڑھے لکھے کلرک پیدا کیے جا رہے ہیں جو سرے سے دین کے کسی کام کے نہیں اور نہ ہی دنیا ہی میں کوئی مفید کام کر سکتے ہیں۔

اصل علم وہ ہے جو انسان کو خدا، رسول ﷺ، قرآن، رزق حلال، معاشرت، سیاست اور دیگر معاملات زندگی سے آگاہ کرے۔ زندگی کی ضروریات میں ہمیں پوری زندگی کے معاملات چلانے کی ہدایت دینی چاہیے، صرف نماز کی رہنمائی کافی نہیں۔ معیشت، معاشرت، سیاست کی رہنمائی بھی ضروری ہے۔ یہ رہنمائی صرف صحیح علم سے حاصل ہو سکتی ہے۔

بے حیا

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی،
اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں

الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج يَعِظُكُمْ نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق لو۔
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (النحل ۱۶:۹۰)

آج کل میڈیا کا دور ہے جو ہر وقت مسلمانوں کو بے حیا، بے غیرت اور عیاش بنانے میں لگا ہوا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلم اور ڈراموں کی ساٹھ سالہ تبلیغ کے نتیجے میں پاکستانی قوم بے پردہ ہو چکی ہے۔ ترکی میں اتاترک نے جب انقلاب برپا کیا تو قانون بنایا کہ کوئی عورت پردہ نہیں کرے گی۔ چوک میں سپاہی کھڑا ہوتا، جو برقعہ پوش عورت گزرتی اس کا برقعہ زبردستی اتار کر چوک میں جلا دیتا۔ اس طرح قانون، قوت اور ظلم کے ذریعے ترک عورتوں کو بے پردہ کر دیا گیا۔ ایک خاتون ممبر پارلیمنٹ کو سکارف پہن کر پارلیمنٹ میں آنے کی وجہ سے پارلیمنٹ کی رکنیت سے ہی فارغ کر دیا گیا لیکن پاکستان میں اس طرح کا تشدد نہیں ہوا۔ صرف ذرائع ابلاغ کے مسلسل پروپیگنڈے نے آج کی پاکستانی عورت کے سر سے دوپٹہ اتروا دیا ہے۔ یہ ساری سکیم قرآن کی خلاف ورزی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی بے حیائی کے کام، باتیں، ڈرامے، وغیرہ خریدے گا اور مسلمانوں کو بے حیا بنانے کی کوشش کرے گا اس کا برا انجام ہوگا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں
فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ لا فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النور ۲۴:۱۹)

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج (الانعام ۶:۱۵۱) ہوں یا چھپی۔

جو لوگ فحش حرکتیں کرتے، فحاشی کے فروغ کے لیے کوشاں اور اسلام کے پردہ کے احکامات کو غیر اہم سمجھ کر اعراض کر لیتے یا ان کی مخالفت کرتے ہیں، ایسے لوگ بھی ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں اور قوم کو بھی غلط راہوں پر ڈال کر ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد کر دیتے ہیں۔ ہم

نے زندگی میں کسی زانی کو خوشحال نہیں دیکھا۔ بے حیا عیاش شخص جلد کنگال ہو جاتا ہے۔

یہ مادی تباہی بھی ان بے ضمیر اور بے حیا لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں ہوتی اور وہ گرتے گرتے ذلت کی گہری غار میں گر جاتے ہیں جہاں سے نکل کر صراط مستقیم کی طرف آنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ اللہ ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ کچھ آرٹسٹ قسم کے لوگ لاکھوں معاوضہ لیتے، رئیسانہ زندگی گزارتے، شراب، کباب اور بے حیائی کے دوسرے کام کرتے ہیں۔ چند سال کے بعد جب جوانی کا جوبن ختم ہو جاتا ہے تو کینسر، آتشک، گردے فیل، ٹی بی جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور آخری عمر میں ذلت کی موت مرتے ہیں۔ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ فلاں فن کار کسمپرسی کے عالم میں پڑا ہوا ہے۔ عوام اور حکومت سے مدد کی اپیلیں کی جاتی ہیں۔ بے حیائی سے کمائی ہوئی حرام دولت ان کے کسی کام نہیں آتی۔ اگر کوئی بے حیا شخص بڑی دولت اکٹھی کر کے مر جائے تو اس کے وارث چند ماہ میں ہی وہ دولت عیاشیوں میں اڑا دیتے ہیں۔ ہم نے کئی گھر اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتے دیکھے ہیں۔ بے حیائی کی ساری خوشیاں عارضی اور سارے غم مستقل ہوتے ہیں۔ چند ساعتوں کی لذت کے لیے ہدایت سے محروم شخص اپنی ساٹھ سالہ زندگی کو عذاب بنا لیتا ہے۔

اعراض کرنے والا

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (یوسف ۱۲:۱۰۵)

زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (حم السجدہ ۴۱:۴)

مگر ان لوگوں میں سے اکثر نے اس سے روگردانی کی اور وہ سن کر نہیں دیتے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (الانبیا ۲۱:۱)

قریب آ گیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت، اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝ ان لوگوں کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو نئی نصیحت بھی آتی ہے یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

(الشعراء۲۶:۵)

اعراض کے کئی پہلو ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی ہدایات پر سنجیدگی سے توجہ نہ دینا، منہ موڑ لینا، پھر جانا، انہیں اتنا ہلکا اور بے کار سمجھنا کہ ان کی طرف دھیان نہ کرنا، ان کی قدر اور اہمیت کا صحیح اندازہ نہ کرنا' انہیں غیر سود مند سمجھ کر نظر انداز کر دینا۔ اعراض کا تعلق لاپرواہی کے ساتھ ہے۔ جن لوگوں کو کسی بات میں کوئی دلچسپی ہی نہیں تو اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ ان لوگوں کو زبردستی ہدایت فراہم کرتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ نے مفادات کا اصل مقام سمجھا دیا اب یہ لوگوں کا اپنا کام ہے کہ وہ صحیح مفاد کے حصول کے لیے کوشاں ہوں۔

دنیاوی مصروفیات کی وجہ سے انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنی ساری تگ ودو کا محور اس دنیا کو سمجھنے لگتا ہے۔ آخرت سے منہ موڑنا اور دنیا سے محبت کرنا گمراہیوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ ہدایت کا سچا طالب ہر وقت اپنے عمل کے نتائج پر نگاہ رکھتا ہے کہ اس کام کے نتیجے میں دنیا میں کیا ملے گا اور آخرت میں کیا ملے گا؟ عقیدے کی حد تک ہی نہیں عمل کی حد تک بھی آخرت کی جواب دہی اور آخرت کے مفادات کو ترجیح دینا ہدایت کے حصول کا شوق پیدا کرتا ہے اور آخرت کو نظر انداز کرنا گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

مفادات کی اس دنیا میں لوگ کاروبار، بچوں کی پرورش اور سیاسی امور میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ بیٹھ کر کچھ سوچ سکیں۔ دنیاوی مفادات کی دوڑ میں مصروف شخص کے پاس اہل حق کو دینے کے لیے وقت نہیں ہوتا اس لیے بات سنی ان سنی کر دی جاتی ہے۔ دین ایک ایسا علم اور دانائی ہے کہ جب تک انسان سکون سے بات پر توجہ نہ دے، دل میں جگہ نہیں پاتی۔ استغراق حق سے ہی ہدایت ملتی ہے۔ حق سے لاپرواہی نقصان دہ ہے۔ ہدایت زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے اس لیے اس کی طرف بھرپور توجہ کی ضرورت ہے۔ جب انسان کو

احساس ہو جائے کہ مجھے ہدایت کی ضرورت ہے اور یہ ہدایت صرف قرآن ہی سے ملتی ہے تو وہ پھر قرآن کو اہمیت دے گا اور سارے کام چھوڑ کر قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پڑھے گا اور یاد کرنے کی کوشش بھی کرے گا۔ اس کے برعکس جو ہدایت اور قرآن کو کوئی اہمیت نہیں دیتا وہ اس کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے وقت نہیں نکالتا۔

فرقہ پرستی کی وجہ سے بھی کچھ لوگوں کو حق کے صحیح ادراک سے نفرت اور چڑ ہو جاتی ہے۔ ایک فرقہ پرست شخص کو اس کے پیر نے سمجھایا کہ یہ کتاب پڑھ لو، تمہاری ہدایت کے لیے کافی ہے۔ اس کتاب میں کئی باتیں شریعت حقہ اور قرآن کے صریح احکام کے خلاف ہیں لیکن اسے چونکہ اپنے پیر سے محبت ہے اس لیے وہ قرآن کو پڑھنے اور حدیث کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں۔ اسے سو دفعہ سمجھائیں کہ تمہاری کتاب کے مندرجات غلط ہیں، صحیح بات یہ ہے لیکن یہ نفرت اور ضد اسے قرآن کی صحیح تعلیم سے منہ موڑ کر گمراہی میں مبتلا رکھتی ہے۔

اعراض کی ایک وجہ زہد اور علم کا تکبر ہے۔ انسان خود کو عقل کل اور عالم اجل سمجھتا ہے اس لیے وہ قرآن کی واضح تعلیمات کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس کا تکبر اسے جھکنے نہیں دیتا اب جو شخص قرآن کی سچی بات پر سر تسلیم خم نہیں کر سکتا اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟

انسان جب ایک خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کا کاروبار، عزت، شہرت، کرپشن، بداعمالیاں اسے سوسائٹی میں ایک مقام دے دیتی ہیں۔ اس کی سیاست و قیادت دنیا میں ایک مقام رکھتی ہیں اور باطل نظام کے ساتھ اس کے دنیاوی مفادات وابستہ ہو جاتے ہیں تو ایسے شخص کے سامنے قرآن کی آیات آجاتی ہیں کہ تیرا یہ طرز زندگی اور کاروبار زندگی ، سیاست، شہرت، ریاست سب غلط ہے تو وہ اپنے مقام سے نیچے گرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اپنی سیادت کو زیادہ اہم اور قرآن کی بات کو غیر اہم سمجھتا ہے۔ ایسے لوگ قرآن سے اعراض کرتے ہیں اور اپنے طرز زندگی کو ہی صحیح سمجھتے ہیں ۔ مرتے دم تک ہدایت سے محروم رہتے ہیں ۔ نام کے مسلمان ہوتے ہیں عملاً فاسق و فاجر اور منافق ہی ہوتے ہیں۔ قرآن سے منہ موڑنے والے صرف ہدایت سے ہی محروم

نہیں رہتے بلکہ ان کی معیشت بھی آخر کار برباد ہو جاتی ہے۔حرام کی کمائی اللوں تللوں میں ضائع ہو جاتی ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝	اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ۲۰:۱۲۴)

آیت میں ذکر سے مراد قرآن ہے۔ بے قدری بھی انسانی خرابی ہے۔ بے قدری کی ایک مثال پیش ہے۔دارالاصلاح کے محرم ۱۴۲۵ھ کے سالانہ اجلاس میں ''حقیقت ذکر'' کتاب چارسو کی تعداد میں مفت تقسیم کر دی، جو رہ گئے ان کو بعد میں مہیا کی گئیں۔اگست ۲۰۰۴ کے ماہوار اجتماع میں میں نے ۱۳۵ افراد سے سوال کیا کہ سب کو کتاب دی گئی تھی اور آپ حضرات میں سے کتنے ہیں جنہوں نے ''حقیقت ذکر'' کتاب پوری پڑھی ہے؟ صرف چار آدمیوں نے پڑھی تھی۔ کچھ نے تو سرسری نگاہ ڈالی اور کچھ نے بغیر پڑھے اپنے دوستوں میں تقسیم کر دی۔ مجھے اس بے قدری پر بہت دکھ ہوا۔میرے شاگردوں کے اعراض کا یہ حال ہے تو آگے کیا ہوگا، ہدایت کہاں اور کیسے ملے گی؟

غافل

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝	اگر سیدھا راستہ ان کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اس پر چل پڑیں گے اس لیے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے غفلت برتی۔

(الاعراف ۷:۱۴۶)

عدم دلچسپی اور کاروباری مصروفیات جب زیادہ ہو جاتی ہیں تو پھر انسان آخرت کے نتائج سے کلی طور پر غافل ہو جاتا ہے۔اس کے ذہن پر دنیاوی مفادات اتنے غالب آجاتے ہیں کہ کسی

دوسری جانب خیال ہی نہیں جاتا۔ایسی غفلت بھی انجام کار نقصان دہ ہے۔مثال کے طور پر ایک نہر میں معمولی سوراخ ہے۔اسے فوراً بند کر دیا جائے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن لاپرواہی اور غفلت کا مظاہرہ کیا جائے تو عین ممکن ہے کہ ایک دن اس مقام سے نہر ٹوٹ جائے اور علاقہ سیلاب زدہ قرار دیا جائے۔اسی طرح دنیا اور آخرت کے بہت سے مسائل ہیں کہ ان میں ذرا سی غفلت ایک بہت بڑے نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔آخرت تو خیر آنکھوں سے اوجھل ہے،خود اسی دنیاوی کاروبار میں بھی غفلت نقصان دہ ہے۔غافل شخص بھی ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ ہوشیاری اوصاف حمیدہ میں سے ہے:

اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ (التکاثر ۱۰۲:۱) غافل کیا تم کو بہتات کی حرص نے۔

اس آیت میں بھی غفلت کی مذمت کی گئی ہے کہ کثرت دنیا کے حصول میں انسان غافل ہو جاتا ہے۔اللہ سے تعلق اور اپنا نصب العین بھول جاتا ہے۔اہم چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ غفلت کسی بھی پہلو سے مفید طرز زندگی نہیں۔دنیاوی کام ہو یا دینی،ہر پہلو سے غفلت نقصان دہ ہے۔غفلت کا رشتہ اہمیت کے ساتھ ہے۔جب انسان ایک کام کو اہم سمجھتا ہے تو اس میں مصروف ہو جاتا ہے۔یہ مصروفیت دوسرے اہم کاموں سے انسان کو غافل کر دیتی ہے۔اکثر اوقات لوگ کھیل تماشے کی وجہ سے حق کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔

کاہل

اسلام کا تقاضا ہے کہ جب حکم دیا جائے تو اس پر فوراً عمل درآمد کر دیا جائے مثلاً نماز کے لیے وقت مقرر ہے۔جو لوگ اذان کے فوراً بعد نماز کے لیے اٹھ جاتے ہیں وہ با جماعت نماز ادا کر لیتے ہیں اور جو سستی کا مظاہرہ کریں اکثر اوقات ان کی با جماعت نماز فوت یا قضا ہو جاتی ہے:

وَاِذَا قَامُوۡۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوۡا كُسَالٰى جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لَا يُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَلَا يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ (النساء ۴:۱۴۲) کرتے ہیں۔

وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے اور زندگی بھی وقت کے مضبوط ضابطے میں کسی ہوئی ہے۔ سستی کا مطلب اس ضابطے کی خلاف ورزی ہے۔ حکم پر اگر فوراً عمل کر دیا جائے تو وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ انسان چل سکتا ہے۔

جو شخص وقت کے اس تیز رفتار دھارے سے باہر نکل جائے تو پھر میدان عمل میں وہ ناکارہ ہو جاتا ہے۔ سست انسان اسلام کے کام کا نہیں۔ ایسے بے کار شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے جدوجہد کو اسلام دوڑ کا نام دیتا ہے:

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ پس دوڑو اللہ کی طرف، میں تمہارے لیے اسی کی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔ (الذاریات ۵۱:۵۰)

جو لوگ اس دوڑ میں آگے نکل جاتے ہیں ان کے لیے سابقون کا اعزاز ہے اور ایسے لوگوں کو عام جنتیوں سے زیادہ بڑی جنت دی جائے گی۔ وہ خدا کے مقبول بندے گنے جائیں گے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ وہی تو مقرب لوگ ہیں۔ نعمت بھری جنتوں میں رہیں گے۔

(الواقعہ ۵۶:۱۰۔۱۲)

جو شخص اللہ کی رضا کی اس دوڑ میں شامل ہی نہیں، سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کر رہا ہے تو ایسے شخص کو ہدایت کی کیا ضرورت ہے اور اسے کون ہے جو ہدایت دے؟ اللہ کو تو ایسے بے کار لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ سست مزاج شخص صرف دین اور آخرت ہی برباد نہیں کرتا بلکہ اپنی دنیا بھی برباد کرتا ہے۔ سستی سے تیاری میں دیر ہوگئی تو گاڑی نکل جائے گی۔ سستی سے لیٹ ہوگئے اور جہاز پرواز کر گیا۔ سستی سے بروقت تیاری نہ کر سکے اس لیے انٹرویو کے لیے بروقت نہ پہنچ سکے اور اگر بروقت پہنچ گئے تو انٹرویو میں فیل ہوگئے۔ بعد میں ملازمت سے محرومی اور دنیا کی بے ثباتی کا گلہ کرنے بیٹھ گئے۔ کاش لوگ اپنی قسمت کو کوسنے سے پہلے اعمال کا محاسبہ کر لیتے کہ ان کی اس دنیاوی محرومی میں ان کی اپنی سستی کو کتنا دخل ہے؟

بخیل

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط (آل عمران ۳:۱۸۰)	جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں، وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ کنجوسی ان کے لیے اچھی ہے۔ نہیں یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے۔

سیم وزر کی اتنی شدید محبت کہ وہ اس مال ودولت کا پجاری ہی بن جائے:

فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ج (ص ۳۸:۳۲)	اس نے کہا ''میں نے اس مال کی محبت اپنے رب کی یاد کی وجہ سے اختیار کی ہے۔''
وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ (الفجر ۸۹:۲۰)	اور تم مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو۔
وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ (العادیات ۱۰۰:۸)	وہ مال ودولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔
تعس عَبْدالدِّيْنَاروَعَبْدالدِّرْهَم وَعَبْدالْخَميصة اَنْ اَعْطٰى رَضِى وَ اِنْ لَّمْ يعط سخط (بخاری)	ہلاک ہوا درہم، دینار اور چادر کا بندہ۔ اس کو یہ چیزیں دی جائیں تو خوش ہو جاتا ہے اور اگر نہ دی جائیں تو ناراض ہو جاتا ہے۔
لعن عبدالدينارولعن عبدالدرهم (ترمذی)	لعنت کی گئی درہم ودینار کے بندے پر۔

رزق حلال کمانا فرض اور بھیک مانگ کر کھانا حرام ہے۔ ادھار لے کر کھانا جائز ہے لیکن یہ ادھار جلدی واپس کرنا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر ادھار ادا کیے مر جائے تو اس کے ورثا پابند ہیں کہ جنازے سے پہلے پہلے قرض ادا کریں یا کوئی شخص ضامن بنے کہ وہ قرض اتار دے گا۔ متوفی کے ترکہ میں سے سب سے پہلے قرض اتارا جائے گا۔ اگر کسی وجہ سے قرض نہ اتر سکے اور قرض خواہ وہ قرضہ معاف بھی نہ کریں تو ایسے شخص کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ امیر المومنین اس کا

جنازہ نہ پڑھے گا۔کوئی غیر معروف شخص جنازہ پڑھا سکتا ہے۔روزمرہ کے کاموں کے لیے سیم وزر ایک ضروری عنصر ہے اس لیے اس کا کمانا جائز کیا گیا ہے البتہ اس سے محبت کرنا، اسے گن گن کر رکھنا اور اس کی طرف حرص کی نگاہ سے دیکھنا سب حرام ہے۔اس سے محبت کرنا بھی گناہ ہے۔ قرآن کا حکم ہے:

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۙ۝ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۝ یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ۝ (الھمزۃ ۱۰۴:۱۔۳)

تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائی کرنے کا خوگر ہے، جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔

اسلام کا اصل منشا یہ ہے کہ خوب رزق حلال کمایا جائے اور اسے ضروریات زندگی اور اللہ کی راہ میں بھی خرچ کیا جائے:

بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ۝ وَ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی ۝ (الاعلیٰ ۸۷:۱۶۔۱۷)

مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔

جو معاشرہ پہلے سے چل رہا ہے اس کے مالی اور سیاسی مفادات ہیں۔ اسلام اس معاشرے کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔مستقبل میں اسلام کے ذریعے آنے والی تبدیلیوں سے عوام کی اکثریت ناواقف ہے۔مالی مفادات کی کچھ ایسی ریت بن چکی ہے کہ لوگ موجودہ سیاسی و معاشی نظام سے تنگ اور بیزار ہونے کے باوجود خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے رائج الوقت نظام کو چھوڑ دیا تو پھر ہم موجودہ دنیاوی آسائشوں اور مفادات سے محروم ہو جائیں گے۔

نظام باطل سے حکمران، سرمایہ دار اور وڈیرے نے اپنے مفادات کچھ ایسے غلط انداز میں وابستہ کر لیے ہیں کہ لوگ اس بات سے بہت خوف زدہ ہیں کہ اگر ہم نے شریعت کی بالا دستی قبول کر لی تو پھر ہم زندہ کیسے رہیں گے؟ رشوت، بددیانتی، جھوٹ اور فریب کی سیاست لوگوں کی زندگی کا معمول بن چکا ہے۔ایسے معمول سے ہٹنا لوگوں کو گوارا نہیں۔کفار مکہ بھی اپنے باطل نظام پر

اصرار کی وجہ یہ بیان کیا کرتے تھے:

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ (القصص ۲۸:۵۷) اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ مل کر اس ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی سرزمین سے اچک لیے جائیں گے۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں (علامہ اقبالؒ)

رسم ورواج کی پابندی کرنے والے سمجھتے ہیں کہ اگر صحیح اسلام نافذ ہوگیا تو ہماری زندگی بڑی خشک اور بے مزہ ہو جائے گی۔ عیش وعشرت اور من مانیاں نہ کر سکیں گے۔ رائج الوقت غلط نظام سے چمٹے رہنے سے بھی ہدایت نہیں ملتی۔

اس ذہنی خلجان کے ازالے کے لیے اللہ نے وعدہ فرمایا کہ اگر تم صحیح انداز میں زندگی بسر کرو تو موجودہ دور سے کہیں زیادہ خوشحالی اور آسودگی تمہیں ملے گی۔ آج تو چند لوگ خوش حال ہیں لیکن اگر غلبہ اسلام ہو جائے تو عام غریب شخص بھی خوشحال ہوسکتا ہے۔ یہ وڈیرے کی مکروفریب کی سیاست ہے کہ غریب شخص کو اسلام کے ذریعے مستقبل میں ہونے والی یہ تبدیلیاں نظر نہیں آتیں۔ ایسے مفاد پرست بھی ہدایت سے محروم رہتے ہیں:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (النحل ۱۶:۱۰۷) یہ اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا، اور اللہ کا قاعدہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو راہ نجات نہیں دکھاتا جو اس کی نعمت کا کفران کریں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ (الحدید ۵۷:۲۰) خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا۔

دنیا کو زینت قرار دیا گیا ہے۔ دنیاوی مفادات کا لالچ محبت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انسان کے اعصاب پر کچھ اس طرح سے سوار ہو جاتا ہے کہ وہ شخص ہدایت کے معاملے میں غیر سنجیدہ رویہ اختیار کر لیتا ہے۔ حب دنیا کی وجہ سے اسلام سے دور رہتا ہے۔ مسلمان ہو یا کافر سب کو دنیا کی محبت، زینت اور مفادات کچھ اس انداز میں مصروف رکھتے ہیں کہ وہ شخص اللہ، اس کے رسول ﷺ اور قرآن کو بھول جاتا ہے اور ہر آنے والا دن اسے ہدایت سے دور لے جاتا ہے۔ حب دنیا کی وجہ سے وہ حق کی طرف سنجیدگی سے غور کرنے کو بھی تیار نہیں ہوتا۔

خوشحال آدمی کو جو غربت کے بعد دولت مند بنا ہو دوبارہ غریب ہونے کا خوف مال خرچ کرنے سے روک سکتا ہے۔ پیسے والوں کی قدر و منزلت کے باعث بھی لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس پیسہ ہوتا کہ ان کی زندگی آسانی سے گزر جائے۔ لوگ اپنے کاروبار اور عزت و توقیر کے لیے دولت خرچ کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات اسراف بھی کر جاتے ہیں۔ فضول خرچ لوگ بھی اللہ کے معاملے میں کنجوس بن جاتے ہیں۔

یہ خود غرضی اور نفس پرستی کا دور ہے اس لیے انسانی قدریں ہمدردی اور خیر خواہی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ ایک دوسرے سے محبت، شفقت اور خدمت کا سلوک نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے بھی لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اپنے روزمرہ کے کام مزدور ہی سے کروالیں گے مثلاً بیوی کھانا پکا کر نہیں دیتی تو ہوٹل سے دو چپاتیاں خریدیں اور کھانا کھا لیا۔ بیوی کی نیک تمناؤں سے پاکیزہ اور صفائی کے ماحول میں پکا ہوا کھانا زیادہ صحت افزا ہوتا ہے اور ہوٹل کے ملازم باورچی بغیر کسی وضو اور طہارت کے جو پکاتے ہیں وہ کہاں تک صحت افزا ہوگا؟ کنجوسی کی یہ شاخ کہ پیسے اپنے پاس ہوں گے تو بیوی اور اولاد خدمت کرے گی یعنی محبت کو بھی خریدا ہی جائے کتنا کرب ناک ہے۔ محبت اور خدمت کوئی بکنے والی چیز تو نہیں، ان کا تعلق تو قلب کے ساتھ ہے۔

بدقسمتی سے اب خدمت کرانے اور کرنے والے دونوں پیسے کے پجاری بن گئے ہیں اور لوگوں نے محبت کو بھی خریدنا اور بیچنا شروع کر دیا ہے۔ جب درد دل اور خلوص بھی منڈی کا مال بن

جائے تو پھر ہدایت بے چاری کہاں سے ملے گی؟

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ بڑا گھمنڈ لے بیٹھے یہ اپنے نفس میں اور حد سے گزر گئے یہ اپنی سرکشی میں۔ (الفرقان ۲۵:۲۱)

لوگ دولت کو گن گن کر رکھتے ہیں کہ ایک ایک پیسہ جوڑنے سے ہی تو انسان امیر بنتا ہے۔اس طرح لوگ امیر تو شاید نہ بن سکیں، کنجوس ضرور بن جاتے ہیں۔دولت گننے میں بھی ایک خاص مزہ ہے۔نوٹوں کی لمس سے نفس کو لطف آتا ہے۔جس طرح سخی میں بہت سی خوبیاں مزید پیدا ہوجاتی ہیں اسی طرح کنجوس میں بہت سی خرابیاں مزید جمع ہوجاتی ہیں۔کنجوس انسان دل کا سخت ہو جاتا ہے۔اس کی محبت کے معیار بدل جاتے ہیں۔ جہاں سے مال ملے وہ لوگ اچھے،جن کو دینا پڑے وہ مقدس رشتے بوجھ بن جاتے ہیں۔اپنی اولاد اور ضروریات زندگی پر خرچ کرنا بھی ایک مصیبت بن جاتا ہے۔حتیٰ کہ کنجوس انسان اگر بیمار پڑ جائے تو خود اپنی دوائی اور علاج پر بھی خرچ نہیں کرتا۔ڈاکٹر کو فیس دیتے وقت کنجوس کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

کنجوس کی عجیب نفسیات ہیں کہ وہ اپنے بوڑھے باپ کے علاج پر بہت کم خرچ کرتا ہے لیکن اسی بوڑھے کے مرجانے کے بعد چالیسویں پر کئی ہزار روپے خرچ کر دیتا ہے۔نمود و نمائش اور دوسروں کو مرعوب کرنے کے لیے کنجوس بھی فضول خرچ بن جاتا ہے۔بخیل کو نہ تو ہدایت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ایسے لوگوں کو اللہ بھی ہدایت نہیں دیتا۔بخیل کی دولت اکثر ضائع ہی ہوجاتی ہے۔کسی مفید کام میں خرچ نہیں ہوتی۔

بڑا بننے کا خواہش مند

اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ کیا میری آیات تم کو نہیں سنائی جاتی تھیں؟ مگر تم نے تکبر کیا اور مجرم بن کر رہے۔

(الجاثیہ ۴۵:۳۱)

ہمارے ملک میں پیر آف دیول شریف کی درگاہ پر عقیدت و احترام سے صدر مملکت جا تو

سکتے ہیں لیکن پیر صاحب کو بذات خود صدر مملکت نہیں بنایا جا سکتا۔ یعنی ارسطو ملک کا دانش ور اور فلسفی تو بن سکتا ہے لیکن سکندر کی جگہ ملک کا حکمران نہیں بن سکتا۔ یہ اس ملک کا ہی نہیں ساری دنیا کا چلن ہے۔ بادشاہی کو تو چھوڑیں ایک عام انسان خواہ کتنا ہی اللہ والا ہو، عام سادہ دیہاتی لباس میں ہو تو خود اس کے اپنے متوسلین بھی اسے کسی عزت و وقار کا اہل نہیں سمجھتے اور وہی شخص اگر رئیسانہ لباس میں ہو تو ہر کوئی ادب سے جھکا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کوئی عزت کرانا چاہتا ہے وہ رئیسانہ لباس پہنتا ہے اور اپنی دولت کی نمائش لگاتا ہے۔ لوگوں کا ذہن اتنا بدل چکا ہے کہ ہمارے ہاں اردو زبان میں امیر (سربراہ) دولت مند شخص کو کہتے ہیں یعنی عربی کا لفظ جب اردو میں تبدیل ہوتا ہے اس کے معانی میں اقتدار اور دولت شامل ہو جاتے ہیں۔ اس پس منظر میں لوگ دولت کمانے، جمع کرنے اور صاحب مال بننے کی خواہش کو پروان چڑھاتے ہیں۔

خائن

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِىْ كَيْدَالْخَآئِنِيْنَ ۝ (عزیز) یہ جان لے کہ میں نے درپردہ اس کی خیانت نہیں کی تھی اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں ان کی چالوں کو اللہ کامیابی کی راہ پر نہیں لگاتا۔ (یوسف۱۲:۵۲)

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝ (النساء۴:۱۰۷) جو لوگ اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں تم ان کی حمایت نہ کرو اللہ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے جو خیانت کار اور معصیت پیشہ ہو۔

خیانت ایک کبیرہ گناہ ہے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

لَااِيْمَانَ لِمَنْ لَّااَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّاعَهْدَ لَهٗ (مشکوٰۃ بروایت انس) جس میں امانت داری نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس میں وعدے کی پابندی نہیں اس کا دین نہیں۔

عام طور پر امانت کا تعلق مالیات سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اگر کسی کے پاس کچھ رقم بطور امانت رکھ دے تو دوسرے شخص کو امانت کی حفاظت کرنی چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کے ۹۹ ناموں

میں سے ایک ''امین'' بھی ہے۔ چنانچہ سنت رسول ﷺ کی پیروی میں ہر خاص و عام کو دیانت دار ہونا چاہیے۔ یہ اسلام کا حکم ہے لیکن بدقسمتی سے ہر کلمہ گو دیانت دار نہیں ہے۔

خیانت کے کئی پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کی امانت کو خرچ کر کے ضائع کر دیا جائے یا پھر ضائع تو نہ کیا جائے اس رقم کو کاروبار میں لگالیں اور مالک کو مطالبے پر واپس کر دیں۔ دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ مال کے ساتھ اس کا کاروباری منافع بھی واپس کیا جائے۔ اول تو امانت کو کاروبار میں لگانا ہی غلط ہے لیکن اگر یہ غلطی ہو جائے تو پھر اس کا منافع صحیح انداز میں دینا چاہیے۔ اسی طرح خلافت ارضی ایک امانت ہے جو انسان کے پاس ہے۔ دولت بھی انسان کے پاس امانت ہے۔ قرآن کا پیغام جو ہم تک پہنچا یہ بھی امانت ہے۔ اللہ کے قانون ہدایت میں یہ طے شدہ ہے کہ خائن کو ہدایت نہیں ملتی۔ اگر وہ جماعتی اموال اور مقاصد کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتا تو وہ بھی خائن ہے۔ یہ خیانت ہے کہ انسان کے پاس علم ہو اور دوسروں کے سامنے صحیح مسئلہ جانتے بوجھتے بیان نہ کرے۔

خائن کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے وہ غلط اور گمراہ ہوتا ہے۔ خائن کی اصلاح کا واحد ذریعہ توبہ و استغفار اور امانتوں کو حق داروں کی طرف لوٹانا ہے۔ اگر کوئی خیانت کو صحیح سمجھ کر امانتیں ضائع کر دے تو اس میں دین اور آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔ گمراہ لوگ خود اپنی ذات کے ساتھ بھی خیانت کرتے ہیں۔ نفع بخش سچائی کو چھوڑ کر نقصان دہ برائی کو اپناتے ہیں۔

متشکّک

بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡ ذِكۡرِىۡ ۚ بَلۡ لَّمَّا يَذُوۡقُوۡا عَذَابِ ۞ (ص ۳۸:۸) اصل بات یہ ہے کہ یہ میرے ذکر (قرآن) پر شک کر رہے ہیں اور یہ ساری باتیں اس لیے کرتے ہیں کہ انہوں نے میرے عذاب کا مزا چکھا نہیں ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابُ ۞ (المومن ۴۰:۳۴) اس طرح اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شکی ہوتے ہیں۔

اِنَّهُمۡ كَانُوۡا فِىۡ شَكٍّ مُّرِيۡبٍ ۝ یہ بڑے گمراہ کن شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

(سبا ۳۴:۵۴)

اَلَاۤ اِنَّ الَّـذِيۡنَ يُمَارُوۡنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ۝ (الشوریٰ ۴۲:۱۸) خوب سن لو! جو لوگ اس گھڑی کے آنے میں شک ڈالنے والی بحثیں کرتے ہیں۔وہ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

شک خطرناک مرض اور ہدایت کی راہ کی رکاوٹ ہے۔اس کے کئی پہلو ہیں۔دو شخص آپس میں کسی ضروری بات کے لیے مجلس سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں۔حاضرین مجلس میں سے کسی کے دل میں شک پیدا ہوسکتا ہے کہ اب یہ باہر جا کر میری چغلی کریں گے۔ایک مرد اور عورت ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر بات کر رہے ہیں اور راہ گیر خواہ مخواہ شک کر لیتے ہیں کہ یہ بدمعاش ہیں حالانکہ وہ دونوں میاں بیوی اور بہن بھائی بھی ہوسکتے ہیں۔

شک ہر بات، مقام اور موقع پر پایا جاتا ہے مثلاً خود وجود باری تعالیٰ میں، نبی ﷺ اور قرآن کی صداقت میں، نصب العین کے تعین میں، خدا کی بنائی ہوئی تقدیر میں، انقلاب کے طریق کار میں، جو کام ہو رہا ہے اس کے اچھے نتائج پر اور آخرت پر شک۔

شک کی وجہ سے انسان ہر وقت پریشان اور بدحال رہتا ہے۔شک انسان کا مزاج بن جاتا ہے۔شکی مزاج شخص کو کبھی بھی ہدایت نہیں مل سکتی۔ ہدایت ہمیشہ صالح اور راسخ العقیدہ انسانوں کو ملتی ہے جو کسی بھی معاملے میں شک نہیں کرتے۔بات سمجھ آ گئی تو مان گئے۔نہ سمجھ آئی تو شک کرنے کی بجائے اللہ کے سپرد کر کے کسی بہتر کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔شک سے کسی بھی کام کا آغاز نہیں کرنا چاہیے۔پہلے علمی ذرائع سے پوری تحقیق کرنی چاہیے پھر کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔شک کی بنیاد پر کیے گئے اقدامات اکثر غلط ہوتے ہیں۔

عام مسلمان خدا اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں تو شک کم کرتے ہیں البتہ جب ان کے سامنے کوئی تقریر کی جائے جو ان کے اپنے علم اور عقیدے کے مطابق نہ ہو تو پھر وہ مقرر کی باتوں میں شک کر لیتے ہیں کہ مقرر نے صحیح بات نہیں کی۔اپنے فرقہ وارانہ تعصّبات کی وجہ سے بعض

اوقات احادیث کی روایت میں شک کا اظہار کر لیتے ہیں۔ کئی سو سال سے چونکہ اسلام حکومت اور سیاست سے خارج ہے اس لیے جب بھی اقامت دین اور حکومت الٰہیہ کی بات کی جاتی ہے تو لوگ کہنے والے پر شک کر لیتے ہیں۔ نیک لوگ عام طور پر الیکشن ہار جاتے ہیں اس لیے بھی جمہوریت کے ذریعے اسلام کے نفاذ میں بھی لوگ بہت مشکوک ہو گئے ہیں۔ اہل اقتدار کے غیر جمہوری اقدامات کی وجہ سے بھی لوگوں کو شک ہے کہ جمہوریت شریعت کے نفاذ کے لیے ٹھیک نہیں حالانکہ موجودہ دور میں قانونی اور آئینی ذرائع سے اسلام آ سکتا ہے۔ فی الحال اسلام کے غلبہ کا کوئی دوسرا طریقہ قابل عمل نہیں۔ مجھے اس امر پر شرح صدر ہے کہ جو لوگ ہمیں ووٹ نہیں دے سکتے وہ آگے بڑھ کر ہمارے ساتھ گولیاں کیسے کھا سکتے ہیں؟ جہاد کا اپنا ایک مقام ہے۔ اللہ کی راہ میں قتل کرنا اور شہید ہونا بھی بہت بڑی نیکی ہے۔ پاکستان کے موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ شرح صدر کے ساتھ قانونی ذرائع سے ہی اسلام نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔ شک میں پڑ کر نہ ہم خود کچھ کر سکیں گے اور نہ ہی دوسروں تک حق پہنچا سکیں گے اور اگر ہمارے سننے والے شک میں پڑ گئے تو پھر اس قوم کو ہدایت ملنے کے امکانات بہت کم رہ جائیں گے۔

متردّد

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝	ایسی درخواستیں صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں رکھتے، جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متردّد ہو رہے ہیں۔

(التوبہ۹:۴۵)

تردد اور تذبذب انتہائی نقصان دہ انسانی خرابیاں ہیں۔ کبھی خیال آتا ہے کہ یہ کام صحیح ہے کرنا چاہیے، ابھی وہ کام شروع نہیں کیا تو خیال آجاتا ہے کہ نہیں یہ کام غلط ہے۔ ان خیالوں میں سے کون سا خیال صحیح ہے اور کون سا غلط، اس کی تمیز و تفریق کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و خرد اور حکمت و دانش سے نوازا ہے۔ تردد اور تذبذب سے جلد نکل آنا ضروری ہے ورنہ کام خراب ہو

جاتا ہے۔ دانش مندوں کا قول ہے کہ پہلے خیال پر عمل کرنا چاہیے اور اگر انسان خود کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا تو پھر کسی اہل دانش سے مشورہ کر لیا جائے۔ شک تردد میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ علم کی کمی بھی تردد کو تقویت دیتی ہے۔ چند قدم حق کے ساتھ چلنا اور پھر حق سے انحراف کر لینا انسانی زندگی کے عجائبات میں شامل ہے۔ تذبذب بڑے خطرناک بحرانوں کو جنم دیتا ہے:

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ کفر و ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں۔ نہ پورے اس طرف ہیں نہ پورے اس طرف۔ جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔

(النساء۴:۱۴۳)

ایک آدمی کوئی حکمت عملی اختیار کرتا ہے۔ چند دنوں کے بعد اسے محسوس ہو جاتا ہے کہ کام غلط ہو رہا ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر نئی حکمت عملی اختیار کرتا ہے اور اس طرح ایک کام کرتا اور پھر چھوڑ جاتا ہے۔ یہ لا ابالی پن بھی سخت نقصان دہ ہے۔ تردد کی ایک وجہ نفس کا اضطراب ہے۔ انسان اگر پِتہ مار کر دل جمعی سے کام کرے تو حسب دل خواہ نتائج نکل سکتے ہیں۔ جب کام ہی لاپرواہی سے کیا جائے اور نتائج صحیح مرتب نہ ہوں تو حکمت عملی کو کوسنا غلط ہے۔ عدم اعتماد اور بدظنی بھی انسان کو متردد بنا دیتی ہے۔ متذبذب شخص ساری عمر ضائع کر کے بھی ہدایت نہیں پا سکتا۔

کذّاب

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔ (المومن۴۰:۲۸)

جھوٹ انسان کو حد اعتدال سے ہٹا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کے لیے لفظ مُسْرِف بھی استعمال کیا ہے۔ اعتدال کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی عقل اور جذبات میں توازن قائم رکھے۔ حق اسی توازن کا دوسرا نام ہے۔ جب لوگ اپنی بے وقوفیوں کے باعث حد اعتدال سے دور ہٹ جاتے ہیں تو پھر مالی و جانی نقصان کا خطرہ پیدا ہوتا ہے اور اچھے برے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

بے لگام شخص بات بات پر جھوٹ بھی بولتا ہے اور دوسروں کو بھی جھوٹا ہی خیال کرتا ہے۔ انسان میں اگر خود کوئی کمزوری موجود ہو تو سمجھتا ہے کہ دوسروں میں بھی ایسی ہی کمزوری لازماً موجود ہوگی۔ جب انسان سب کو جھوٹا سمجھ لیتا ہے تو پھر بڑی ڈھٹائی سے خود بھی جھوٹ بولتا ہے اور حق کو بھی جھٹلاتا ہے۔ بعض اوقات جھوٹ کے ماحول میں جھوٹے شخص کو کچھ دنیاوی مفادات مل بھی جاتے ہیں۔ اس طرح ایک دفعہ فائدہ مل جانے سے مستقل ذہن بن جاتا ہے کہ مفاد جھوٹ ہی سے ملتا ہے۔ اگر ماحول بھی اس جھوٹ کے لیے سازگار ہو تو پھر حق اور سچ کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ جھوٹ سے ایک کامیابی کے بعد اگر سو مرتبہ بھی نقصان ہو جائے تو بھی جھوٹا شخص شرمندگی محسوس نہیں کرتا۔ یہ سو ناکامیاں اس ایک کامیابی سے ہلکی محسوس ہوتی ہیں۔ ایسے بگڑے ہوئے شخص کی اصلاح کے تمام طریقے ناکارہ ہو جاتے ہیں جب تک یہ شخص جھوٹ کو چھوڑ کر راہ اعتدال پر واپس نہیں آتا، کوئی وزنی سے وزنی دلیل اسے متاثر نہیں کر سکتی۔ ایسے جھوٹوں کے لیے کوئی ہدایت نہیں خواہ وہ ساری عمر مسجد ہی میں گزار دیں۔ جھوٹ اور حق کی طرف رہنمائی ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

سنی ان سنی کرنے والا

يَّسۡمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰى عَلَيۡهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا ۚ اس شخص کے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ وہ ان کو سنتا ہے پھر پورے استکبار کے ساتھ اپنے کفر پر اڑا رہتا ہے کہ گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ (الجاثیہ۴۵:۸)

یہ تو تھی کافروں کی بات کہ تکبر اور لاپرواہی سے اللہ کی بات نہ سنی اور گمراہ رہ گئے۔ آج کے نام نہاد نیک لوگ بھی اگر قرآن کو کان کھول کر نہ سنیں اور اس پر تدبر و تفکر نہ کریں تو یہ بھی ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جب بات دھیان سے سنی ہی نہ جائے تو اس کا قلب پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ ایک حکم الٰہی کسی بستی تک پہنچا ہی نہیں تو ایسے لوگ جہالت کا عذر کر سکتے ہیں لیکن جب حق ایک بستی تو کیا ایک ایک فرد کے کانوں تک پہنچ جائے۔ پوری وضاحت سے سمجھا دیا

جائے تو پھر بھی اگر وہ لوگ بات دھیان سے نہ سنیں تو اس سے بڑی محرومی اور کیا ہو سکتی ہے؟

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (الانفال ۸:۲۱)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا مگر وہ نہیں سنتے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْإِنْسِ صلے لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (الاعراف ۷:۱۷۹)

اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں کہ جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانورں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں۔

کافر کہتے تھے:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (حم السجدہ ۴۱:۲۶)

''اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو شاید کہ اسی طرح تم غالب آ جاؤ۔''

ایک آدمی خود سننا نہیں چاہتا، مخالفت کرتا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ دوسرے بھی میرے مخالف کی بات نہ سن سکیں۔ مکے کے کافر یہ حرکت کرتے تھے کہ نبی ﷺ کی تقریر اور گفتگو کے دوران شور برپا کر دیتے۔ آج بھی مخالف کی تقریر کو خراب کرنے کی کوشش کرنے والے سیاست دان، حکمران اور مخالف گروہ موجود ہیں۔ حکومت مخالف پارٹی کا جلسہ خراب کر دیتی ہے۔ علماء کرام بھی کوشش کرتے ہیں کہ مخالف عالم کی بات عوام تک نہ پہنچے۔ لوگ مسجدوں میں تقریر کی اجازت اسی لیے نہیں دیتے کہ کہیں ہمارے نظریے کے خلاف بات ہمارے مقتدیوں تک نہ پہنچ جائے۔

بات پہلے کانوں تک پہنچتی ہے۔ اگر انسان بات دھیان سے سنے، اس پر غور کرے، اسے میزانِ عقل پر تولے اور ضمیر سے مشورہ لے تو غالب امکان ہے کہ ایک ہی دفعہ سن کر بات پر یقین کر

لے۔ روزمرہ زندگی میں لوگ بات ایک ہی دفعہ سنتے ہیں اور عمل درآمد کر لیتے ہیں لیکن قرآن ایک ایسی کتاب ہے کہ لوگ اسے بار بار سنتے ہیں اور پھر بھی دھیان سے نہیں سنتے۔ جب کبھی میں کسی حافظ قرآن کو غلط کام کرتے دیکھتا ہوں تو مجھے سخت صدمہ ہوتا ہے کہ اس نے کیا یاد کیا ہے؟ قرآن صرف اس کی یادداشت ہی میں محفوظ ہے، اس کے علم، عقل اور تدبر پر اس کا کوئی اثر نہیں۔

عربی ہمارے لیے ایک غیر زبان ہے۔ ہم کم ہی اس کا فہم رکھتے ہیں اس لیے بھی قرآن ہمارے کانوں سے آگے قلب تک نہیں پہنچتا۔ قرآن کا مطالعہ ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ کرنا چاہیے۔ قرآن کو دھیان سے سننے میں اس کے معانی کا فہم حاصل کرنا بھی شامل ہے۔ اس لیے یہ لازم ہے کہ جانوروں کی سطح سے بلند ہو کر حق کی آواز کو دھیان سے سنا جائے۔ ہوش و خرد کو استعمال کر کے اس پر غور کیا جائے اور جو بات صحیح انداز میں قلب تک پہنچ جائے پھر نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر اس پر عمل کیا جائے، انشاء اللہ ہدایت مل جائے گی۔ دھیان سے بات کو سننے اور سمجھنے والے لوگوں کو تو جہلاء سے بھی ہدایت مل جاتی ہے۔ انسان کی ہدایت کے لیے صحیح انداز میں سننے کی اہمیت کے پیش نظر حکم دیا گیا:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (الاعراف ۷:۲۰۴) اور جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو جائے۔

صرف ہدایت ہی کے لیے نہیں زندگی کے ہر معاملے میں کسی فرد کی بات، خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، دھیان سے سنی چاہیے۔ کئی دفعہ بچے ایسی بات بتا دیتے ہیں جس کو سن کر انسان بڑے نقصان سے بچ جاتا ہے اور بڑوں کے مشورے اور نصیحتیں تو بہت ہی مفید ہوتی ہیں۔ ہر بات کو دھیان سے سننے میں کامیابی ہے۔

یہ سوال بار بار ذہن میں آتا ہے کہ اللہ کی کتاب ہدایت دینے کے لیے بے تاب ہے اور لوگ بات دھیان سے سننے کو تیار نہیں۔ آخر یہ آسان سی بات ان کو سمجھ کیوں نہیں آتی؟ ناظرہ تلاوت پر سر دھنیں گے لیکن غور و فکر اور تدبر کر کے ان آیات کریمہ سے ہدایت کی جستجو نہیں کریں

گے۔بات کوسمجھ کراس کی تہہ میں جانے کی بجائے ہدایت سے محروم رہنے کو پسند کریں گے۔بات دھیان سے نہ سننے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سننے والے بات کوغیر ضروری سمجھ کراہمیت نہیں دیتے اور وہ اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں جوان کے خیال میں ضروری ہوتے ہیں۔

انسان اپنی زندگی کا ایک نظم الاوقات بنائے۔کام کے وقت میں کام کرے،معاش کے وقت میں روزی کمائے اورعلم کے وقت میں تفہیم القرآن کا باقاعدگی سے مطالعہ کرے۔اگر سارا دن معاش ہی کودے دیا جائے تو زندگی اور بھی مصروف ہوجائے گی۔ایسے تھکے ماندے شخص کے پاس ہدایت حاصل کرنے کا شوق اوروقت دونوں نہیں ہوتے۔اگر معاشی جدوجہد کوتھوڑا سا کم کر دیا جائے تو تعلیم وتربیت کے لیے وقت نکالا جاسکتا ہے۔کچھ لوگ کھیل تماشے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ان کے کھیل کے وقت کے علاوہ فرصت میں ملاقات کرکےان کوسمجھایا جائے تو شاید بات مان جائیں لیکن جولوگ عملاً کھیل میں مصروف ہوتے ہیں ان پر کوئی تبلیغ اثر نہیں کرتی۔

کچھ لوگوں کواپنے عقائد پر اندھا اعتقاد ہوتا ہے کہ لوگ جسے غلط کہیں وہ اسے صحیح ہی سمجھتے ہیں۔صدیوں کے زوال کے نتیجے میں بہت سی غیر اسلامی رسمیں اسلام میں داخل ہوگئی ہیں۔ان غلط رسموں کے خلاف بات کریں تو کوئی سننے کو تیار نہیں ہوتا مثلاً شادی پر بارات کا کوئی شرعی ثبوت نہیں۔اسی طرح جہیز،مہندی، مایوں، ڈھول باجا بھی شرعاً غلط ہیں لیکن سمجھانے کے باوجود کوئی شخص ان ہندوانہ رسوم کو چھوڑنے کو تیار نہیں۔پاکستان کے اکثر باشندوں کے آباؤاجداد صدیوں پہلے ہندو تھے۔یہ لوگ مسلمان تو ہو گئے لیکن اپنے رسم ورواج ساتھ لائے اور کتنی نسلیں گزرنے کے باوجود لوگ یہ فضول رسمیں چھوڑنے کو تیار نہیں بلکہ کسی خیر خواہ کی بات تک سننے کے روادار نہیں۔اسی طرح فرقہ پرست مسلمانوں کوقرآن کی واضح آیات پڑھ کر سنائیں کہ فرقہ پرستی حرام ہے تو ایسے لوگ بات سننے کو بھی تیار نہیں ہوتے۔مولوی، پیر، عامل کو ہمارے معاشرے میں تقدس حاصل ہے۔تعویذ، دھاگا اور عملیات کے ذریعے لوگ ان کے قریب آتے ہیں اور پھران کا رنگ قبول کرتے ہیں اوران کے پکے عقیدت مند مرید بن جاتے ہیں۔ان لوگوں کولاکھ سمجھائیں کہ حق

پرست پیروں کی بات اور ہے اور باطل مفاد پرست پیروں کی بات اور، کوئی بات سننے کا بھی روادار نہیں اور ناصح کو وہابی کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ ان مقدس ہستیوں کے متعلق یہ گمان کرنے کو بھی تیار نہیں کہ ہمارے بزرگ کوئی غلط کام بھی کر سکتے ہیں بلکہ عقیدت مند تو پیروں کے گناہوں کو بھی صحیح اور نیکی سمجھتے ہیں اور ان کی ملامت کرنے والے کا سر پھاڑنے کو جاتے ہیں:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ۖ وَّغَرَّهُمۡ فِىۡ دِيۡنِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ۝ (آل عمران ۳:۲۴)

ان کا یہ طرز عمل اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں ''آتش دوزخ تو ہمیں مس تک نہ کرے گی اور اگر دوزخ کی سزا ہم کو ملے گی بھی تو بس چند روز۔'' ان کے خود ساختہ عقیدوں نے ان کو اپنے دین کے معاملے میں بڑی غلط فہمی میں ڈال رکھا ہے۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ بات نہ سننے اور سمجھنے کی وجہ لوگوں کا خود ساختہ دین ہے۔ یہی بڑی وجہ ہے کہ لوگوں کو حق کی بات سمجھ نہیں آتی۔ اگر کوئی شخص تحقیق کرنے کے لیے گھر سے نکلے اور دل کی سچائی سے بات کی تہہ تک پہنچے اور ہدایت حاصل کرنے کی فکر رکھتا ہو تو پھر وہ تعصّبات، جہالت اور اپنے پہلے سے قائم نظریات کو حق کی راہ میں حائل نہیں ہونے دے گا۔ اگر اسے اعتماد حاصل ہو جائے کہ سمجھانے والا واقعی مخلص اور خیر خواہ ہے اور اس خیر خواہ کی بات دل لگتی اور مدلل ہے تو پھر وہ بات دھیان سے سن لیتا ہے۔ اکثر لوگ گھنٹوں تقریر سنتے ہیں لیکن مجلس سے فارغ ہو کر جب گھر پہنچتے ہیں تو ہدایت سے محروم ہی ہوتے ہیں۔ ترجمہ جانے بغیر قرآن سے از خود ہدایت حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ ترجمہ اور تفسیر کا علم حاصل ہونے سے بات سمجھنا آسان ہو جاتی ہے۔ فہم، تدبر، تفکر اسی وقت ہو سکتا ہے جب عربی زبان اور ترجمہ قرآن طالب علم کو آتا ہو۔

سخت دل

اللہ تعالیٰ یہودیوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں:

ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر کار تمہارے دل

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَة ط سخت ہو گئے۔ پتھروں کی طرح سخت بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی زیادہ۔ (البقرہ۲:۷۴)

سخت دل وہ ہے جو کسی احسان، مروت، توجہ، خلوص اور محبت سے عاری ہو۔ جس پر کسی نصیحت و تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہو۔ دل کی سختی کچھ تو فطری اور جبلی ہوتی ہے اور کچھ ماحول اور تربیت سے ہو جاتی ہے۔ اس کی ابتدا نفرت سے ہوتی ہے۔ اگر تو غصہ و نفرت اسلام کی میزان عدل پر رہیں تو ایک قابل ستائش جذبہ ہے لیکن اگر نفرت کی وجہ سے نیکی اور بدی کی پہچان ہی ختم ہو جائے تو پھر دل سخت ہو جاتے ہیں اور مخالف کی ہر نیکی بھی برائی ہی نظر آنے لگتی ہے۔ نفرت انسانوں سے ہو یا معاشرے سے، اپنوں سے ہو یا بیگانوں سے حق کی راہ روک دیتی ہے۔ سخت دل انسان کی پسند کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ اس کی مرضی جسے چاہے پسند کرنا شروع کر دے، جسے چاہے نفرت کرنا شروع کر دے۔ بس ایک دفعہ نفرت ہوگئی پھر مروت اور احسان کے تمام دروازے بند:

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ط كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھینچتا ہے کہ اسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے، اس طرح اللہ ناپاکی ان لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (الانعام۶:۱۲۵)

خود غرضی، لالچ، حرص اور مفاد پرستی سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا مفادات کی دنیا ہے۔ اگر انصاف کے ساتھ سب کو مفاد ملتا رہے تو دل نرم رہتے ہیں لیکن اگر عدل و انصاف کو ختم کر دیا جائے اور خود غرضی سے ہی مفاد مل سکیں تو دل سخت ہو جاتے ہیں۔ تکبر نے ابلیس کے دل کو ہمیشہ کے لیے سخت کر دیا:

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ق وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ابلیس نے انکار کیا، وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔ (البقرہ۲:۳۴)

تکبر نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے لیے فرعون کے کان بہرے کر دیے۔ ہم جنسوں پر اقتدار اور حکم چلانے کی خواہش بھی دل کو سخت کر دیتی ہے۔ کنجوسی بھی دلوں کو سخت کرتی ہے اور انسان کو بے رحم بنا دیتی ہے۔ مال کی محبت انسان کو یہ تاثر دیتی ہے کہ خرچ کرنے سے مال کم ہو جائے گا۔ مال دار بننے کی خواہش رحمت اور اخوت کے جذبات ختم کر دیتی ہے۔ نفاق بھی انسان کو بزدل اور سخت دل بنا دیتا ہے۔ منافق ذاتی مفاد کے لیے ہر ظلم کو روا سمجھتا ہے۔

ایک گناہ دوسرے گناہ کے لیے جگہ بناتا ہے۔ ایک گناہ سے دل میں جہالت اور شقاوت کی سیاہی کا داغ پڑ جاتا ہے۔ گناہوں کی کثرت سے دل سے رحمت وشفقت کا نور غائب ہو جاتا ہے اور دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر ایک ایسی گھڑی بھی آتی ہے جب دل کی تاریک بستی میں نیکی اور بدی کی تمیز مٹ جاتی ہے اور سخت دل انسان اپنے اختیار کو صرف برائی ہی کے لیے استعمال کرتا ہے اور یہ وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اب کوئی تبلیغ اس سیاہ اور سخت دل پر اثر نہیں کرتی۔ کوئی مروت، کوئی صلہ رحمی اس دل کو نرم نہیں کر سکتی۔ زہد و پارسائی کا زعم بھی انسان کے دل کو سخت کر دیتا ہے اور ایسے لوگ ہدایت پا کر پھر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عاجزی انسان کی شان امتیاز ہے اور بزعم خود زاہد لوگوں کا تکبر ان کی عاجزی کو ختم کر دیتا ہے۔

جب ہم صلیبی جنگوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں عیسائی راہب نہایت ہی ظالم اور سخت دل نظر آتے ہیں حالانکہ رہبانیت کی ابتدا نرم دلی سے ہوئی تھی۔ ان نرم خو راہبوں کو ظالم اور شقی القلب کس نے بنایا؟ صرف تکبر زہد نے۔ اگر نفرت صرف برائی سے ہو، برے انسان کی ذات سے نہ ہو تو اصلاح کی گنجائش رہتی ہے۔ برے آدمی کے لیے کسی وقت بھی برائی سے الگ ہو کر توبہ کی گنجائش رہتی ہے لیکن یہاں صورت حال بالکل الٹ ہے نفرت ذات سے ہے۔ اس لیے تنگ نظری نے زاہد خشک کے دل پر اثر کیا ہے۔

متعصب شخص خواہ کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتا ہو، سخت دل ہوتا ہے۔ تعصّبات کے پس منظر میں بھی نفرت، خودغرضی اور تکبر شامل ہوتا ہے۔ اگر دل میں خدا کی محبت جا گزیں ہو تو انسان

خادمِ خلق اور انصاف پسند ہوتا ہے۔ تعصّبات ایسے شخص کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ سخت دل انسان کو ہدایت نہیں ملتی اگر کسی وجہ سے مل بھی جائے تو اس پر وہ قائم نہیں رہ سکتا۔ داعیِ حق کے سامنے دو راستے ہیں ایک یہ کہ شقی القلب انسان سے پناہ مانگے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دے۔ دوسرا راستہ خیر خواہی کا راستہ ہے کہ ایسے سخت دلوں کو نرم کرنے کی کوشش کی جائے۔

دل کو نرم کرنے کا سب سے اچھا ذریعہ موت، قیامت اور دوزخ کا ذکر ہے۔ ایسے شخص کے سامنے موت کے مختلف واقعات بیان کرنے چاہئیں۔ عاد و ثمود کے قصے، نوح علیہ السلام کی کہانی، دلوں کو نرم کرنے کے لیے ہی قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ خدمتِ خلق، مروت، احسان بھی پتھر دلوں کو نرم کر دیتے ہیں۔ داعیِ حق کا خلوص اور نرم دلی تھوڑا بہت اثر ضرور کرتی ہے۔ خدمت، ایثار، محبت، غم وہ ہتھوڑے ہیں جو پتھروں کو توڑنے کے کام آتے ہیں۔

ذہنی غلام

جب انسان دوسرے کسی انسان کو اپنے سے زیادہ زوردار، عقل مند اور زیادہ کامیاب سمجھ لیتا ہے۔ اس کی عظمت کا معترف ہو جاتا ہے تو اس عظیم شخص کو ہادی اور رہنما مان کر اس کے ہر حکم کا پیروکار بن جاتا ہے۔ پھر اس کا رہنما جس گڑھے میں گرتا ہے یہ بھی وہیں جا گرتا ہے۔ غلامانہ ذہنیت کا یہ شاہکار ذرہ برابر عقل سے کام لے تو اپنے حالات سے آگاہ ہو اور ہدایت پائے۔

فرعون کی غلامی نے بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کے ذہنوں کو مفلوج کر دیا تھا۔ نسل در نسل غلامی کی وجہ سے ان کی سوچوں کے دھارے ہی بدل گئے تھے۔ عبادت کا مطلب غلامی ہے اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی غلامی سے ہمیں روکا گیا ہے۔ استحصالی نظام میں پشت در پشت رہنے کی وجہ سے ذہن غلام بن جاتے ہیں اور وحی کے ذریعے آزادی، خود مختاری، علم، مشاورت کی تعلیم ان غلاموں کو پسند نہیں آتی۔ فرعون سے آزادی حاصل کر کے بنی اسرائیل وادیِ سینا میں چلے گئے۔ اب وہ آزاد تھے کہ شریعت پر عمل کر سکیں۔ کوہِ طور کے زیرِ سایہ اللہ تعالیٰ نے پوری قوم سے عہدِ وفا لیا لیکن اللہ کی قدرت کو اتنے قریب سے دیکھنے کے باوجود ان بوڑھوں کی غلامی کی عادتوں

میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور اللہ کے واضح حکم کے باوجود فلسطینیوں سے لڑنے سے انکار کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں چالیس سال تک صحرا نوردی کرتے رہے جب نئی نسل پروان چڑھی جس کی تربیت آزاد فضا میں ہوئی تھی تب اللہ نے ان کے ہاتھوں فلسطین فتح کروایا۔

یہی حال آج پاکستان کا ہے کہ پاکستان کے اہل اقتدار اسلام کو اپنے لیے خطرہ خیال کرتے ہیں۔ امریکہ اور بھارت سے ڈرتے ہیں اور عوام کا بھی یہی حال ہے وہ حکمرانوں، وڈیروں اور جاگیرداروں کے ڈر سے اقامت دین کی جدوجہد میں حصہ لینے سے کتراتے ہیں۔ یہ خوف اور غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ عوام وڈیروں کے مقابلے میں کسی صالح انسان کو ووٹ نہیں دیتے حالانکہ یہ سمجھتے اور جانتے ہیں کہ وڈیرہ ظلم کرتا ہے اور صالح انسان ان کے ساتھ انصاف کرے گا لیکن غلامانہ ذہن کسی انقلاب کی طرف بڑھنے اور ہدایت پانے سے روکتا ہے۔

غلامانہ ذہن رکھنے والے خوف زدہ عوام داعی حق سے سلام دعا کے روادار بھی نہیں ہوتے۔ اس کی بات سننے کے لیے بھی نہیں آتے، قبول کرنا تو بڑی دور کی بات ہے۔ غلامانہ ذہن ظالم اور قاہر وڈیروں کی چالوں اور مکر وفریب کو سمجھنے سے بھی قاصر رہتا ہے۔ اس کے خیال میں جو ظلم اس پر ہو رہا ہے ایک طاقتور کو حق حاصل کہ وہ کمزور پر ظلم کرے۔ کمزور نہ تو احتجاج کرتا ہے، نہ ہی اپنا حق لینے کے لیے زبان کھولتا ہے اور نہ ہی دل میں کوئی تڑپ محسوس کرتا ہے۔ غلامانہ ذہنیت دین اور دنیا دونوں کے لیے خسارے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا بندہ اور غلام کہا ہے۔ جب انسان اللہ کو آقا مان لے اور انسانوں کی غلامی اور ذہنی وتصوراتی غلامی سے بھی آزاد ہو جائے تو پھر غریب ہو یا امیر وہ کسی کے مکر وفریب میں نہیں آتا اور کسی متکبر کی بڑائی اسے حق سے روک نہیں سکتی۔ غیر اللہ کی غلامی اور غلامانہ ذہنیت دونوں ہدایت سے محرومی کا باعث بنتی ہیں۔

جلد باز

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۱۱) انسان شر اسی طرح سے مانگتا ہے جس طرح خیر مانگنی چاہیے، انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِىْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ (الانبیاء ۲۱:۳۷) انسان جلد باز مخلوق ہے ۔ ابھی میں تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتا ہوں مجھ سے جلدی نہ مچاؤ۔

جلد بازی انسانی فطرت میں شامل ہے۔ انسان جلد باز واقع ہوا ہے اوراس کی نظر چند قدم سے آگے نہیں جا سکتی ۔ آنکھ کی نظر بھی کوتاہ ہوتی ہے اور دل کی نظر بھی اکثر و بیشتر کوتاہ ہوتی ہے۔ اسے سامنے ہونے والے واقعات تو نظر آتے ہیں لیکن ان واقعات کے نتیجے میں مستقبل کے نتائج نظر نہیں آتے مثلاً ایک بچہ سکول میں پڑھ رہا ہوتا ہے۔ وہ ذہین اور لائق ہوتا ہے۔ کوتاہ نظر والد اسے جلد سکول سے فارغ کروا کر اپنے کاروبار میں لگا لے گا اور اس کی ساری ذہانت پیسے کمانے اور دنیاوی اشغال میں خرچ ہو جائے گی اس کے برعکس دوررس دیکھنے والا شخص اس بچے کی تعلیم وتربیت پر زور دے گا اور چند سالوں کے بعد یہ ذہین بچہ سائنس دان بن کر ابھرے گا۔

یہودی قوم بعید بین ہے۔ اس نے پانچ سو سال کا منصوبہ بنایا اور فلسطین میں ایک اسرائیلی ریاست بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ مسلمان کوتاہ نظر ہے کیونکہ وہ یہودیوں کو زمین بیچ کر ساری رقم ہوٹلوں میں یہودی عورتوں سے عیش کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ عرب ممالک تیل کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان عربوں میں کتنے ہیں جو تیل کی صنعت اور پیداوار میں دخیل ہیں؟ تیل کے سارے کاروبار پر یہودی، امریکی اور یورپی چھایا ہوا ہے۔

نبی ﷺ نے بھری مجلس میں ارشاد فرمایا کہ یہ ایک کلمہ ہے جسے اگر تم قبول کر لو تو عرب پر تمہاری حکومت ہو گی اور عجم تمہیں خراج دے گا۔ مکہ کے کوتاہ نظر سرداروں نے اسے دیوانے کی بڑ سمجھا۔ تاریخ نے نبی ﷺ کی پیشین گوئی کو سچ کر دکھایا۔ قیصر روم کے پاس نبی ﷺ کا خط پہنچا تو اس نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت تجارت کے لیے وہاں موجود تھے اور کافروں کے سردار تھے، دربار میں بلایا اور نبی ﷺ کے احوال جاننے کے لیے سوال کیے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر قیصر نے کہا کہ ایک دن محمد ﷺ اس شہر پر بھی غالب آجائے گا جس پر آج میری حکومت ہے۔ یہ تھی دور اندیشی جس کا اظہار قیصر نے کیا۔

وائے افسوس مسلمان کو کھانا کھانا تو نظر آتا ہے لیکن کھانے کے دو گھنٹے بعد پیدا ہونے والا درد نظر نہیں آتا۔ یہی کوتاہ اندیشی حق کی راہ کی رکاوٹ ہے۔ اسی کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے کہ وہ جلدی ملنے والے فوائد سمیٹتا ہے۔ چند لمحات کی خوشیوں کے لیے ساری عمر کے غم اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے۔ علم و عقل کا تقاضا ہے کہ جلدی نہ کی جائے۔ تحمل، بردباری، سکون، دور اندیشی، مشورہ اور محاسبہ کر کے حالات کا جائزہ لیا جائے اور پھر سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھایا جائے۔ جب بھی کوئی منصوبہ فہم وادراک سے بنایا جاتا ہے تو اس سے انسان کو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی ملتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہو۔ (القیامہ ۷۵:۲۰)

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوْنَ وَرَآءَ هُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ (الدھر ۷۶:۲۷) یہ لوگ تو جلدی حاصل کرنے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہیں اور آگے جو بھاری دن آنے والا ہے اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

انسانی کمزوری ہے کہ وہ ان باتوں کی طرف توجہ کرتا ہے جہاں جلدی نفع مل جائے۔ دیرپا اور افزوں نتائج سے لاپرواہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مستقبل میں نقصان ہوتا ہے۔ جلد بازی، کوتاہ اندیشی سے پرہیز ضروری ہے تاکہ حق کی راہ ہموار ہو اور انسان ہدایت پا سکے۔ سچے مسلمان کے منصوبے اس دنیا ہی میں ختم نہیں ہوتے بلکہ آخرت تک جاری رہتے ہیں۔ دنیاوی پروگرام بھی صرف چند دن کا نہیں بلکہ پوری زندگی کو سامنے رکھ کر بنانا چاہیے مثلاً ایک شخص اپنی وقتی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر پانچ مرلے کا مکان بناتا ہے۔ اللہ کے کرم سے اس کے پانچ بچے ہوتے ہیں۔ یہ مکان اس کی اور بچوں کی ضرورت کے لیے ناکافی ہے۔ اگر سستے زمانے میں یہ کوتاہ اندیش ذرا بڑا رقبہ لے کر بڑا مکان بنا لیتا تو آج اسے اور اس کے بچوں کو سہولت ہوتی۔

اس طرح کے ہزاروں واقعات ثابت کرتے ہیں کہ انسان کی نگاہ میں دور اندیشی اور

آخرت کے لیے کوئی جگہ نہیں اسے تو سونے کا انڈا دینے والی مرغی ذبح کرنے کی جلدی ہے تا کہ سارے انڈے آج ہی حاصل کر لے۔ بے چاری مرغی بھی گئی اور انڈے بھی نہ ملے۔ ہدایت، ایمان، منصوبہ بندی سب کے لیے اسلام کے مطابق چلنا چاہیے۔

مردہ ضمیر

وَ لَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ۝ اور نہیں میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔

(القیامہ ۷۵:۲)

زندہ ضمیر کو اگر علم اور عرفان مل جائے تو وہ ہدایت یافتہ بن جاتا ہے۔ اور قدم قدم پر انسان کی رہنمائی ہوتی رہتی ہے۔ زندگی کے بہت سارے معاملات میں یہ زندہ اور ہدایت یافتہ ضمیر ہر مرد مومن کو نیک و بد سمجھاتا ہے۔ خواہشات نفس اور تمنائیں اس ضمیر کو سلا دیتی ہیں اور حرص اس کو ذبح کر دیتی ہیں۔ جب انسانی ضمیر مر جائے تو پھر ہر برائی نیکی بن جاتی ہے اور نیکی نقصان دہ بن جاتی ہے۔ انسانی ضمیر درج ذیل عوامل سے متاثر ہو سکتا ہے:

☆ جہالت، کم علمی، انبیاء کی دعوت سے محرومی

☆ ماحول، معاشرہ، دوسروں سے مقابلہ اور مسابقت کا جذبہ

☆ رسم و رواج دنیا

☆ حب دنیا، جاہ و مال

☆ خواہشات نفس، تمنائیں

☆ لالچ، خود غرضی، مفادات

☆ من مرضی

☆ عقل، تجربہ، سائنس کے خود ساختہ تخیلات (Theories)

☆ غلامی، جبر و تشدد کے سامنے سپر ڈالنا

☆ ضمیر کی ملامت کو بار بار دبایا جائے تو پھر وہ خاموش ہو جاتا ہے۔

خودفریبی کا شکار

تمنائیں ہدایت کی راہ روکنے میں بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔خودفریبی انسانی کمزوری ہے۔ کبوتر کے آنکھیں بند کرنے سے بلی تو نہیں بھاگ جاتی۔انسانی خواہشات اور تمناؤں کی فہرست بہت لمبی ہے۔بس یہ ایک خیال ہوتا ہے جو تمنا بن کر اعصاب پر سوار ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کی تمنا ہے کہ دنیا کا نظام اس کی خواہشات اور من مرضی سے چلے مثلاً گرمی ہے، دل میں تمنا اٹھتی ہے کہ بادلوں کو برسنا چاہیے تاکہ موسم خوشگوار ہو جائے۔اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھتے ہیں حالانکہ یہ فصل کی برداشت کا وقت ہے اور بارش گندم کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح تمنائیں انسانی عقل وخرد اور ضمیر کو مردہ کر دیتی ہیں۔

ایک شخص نے دوسرے سے قرض لیا۔کاروبار میں نقصان ہو گیا۔اب پہلا شخص دوسرے شخص کو دوبارہ زیادہ منافع کا لالچ دے کر نئے سرے سے قرض کا مطالبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ مدد فرمائیں تو آپ کے پچھلے اور موجودہ سارے پیسے مل جائیں گے اور مزید کچھ منافع بھی مل جائے گا۔اس طرح قرض دینے والا نفع کے لالچ میں قرض دیتا رہتا ہے اور مقروض آرام سے رقم ہڑپ کر جاتا ہے۔اس خودفریبی کا تجزیہ کیجیے کہ نفع نہیں مل رہا ہے، پہلے پیسے ڈوب گئے پھر بھی انسان ایک تمنا لیے بیٹھا ہے کہ نفع ہو گا اور قرض ادا ہو جائے گا۔

بعض اوقات مقروض شخص بظاہر نیک ہوتا ہے اور قرض کو ہڑپ کرنے کی اس کی نیت نہیں ہوتی۔صرف کاروباری عدم تجربہ کی وجہ سے ہی اس کو نقصان ہو جاتا ہے۔ایسے نیک لوگ بھی تمنا کا شکار ہو جاتے ہیں اور مستقبل میں نفع کی امید پر مزید قرضہ لے لیتے ہیں۔خود تباہ ہوتے ہیں، اپنی نیک نامی کو ذلت کی شکل دے لیتے ہیں اور دوسروں کی رقم بھی برباد کر دیتے ہیں:

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی۝ (النجم۵۳:۲۴) کیا انسان جو کچھ چاہے اس کے لیے وہی حق ہے؟

ایسی بے شمار مثالیں ہیں جن پر غور کرنے سے خودفریبی اور تمناؤں کے ٹوٹنے کے نتیجے میں ہونے والی مایوسیوں کی سمجھ آتی ہے۔

مایوس

داعی الی الحق کی مایوسی کے تین پہلو ہیں۔

انسانوں سے مایوسی،   اپنی ذات سے مایوسی،   اللہ سے مایوسی

انسانوں سے مایوسی

داعی الی الحق اس بات سے مایوس، پریشان اور دل برداشتہ ہو جاتا ہے کہ لوگ اس کی بات مان کر ہدایت حاصل نہیں کر رہے اور اصلاح کی تمام کوششیں ناکام ہو رہی ہیں۔ کوئی با اعتماد، با صلاحیت اور صاحب فہم وادراک رفیق نہیں ملتا۔ کوئی ایسا شاگرد نہیں ملتا جسے اپنے افکار منتقل کر دیے جائیں تا کہ وہ اپنا صحیح جانشین بن جائے۔ مجھے اکیلے ہی سارے کام کرنا پڑتے ہیں۔ کوئی دست و بازو میسر ہی نہیں آتے حتیٰ کہ لوگ آتے ہیں کھانا کھا کر چلے جاتے ہیں، کوئی خوش دلی سے ساتھ ہی نہیں دیتا۔ کتاب پڑھنے کے لیے لے جاتے ہیں، کوئی پڑھتا ہی نہیں، بات سمجھتا ہی نہیں۔ کئی سال کی کوششوں سے جو ساتھی بنائے وہ بھی بس مطلبی ہیں۔ انہیں مفاد دینے سے انکار کرو تو وہ ساتھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، بات بات پر ناراض ہو جاتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضد کر لیتے ہیں، کسی ڈھنگ سے کام ہی نہیں کرتے الٹا باتیں بناتے ہیں، بے جا تنقید کرتے ہیں، بد دلی پھیلاتے ہیں، کند ذہن ہیں، صاحب کردار نہیں بلکہ منافق ہیں۔ اس طرح ایک مایوس مبلغ اپنے ہی ساتھیوں میں کیڑے نکالتا ہے

دوسری طرف ساتھی بھی معاف نہیں کرتے وہ بھی مبلغ کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو پہاڑ بنا کر یوں تنقید کرتے ہیں کہ مبلغ کا پسینہ چھوٹ جاتا ہے حتیٰ کہ مبلغ صاحب استعفیٰ دے کر فارغ ہو جاتے ہیں اور تنہائی میں اپنے ساتھیوں، اکابرین جماعت، نظم جماعت اور مقصد جماعت میں خرابیاں تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ صورت حال خطرناک ہے اور اس کا ازالہ ضروری ہے ورنہ ایک اچھا خاصا کام کا آدمی مایوس ہو کر ضائع ہو جاتا ہے اور دعوت کا کام کم از کم اس بستی کی حد تک بند ہو جاتا ہے۔

مبلغ کا یہ تاثر اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ سننے والے اندھے، بہرے اور گونگے ہیں، کوئی بھی سامع دھیان سے نہیں سن رہا، سب وقت گزار رہے کہ کب تقریر ختم ہو اور ہماری جان چھوٹے۔ دعوت کو ہلکا سمجھنے والے داعی کی بے قدری کرتے ہیں۔ یہ بے قدری اور بار بار کی توہین بھی انسان کو مایوس کر دیتی ہے۔ ہر زمانے میں انسانوں نے اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی بے قدری کی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کے اپنے گھر والے کہتے ہیں:

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ خدا کی قسم آپ ابھی تک اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔ (یوسف ۱۲:۹۵)

اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارا باپ بالکل ہی بہک گیا ہے۔ (یوسف ۱۲:۸)

اپنی ذات سے مایوسی

ایک مایوس مبلغ داعی حق خود اپنی ذات سے بھی مایوس ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کام سے جواب دے دیتا ہے اور اس کے پاس ایک ہی دلیل ہوتی ہے کہ مجھ میں کام کرنے کی سکت نہیں، میں اس کام کے اہل ہی نہیں ہوں، یہ کام اپنے بس سے باہر ہے۔ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ایسے شخص سے کہا جائے کہ فلاں جگہ اجتماع ہے اور وہاں چلنا ہے تو اجتماع میں شرکت کے لیے نہیں جائیں گے کہ مجبوری اور معذوری ہے لیکن اسی دن اجتماع ہی کے وقت ان کا یا کسی عزیز کا ذاتی کام ہو تو وہ صاحب اس شہر، علاقے میں چلتے پھرتے نظر آئیں گے یعنی ان کے پاس اللہ کا کام کرنے کے لیے تو عذر موجود ہے لیکن اسی شہر میں ذاتی کام کے لیے کوئی عذر نہیں۔ لوگ پیشاب کرنے مسجد میں چلے جاتے ہیں لیکن نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانے کے لیے کوئی وقت ان کے پاس نہیں ہوتا۔

خود اپنے آپ کو نہ پہچاننا، اپنی صلاحیتوں کا صحیح ادراک نہ کرنا اور مایوسی کی بنیاد پر خود کو نااہل اور معذور بنا لینا بھی منافقت کی ایک نشانی ہے۔ جو اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی مغفرت اور رضا کے طالب ہوتے ہیں وہ اپنی طاقت اور صلاحیت سے زیادہ کام کرتے ہیں۔ اللہ کی رحمت

کے امیدوار تھکے ہوئے ہونے کے باوجود اپنی بساط سے بڑھ کر کام کرتے ہیں۔ جنگ احد کی شکست کے بعد حضور ﷺ ۷۰ شہیدوں کو دفن کرنے کا غم لیے ہوئے تھے۔ ۷۰ افراد زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ ان پریشان کن حالات میں رسول اللہ ﷺ کے حکم پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے لبیک کہا اور کافروں کے تعاقب کے لیے چل نکلے۔ اس جرأت پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں ان کی توصیف کی ہے جبکہ یہاں ناکامی کا چھوٹا سا جھٹکا داعی حق کو مایوس کر دیتا ہے اور وہ پریشان حال گلہ شکوہ شروع کر دیتا ہے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آرام سے بیٹھ جاتا ہے۔ اس موقع پر سب سے پریشان کن بات یہ ہے کہ داعی حق اپنی کمزوریوں، کوتاہیوں اور حکمت کی خرابیوں کا تجزیہ نہیں کرتا۔ ہر مبلغ یہی سمجھتا ہے کہ میں تو ٹھیک کام کر رہا ہوں لوگ ہی غلط ہیں حالانکہ وہ مبلغ ہی غلط انداز سے لوگوں کو بلا رہا ہوتا ہے۔ ہر شخص اندھا تو نہیں ہوتا کہ تعصب اور جاہلیت کی بنیاد پر آپ کی بات رد کر رہا ہے۔ دوسروں سے مایوس ہونے سے پہلے انسان کو خود اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور اپنی صلاحیتوں کو صحیح انداز میں تربیت کر کے پورے خلوص سے دعوت کا کام کرنا چاہیے۔ لوگوں کو ناقابل اصلاح سمجھ کر نہ چھوڑنا چاہیے۔

اللہ سے مایوسی

مایوسی کا یہ پہلو کہ انسان اللہ کی رحمت ہی سے مایوس ہو جائے بہت نقصان دہ ہے:

اَفَلَمۡ یَایۡـَٔسِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ لَہَدَی النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ (الرعد ۱۳:۳۱) پھر کیا اہل ایمان مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟

انسان خیال کرتا ہے کہ میں نے بڑی محنت کی، اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت ہی نہیں دیتا۔ جس شخص سے بات کی، اس کو فوراً ہمارا رفیق یا ہمدرد ضرور بننا چاہیے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے اس لیے ہماری بات کا اتنا اثر ہونا چاہیے کہ مخاطب فوراً ہی اسلام قبول کر لے، توبہ کرے اور ہمارے ساتھ چل پڑے۔ لوگ ساتھ نہیں چلتے کیوں اور کیسے؟ یہ بحث گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔ ہر مخاطب کی اپنی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ ہر کوئی اپنے خیالوں میں مست ہے۔ ہر ایک کا

ایک اپنا عقیدہ اور نظریہ ہے۔ پہلے سے قائم عقیدے، تصور اور خیال کو فوراً چھوڑنے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہوتا۔ ہر شخص کی زندگی کے اپنے تقاضے اور مصروفیات ہیں۔ اس نظام کے ساتھ لوگوں کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں اس لیے لوگ مبلغ کی بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ مبلغ بار بار جاتا ہے تو لوگ بھی اکتا جاتے ہیں اور بات کو رد کر دیتے ہیں۔

کامیاب مبلغ وہ ہے جو نفسیات کا بھی ماہر ہو اور مخاطب کے حالات، جذبات واحساسات کو سامنے رکھ کر بات کرے۔ ایسی حکمت سے کام لے کہ لوگ دعوت قبول کرنے کا جذبہ پیدا کریں۔ دعوت قبول کرنے میں حائل رکاوٹوں میں سے اہم یہی ہے کہ لوگوں کو فہم وادراک، اعراض اور شک کی وجہ سے ہماری دعوت ٹھیک نہیں لگتی اس لیے وہ ہماری بات کو پسند نہیں کرتے۔ ان رکاوٹوں کے دور کرنے میں بھی وقت لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت وعلم کی بنیاد پر لوگوں کو ابھی ہدایت نہیں دینا چاہتا۔ داعی میں کچھ کمزوریاں، غلطیاں اور حکمت کی کمی ہوتی ہے، مبلغ کا انداز تبلیغ اور طریقہ کار ہی غلط ہوتا ہے۔ جب یہ تینوں عوامل مل جائیں تو بہت اچھی اور عمدہ تقریر سے بھی کسی کا دل نہیں پسیجتا اور داعی محسوس کرتا ہے کہ میں پتھروں سے ٹکریں مار رہا ہوں۔ ایک طرف تو انسان کا یہ مایوسانہ رویہ ہے دوسری طرف اللہ جگہ جگہ پر ارشاد فرماتا ہے کہ مایوسی گناہ ہے:

لَا يَايْئَسُ مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ (یوسف ۱۲:۸۷) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر ۳۹:۵۳) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝ اور تمہارے لیے تمہارا رب ہی رہنمائی اور مدد کو کافی ہے۔
(الفرقان ۲۵:۳۱)

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ یقیناً ایسے نیک کردار لوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔
(الاعراف ۷:۱۷۰)

اللہ انسان کو امید دلاتا ہے کہ حالات کتنے ہی خراب ہوں، کسی بھی حالت میں، کسی بھی مقام پر، اللہ کی رحمت، فضل اور ہدایت دینے کی طاقت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ سورۃ یٰس میں بیان ہوا ہے کہ ایک بستی میں پیغمبر علیہ السلام آئے۔ صرف ایک شخص نے اسلام قبول کیا۔ باقی ساری

قوم نے انکار کر دیا۔ قوم کے سرداروں نے اس مخلص صالح مسلمان کو بھی قتل کر دیا۔ ایسے پریشان کن ماحول میں بھی نبی علیہ السلام مایوس نہیں ہوتا اور اپنا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی مدد کی اور اس بستی کو تباہ کر دیا۔

یحییٰ علیہ السلام ایک معجزہ سے پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل کو تبلیغ کی، کوئی گھر بار نہیں بنایا۔ جنگل میں رہتے تھے اور جنگل کے پھل وغیرہ کھا کر پیٹ بھر لیتے تھے۔ سارا دن شہر میں تبلیغ کرتے اور رات جنگل میں چلے جاتے اور صبح پھر مشن پر روانہ ہو جاتے۔ ٹاٹ کا فقیرانہ لباس پہنتے۔ یروشلم شہر، یہودیہ اور اسرائیل کی دونوں ریاستوں میں کوئی شخص آپ کا ساتھ دینے کو تیار نہ ہوا۔ آپ کے عقیدت مندوں کا ذکر روایات میں آتا ہے لیکن عملاً ظالم بادشاہ کے مقابلے میں یحییٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے کو کوئی تیار نہ ہوا۔ آخر بادشاہ نے آپ کو قتل کر دیا۔ بائبل نے آپ کو ''جنگل کی آواز'' کا نام دیا ہے۔ (The man crying in wilderness)

مبلغ کو جب چاروں طرف سے معاندانہ جواب ملتے ہیں تو طرح طرح کے خیالات ان کے ذہن میں آتے ہیں۔ کئی سوچتے ہیں کہ ہماری قسمت پھوٹ گئی ہے۔ ہم کس گندے معاشرے میں پیدا ہوئے؟ ناقدری ان کے قواء کو مزید کمزور کرتی جاتی ہے۔ اپنی تقدیر کا گلہ کرنا اور اللہ کی ساخت اور انتخاب کی خود ہی نفی کر دینا نقصان دہ ہے کہ جب اللہ نے ہی مہر لگا دی تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اللہ تو ہدایت دے نہیں رہا تو ہم کیوں قوت ضائع کریں؟ بعض لوگ ہدایت اور دولت کی تقسیم پر مرکب شکوہ کرتے ہیں کہ اللہ فاسقوں پر تو رحم کر رہا ہے۔ انہیں دینی اور دنیوی دونوں طرح سے مال و دولت دے رہا ہے۔ اللہ فرعونوں کو نوازتا ہے اور ہم غریبوں کو دن بدن غریب کرتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بات بات پر شکوہ، اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے سامنے شکوہ، ہر مجلس، ہر جگہ اور ہر دن بس اللہ تعالیٰ سے شکوہ، ایک ہی کام رہ جاتا ہے۔ اس طرح انسان نئی نئی غلطیاں کرتا جاتا ہے جس کی وجہ سے تبلیغ میں حکمت کا پہلو غائب ہو جاتا ہے۔ بس ایک ڈنڈے مار تبلیغ رہ جاتی ہے جس کے نتیجے میں خود اپنے بچے بھی باغی ہو جاتے ہیں۔

مایوسی کی وجوہات کا تجزیہ ضرور کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے انسان کو خود اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور حکمت تبلیغ کے اصولوں کے تحت جو خرابی سمجھ آئے فوراً اس کی تصحیح کی جانی چاہیے۔ جماعت کے نظم یا جماعت کی پالیسی، منشور یا طریق کار میں اگر کوئی خرابی ہو تو مشاورت کے ذریعے اس کی اصلاح کرنی چاہیے تاکہ بات لوگوں کے لیے قابل قبول بن جائے۔ اپنے تبلیغ کے انداز اور کردار میں بھی تبدیلی لانی چاہیے۔ رہے لوگ کہ وہ بات کیوں نہیں سمجھتے تو ان کے ذہن کا مطالعہ، تعصّبات، نفسیات کا تجزیہ اور حکمت تبلیغ کے دیگر عوامل کا تجزیہ بھی کرنا چاہیے۔

مایوسی کے اثرات

سب سے پہلے تو اللہ اور مخلوق کا گلہ شروع ہو جاتا ہے۔ خود کام نہیں کرتے جو کام کرتے ہیں ان کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ لوگوں کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا اور دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آجاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لمبے چوڑے قصے بنائے جاتے ہیں۔ امداد باہمی اور تعاون کی سرگرمیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ اقامت دین کا کام چھوڑ کر ذاتی کاروبار چلانے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور اپنے مردہ ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے ہزاروں شکایتیں اور شکوے تحریراً پیش کیے جاتے ہیں۔ باہم دگر لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اقامت دین کا کام غیر اہم اور کاروبار زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی مرض ہے۔ انسان کے پاس اللہ کا کام کرنے کے لیے وقت اور صلاحیت نہیں ہوتی اپنا ذاتی کام کرنے کے لیے سب کچھ ہوتا ہے۔ لوگ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ جب جنگ احد میں نبی ﷺ کی وفات کی خبر عام ہو گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سنی تو میدان جنگ کے ایک کنارے ایک چٹان پر ٹھہر گئے کہ نبی ﷺ کے بغیر اب کوئی جنگ کا فائدہ نہیں۔ اسی شکست کی کیفیت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کو تلاش کرتے پھرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پریشان ضرور تھے لیکن میدان چھوڑ کر گھر کی طرف نہیں بھاگے بلکہ ایک کنارے پر کھڑے حیران پریشان سوچ رہے تھے کہ اب کیا کرنا چاہیے؟

مایوسی کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان بوکھلاہٹ میں نئی نئی غلطیاں کرتا جاتا ہے جس

سے نقصان میں اضافہ ہوتا ہے اور مایوسیاں بھی گہری ہوتی جاتی ہیں۔ اللہ کے قانون مشیت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے بھی مایوسی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے تقدیری اور فطری طریقے کے تحت کچھ صلاحیت، افادیت اور کردار دیکھ کر ہی توفیق ہدایت دیتا ہے لیکن ہمیں وہ حکمت ومشیت کی گہرائی سمجھ نہیں آتی یوں ہمیں مایوسیاں گھیر لیتی ہیں۔

مایوسی سے نکلنے کا طریقہ

سب سے پہلے انسان اپنی کوتاہی کا احساس کرے کہ مایوسی گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے، توبہ کرے، اللہ پر اپنے ایمان، توکل اور اعتماد کو از سر نو حق الیقین کے مقام تک لے جائے کہ اللہ، اس کا رسول ﷺ اور قرآن سچا ہے۔ اللہ کی ہدایت کا فیض ہر دم جاری ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا اقامت دین کے لیے انتخاب کرتا رہتا ہے۔ صدیوں سے یہ کام ہر حال میں جاری وساری ہے۔ اللہ کی رحمت سے امید رکھے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لا اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ط وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ بخلاف اس کے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے، وہ رحمت الٰہی کے جائز امیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے۔ (البقرۃ ۲:۲۱۸)

وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۵۷)

نَرْجُوْا رَحْمَتَكَ (دعائے قنوت) ہم تیری رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

اچھے اور برے حالات میں، ہر لمحہ اس کی رحمت کی امید، توکل اور اعتماد کرتے رہنا چاہیے۔ امید زندگی ہے اور مایوسی موت ہے، اس لیے زندگی کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ عقیدہ بہت اہم ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ کہو، خدایا، ملک کے مالک ،تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران ۳:۲۶)

یعنی اللہ کوئی بھی کام خیر کے بغیر نہیں کرتا۔ اگر وہ کسی کو مارتا ہے تو یہ خیر خواہی کا ایک عمل ہے اور اگر وہ کسی کو بیمار کرتا ہے تو اس میں بھی بھلائی کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں۔ اللہ سے ہونے کا یقین اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہونے کا یقین مایوسی کو دور کر دیتا ہے۔ اللہ کے وعدوں پر بھی اعتماد کرنا چاہیے۔ روزانہ قرآن مجید کی باترجمہ قرأت وتلاوت امیدوں کے چراغ جلاتی ہے۔ ہر روز ایک نئی ہدایت ملتی ہے اور مشکلات سے نکلنے کی راہ سوجھتی ہے۔ میں نے جب بھی قرآن کھولا، تفہیم القرآن کا مطالعہ کیا تو مجھے ہمیشہ نئی رہنمائی ملی۔ انتہائی مایوس کن مشکلات میں بھی قرآن نے میرا بڑا حوصلہ بڑھایا۔ میرے حالات کے مطابق کوئی نہ کوئی ہدایت قرآن سے روزانہ ملتی ہے۔

مایوسیوں سے نکلنے کے لیے اہل علم وتقویٰ اور اپنے رفقاء کار سے مشاورت بہت مفید ہے۔ بعض اوقات کم تجربہ کار رفیق ایسا مشورہ دے دیتا ہے جو سنگ میل بن جاتا ہے۔ تجربہ کار بزرگوں سے مشورہ زیادہ کارآمد ہوتا ہے۔ اپنے ساتھیوں کی کمزوریوں، لغزشوں اور بے وقوفیوں پر بھی نگاہ رہنی چاہیے کہ ساتھیوں کی غلطیاں ہمارے لیے پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔ دشمن کی کارستانیوں سے خبردار رہنا اور اس کی زیادتیوں سے نکلنے کی راہ تلاش کرنا بھی ضروری ہے۔

دعوت کا کام جاری رکھا جائے یہاں تک کہ ایک ہی شخص سے تبلیغی ودعوتی ملاقات کئی دفعہ کی جاتی ہے۔ استقلال واستقامت سے نئے ساتھیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جو لوگ دعوت قبول کریں ان کی مزید تعلیم وتربیت کی جائے۔ نیک نیت لوگ تلاش کیے جائیں اور حسن انتخاب کا مظاہرہ کیا جائے کہ وہ دعوت قبول کر کے اچھے ساتھی بن جائیں۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ تم تو اسی شخص کو خبردار کر سکتے ہو جو نصیحت کی پیروی

الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ ج (یٰس ۱۱:۳۶) کرے اور بے دیکھے خدائے رحمٰن سے ڈرے۔

جس طرح انسان بیلے اور جنگل میں کھنبی کی تلاش کرتا ہے اسی طرح ہدایت کے سچے طالب تلاش کیے جائیں۔ راہِ حق اور طالبِ حق کی تلاش بھی ایک فریضہ ہے جو اہم، بڑے اور اصل فرض اقامت دین کے لیے بنیاد کا کام دیتا ہے۔ مستقل مزاجی سے ہزاروں رکاوٹوں کے باوجود تبلیغ اور تعلیم وتربیت کی جائے۔ انسان کی موت تک کوشش کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے۔ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک یہودی لڑکا رہا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوگیا۔ آپ اس کی عیادت کے لیے گئے اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ باپ نے کہا کہ محمد ﷺ کی بات مان لے، چنانچہ اس لڑکے نے کلمہ پڑھ لیا اور جلد ہی فوت ہوگیا۔

مایوسی سے نکلنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی نیت ٹھیک کرے۔ صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دین کا کام کرے۔ لوگوں کے ہاتھوں اور جیب کی طرف نہ دیکھے، صرف اللہ سے اس کا فضل تلاش کرے۔ جو لوگ دکھاوے کی نماز پڑھتے، تبلیغ کرتے یا دکھاوے کے لیے جہاد کرتے ہیں، وہ جلدی مایوس ہوجاتے ہیں۔ اللہ سے دعا کرنی چاہیے:

اَللّٰهُمَّ اِهۡدِ قَوۡمِىۡ اِنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡن اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے یہ نہیں جانتی۔

اللہ تعالیٰ مخاطب کو کب ہدایت دیتا ہے؟ اس کے لیے ابلاغ عام اور ابلاغ خاص کرتے رہنا چاہیے اور حسن انتظار کے اصولوں کے تحت مخاطب کے ہدایت پا جانے کی امید رکھنی چاہیے۔ اللہ کے فضل اور رحمت کا انتظار ایک لمبی مدت چاہتا ہے جس طرح ماں بیٹے کے جوان ہونے کا انتظار کرتی ہے۔ بیوہ عورت اپنے مستقبل کے لیے کیا کیا جتن نہیں کرتی۔ وہ پوری کوشش کرتی ہے کہ بچہ صحت مند ہو، اعلیٰ تعلیم حاصل کرے، ہنر سیکھے، اچھی عادتیں اپنائے اور وہ ایک اچھا شہری بن جائے۔ صبر، حکمت، اعتماد، توکل علی اللہ، جہد مسلسل سبھی چیزیں حسن انتظار کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود انتظار کر رہا ہے اور اپنے رسول ﷺ کو اچھے وقت کے آنے کا انتظار کرنے کو کہتا ہے۔ قرآن میں وضاحت سے ہے:

قُلِ انۡتَظِرُوۡۤا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ۝ ان سے کہہ دو کہ اچھا، تم انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں'' (الانعام۶:۱۵۸)

فَقُلۡ اِنَّمَا الۡغَيۡبُ لِلّٰهِ فَانۡتَظِرُوۡا ۚ اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ۝ تو ان سے کہو ''غیب کا مالک و مختار تو اللہ ہی ہے، اچھا، انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں'' (یونس۱۰:۲۰)

قُلۡ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ۝ ان سے کہو ''اچھا، انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں'' (یونس۱۰:۱۰۲)

ہدایت کے اعتبار سے طالب حق کا مایوس ہو جانا بہت نقصان دہ ہے۔ جو شخص اقامت دین کی جدوجہد کے لیے مفید ثابت ہوسکتا تھا، ضائع ہو جاتا ہے۔ ایک نوجوان نے جمعہ کے دن وعظ سنا کہ ہدایت کو تلاش کرنا ہر شخص پر لازم ہے۔ اس کے دل میں تڑپ پیدا ہوئی کہ فلاں مشہور بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ سفر کی صعوبت اٹھا کر بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ بزرگ کے پاس ایک دن رات قیام کرتا ہے۔ اسے عام بزرگوں میں اور ان خاص بزرگوں میں کوئی نمایاں چیز نظر نہیں آتی۔ اس کی آس امید چکنا چور ہو جاتی ہے پھر وہ گھر سے حق کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ مختلف علماء، پیروں، نیک لوگوں اور صالحین کی جماعتوں کے پاس جاتا ہے۔ اسے مختلف الخیال لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایک سبق فرقہ واریت کا ملتا ہے تو دوسرا ترک دنیا کا، تیسرا تزکیہ کا اور چوتھا مفاد پرستی کا۔ کسی جگہ دنیاوی لالچ دیکھتا ہے اور کئی اسے مالیات میں دھوکا دیتے ہیں۔ کئی مقامات پر اسے منافقت سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اسے مخلص اور مکمل اسلام پر عمل کرنے والے نہیں ملتے۔ جہاں بھی جاتا ہے دین کی طرف نامکمل بلانے والے ملتے ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مکمل دین دنیا میں کسی ایک شہر یا بستی میں نافذ نہیں ہے جو بھی نیک لوگ ملتے ہیں وہ بس جزئیات دین پر ہی عمل کرتے ہیں بلکہ دین کے نام پر پیسے بنانے والوں کی اکثریت ہے۔ کسی بظاہر نیک آدمی کے ساتھ اگر کوئی بھول کر کاروبار کر لے تو اس کے لاکھوں روپے غرق ہو جاتے ہیں۔ آج کا ماحول سچے طالبان حق کے لیے پریشانی، مایوسی اور مصیبتیں لے

کرآتا ہے۔ پاکستان کے فرقہ پرست ماحول میں تو حق کی تلاش جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ کٹھن کام ہے۔ ہر داعی اپنے زعم میں سچا ہے لیکن وہ چند مخصوص نظریات کے سوا کوئی اور بات کرنے یا سننے کو تیار نہیں۔ اتنی بڑی دنیا میں ایک بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہیں۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے؟ حق پرست ان مختلف عوامل سے متاثر ہو کر مایوس نہ ہوں تو اور کیا کریں؟ بہت سے لوگ بڑے جذبے سے چلے لیکن چند مذہبی امور کو اپنا کر گھر بیٹھ گئے۔ اقامت دین کا جذبہ اور مکمل اسلام کی تلاش بس ایک خیال ہی بن کر رہ گئی۔

میری تحقیق کے مطابق جزئیات دین پر قناعت ہی اقامت دین کی ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ ہدایت کے لیے نیت کو بہت دخل ہے۔ اگر کوئی صدق دل سے مکمل دین کی تلاش میں چلے تو چند سال کی تلاش اور خواری کے بعد اسے قرآن وسنت اور صحیح بات کا پتہ چل جاتا ہے۔

حسن انتظار مایوسیوں سے نکال لاتا ہے

مایوس طالب حق اگر خود سچا ہے اور سچائی کا طالب ہے تو اسے اپنی نیت صحیح کرنی چاہیے۔ اسے صرف ہدایت کی نیت سے ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ قرآن مجید کا مطالعہ کرنا چاہیے اور آخر میں چند منٹ بیٹھ کر تدبر کرنا چاہیے کہ میں جو ہدایت کا سچا طالب ہوں، اس سچے قرآن نے آج مجھے کیا ہدایت دی ہے؟ جو تازہ ہدایت ملے اس پر وہ عمل کرے۔ ان شاء اللہ اس میں امید پیدا ہو جائے گی اور ہدایت کی راہیں کھلتی جائیں گی۔ دوسرے وہ جس اچھے انسان سے ملے تو نیت میں ہدایت کو ذہن میں رکھے۔ مخاطب کی ہر بات نہ مانے وہ بات مان لے جو قرآن وسنت کے مطابق ہو۔

حق کے طالب کو شہد کی مکھی کی طرح شہد سے دلچسپی رکھنی چاہیے۔ ہم عقلمند ہیں، عقل کی بات ہمیں جہاں سے بھی ملے اسے مضبوط پکڑ لیں۔ ہم نہ دیکھیں کہ کہنے والا کون ہے؟ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے حسن ظن رکھنا چاہیے۔ ہم بھی تقریر کرنے والے سے حسن ظن رکھیں اور اس کی غلطیوں پر تنقید کرنے کی بجائے اس کی اچھی باتوں کو قبول کر لیں۔

منافق

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ (البقرہ ۲:۸)

منافقت ایک بہت ہی خطرناک بیماری ہے:

رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ط فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ تو تم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو، افسوس ان کے حال پر۔ (محمد ۴۷:۲۰)

یہ انسان کے ایمان اور عمل کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ قرآن نے بڑی وضاحت سے منافقوں کی مذمت کی ہے بلکہ ان سے جنگ کرنے اور سختی کرنے کا بھی حکم دیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ط وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اے نبی ﷺ کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ آخر کار ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔ (التوبہ ۹:۷۳)

اس لیے ہدایت سے محروم رہ جانے والے ان دشمنان دین کی پہچان اور ان سے بچنا ضروری ہے۔ اگر احتیاط نہ کی جائے اور منافقت کے مرض میں مبتلا ان لوگوں کو ذمہ داری کے عہدے دے دیے جائیں تو وہ تحریک کا بیڑا غرق کر دیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے تو منافقوں کو مشورے تک میں شامل نہیں کیا اور اگر کبھی انھوں نے کوئی مشورہ دیا تو آپ ﷺ نے کبھی ان کا مشورہ بھی قبول نہ کیا۔ منافقوں کی کئی قسمیں ہیں:

☆ وہ لوگ جو دل سے اسلام کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایمان کے بلند بانگ دعوے بھی کرتے ہیں لیکن اپنے عمل میں کوئی اصلاح نہیں کرتے۔ بدستور نظام باطل کے پشتی بان بنے رہتے ہیں اور اپنے کاروبار، علم اور جدوجہد کے تمام پہلوؤں سے باطل ہی کی سرفرازی کے

لیے کام کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر اسلام کی خیر خواہی کا کوئی دعویٰ کریں بھی تو وہ کسی مصلحت ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ دین کے ایسے ہمدرد بعض اوقات کوئی مفید کام بھی کر جاتے ہیں لیکن ان کا مجموعی طرزِ عمل حق کی مخالفت ہی ہوتا ہے۔ یہ لوگ نہ صرف خود حق سے محروم رہتے ہیں بلکہ خدا کے دین کی مخالفت کا گناہ بھی اٹھاتے ہیں۔ ایسے نیک لوگوں کے لیے جو نیک ہونے کے باوجود ظالموں کا ساتھ دیتے ہیں حدیث میں بڑی وعید ہے۔ مشکوۃ میں حضرت اوس رضی اللہ عنہ بن شرجیل روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ مشی مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِيه وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٍ فَقَدْخَرَجَ مِنَ الْإِسْلَام

جو شخص کسی ظالم کا ساتھ دے کر اس کو قوت پہنچائے گا درآں حالیکہ وہ جانتا ہے کہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

☆ دل میں اسلام کی محبت اور عقیدت رکھتے ہیں لیکن ماحول کی سختیوں، ظالموں کی چیرہ دستیوں اور مالی مفادات کی وجہ سے اسلام کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ قرآن ایسے خاموش اور بزدل لوگوں کو بھی منافق ہی قرار دیتا ہے۔ جو لوگ حق کو حق سمجھنے کے باوجود اس کا ساتھ نہ دیں ان کے نیک اعمال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ کمزور اور مجبور شخص خلوص کے ساتھ اپنے ایمان کی حفاظت کر سکتا ہے۔ ایسا مخلص اگر آزمائش کے دور میں جماعت کا ساتھ نہ بھی دے سکے تو بھی اپنے دردوسوز کی وجہ سے اہل ایمان ہی میں گنا جاتا ہے لیکن درد سے خالی دل اور لاپرواہ عمل، غیر سنجیدہ رویہ ثبوت مہیا کرتا ہے کہ ان کو ایمان سے محروم ظلم نے نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی منافقانہ روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔

☆ سب سے زیادہ نقصان دہ منافق وہ ہے کہ جو زبان سے دعویٰ ایمان کرتا ہے، نماز بھی پڑھتا ہے، انفاق اور جہاد میں بھی حصہ لیتا ہے لیکن دل کی گہرائیوں سے اسلام کا دشمن ہے۔ اس کا بغض باتوں باتوں میں اپنا اظہار کرتا ہے۔ وہ زبان کے دھنی اور شیریں ہوتے ہیں ان کی باتیں دل کو لبھاتی ہیں:

وَاِذَارَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ط انہیں دیکھو تو ان کے جثّے تمہیں بڑے شاندار نظر آئیں۔ بولیں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ۔ (اپنی چرب زبانی سے وہ اپنے گناہوں کو چھپاتے ہیں) وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ط (المنافقون ۶۳:۴)

ہر وہ بات زبان پر نہیں ہوتی جو دل میں ہوتی ہے:

یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ۝ یہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ (آل عمران ۳:۱۶۷)

یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ط یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ (الفتح ۴۸:۱۱)

ان کو سیاست، حالات اور واقعات کی جانچ پڑتال کا ملکہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے دل میں موجود دشمن کو کئی پردوں میں لپیٹنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ بعض لوگ تو اتنے کاریگر ہوتے ہیں کہ وہ اپنی چرب زبانی، دانائی اور مصنوعی اظہار خلوص کے ذریعے داعی حق کو بھی متاثر کر لیتے ہیں اور داعی الی اللہ کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ سادہ لوح اکابرین کو منافقین کی پہچان اس وقت ہوتی ہے جب بہت سا نقصان ہو چکا ہوتا ہے۔ جعفر از بنگال اور صادق از دکن کی نوعیت کے غداروں کا پتہ ساری عمر نہ چل سکا۔ عین آخری لمحات میں انہوں نے ملک اور قوم سے غداری کی حالانکہ اگر اہل اقتدار قرآن اور حدیث کا بغور مطالعہ کریں تو ایسے منافقوں کو اوائل دور ہی میں پہچان لینا کوئی مشکل نہیں۔

ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہمیں افرادی قوت چاہیے مگر لوگوں کو اپنی رفاقت میں شامل کرتے ہوئے احتیاط ضروری ہے۔ مخلص اور منافق میں فرق کیا جانا چاہیے۔ جب کوئی نازک گھڑی آتی ہے تو پھر منافق ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں چنانچہ مصنوعی طور پر افرادی قوت کے چکر میں پڑنے کی بجائے پرخلوص ساتھیوں کی رفاقت پر انحصار کرنے سے مشکل مقامات پر پریشانیاں نہیں

آ تیں۔ ہزار چرب زبانوں سے دو مخلص ساتھی بہتر ہیں خواہ ان کا علم اور اثر و رسوخ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام کا حکم ہے کہ لوگوں کی مال اور جان سے خدمت کرو۔ دینے والے کو حکم ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے دو۔ مفاد اٹھانے والوں کو حکم ہے کہ اللہ کا فضل سمجھ کر مفاد دینے والے فرد اور اللہ دونوں کا شکریہ ادا کرو۔ ہم نے خدا کا حکم سمجھ کر کسی کی خدمت کر دی۔ اس نے خدا کا فضل سمجھ کر شکریہ ادا کر دیا۔ اقامت دین دونوں کا مشترک کام ہے۔ فریقین پر لازم ہے کہ خدا کی رضا کے لیے دین کو غالب کرنے کی جدو جہد کریں۔ دونوں فریق اللہ کی راہ میں مال اور جان کھپائیں۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ مادہ پرست معاشرے نے اقامت دین کے سوال کو بھی مفاد پرستی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ ہمیں کچھ ملے یا نہ ملے، ہمیں چاہیے کہ ہم خدا کی راہ کا سفر جاری رکھیں۔ مفادات دو اور لو لیکن ان مفادات کو اقامت دین کی جدو جہد کا حصہ نہ بننے دو۔ کہیں مفاد پرستی انسان کو منافق نہ بنا دے۔ اس طرح سے تمام کیا کرایا ضائع ہو جائے اور مفاد پرست منافق حق کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ان فاسق منافقوں کو ہدایت سے محروم رکھنا عین عقل و خرد کے مطابق ہے۔ جو کھلا دشمن ہے اس کا توڑ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جو اپنا بن کر دشمنی اور غداری کرتا ہے، ایسے انسان سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن نے بار بار ان لوگوں کی چالوں کی نشاندہی کی ہے تاکہ سمجھ دار لوگ ان سے بچ سکیں لیکن افسوس ہے کہ آج کے داعیان دین بغل کے سانپوں کو دودھ پلا کر موٹا کر رہے ہیں تاکہ نازک وقت پر ان کو ڈس لیں:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۝ (البقرہ ۲:۹)

وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکے بازی کر رہے ہیں۔ مگر دراصل وہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

اے نبی ﷺ خواہ ایسے لوگوں کے لیے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو۔ اگر تم ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو بھی اللہ انہیں ہرگز

وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ ۹:۸۰)	معاف نہ کرے گا اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے۔ اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت کی راہ نہیں دکھاتا۔
هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (المنافقون ۶۳:۴)	یہ پکے دشمن ہیں۔ ان سے بچ کے رہو۔ اللہ کی مار ان پر یہ کدھر الٹے پھرائے جا رہے ہیں۔

ذیل میں منافقین کی نشانیاں درج کی جاتی ہیں تاکہ انہیں پہچاننا آسان ہو جائے:

منافق دھوکے باز ہوتے ہیں۔ (البقرہ ۲:۹) (النساء ۴:۱۴۲)

دعویٰ ایمان میں جھوٹے اور ایمان لانے کے بعد کفر کرتے ہیں۔ (المنافقون ۶۳:۱) (البقرۃ ۲:۸)

راہ خدا سے روکتے ہیں۔ (المنافقون ۶۳:۲) (المجادلہ ۵۸:۱۶)

بظاہر معزز اور سفید پوش لیکن دل کے برے۔ (المنافقون ۶۳:۴)

بھلائی سے باز رہتے ہیں، عملاً فاسق ہوتے ہیں۔ (التوبہ ۹:۸۰) (التوبہ ۹:۸۴) (التوبہ ۹:۹۶)

ناکارہ وسست۔ (التوبہ ۹:۵۴)

متکبر، اپنی سرداری قائم کرنے کے خواہشمند۔ (المنافقون ۶۳:۵)

قرآن، اسلام، احکامات رسول ﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (التوبہ ۹:۶۴-۶۵)

مال اور دولت کی محبت میں غلطاں۔ مفاد پرست۔ (النساء ۴:۷۲-۷۳)

برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں۔ (التوبہ ۹:۶۷)

مسلمانوں کے عروج پر حسد کرتے ہیں۔ (التوبہ ۹:۵۰)

انفاق کا وعدہ کرتے ہیں لیکن خوش حالی ملنے پر خیرات کرنے سے گھبراتے ہیں۔ (التوبہ ۹:۷۵-۷۶)

جہاد سے کنی کتراتے ہیں (النساء ۴:۷۷) (التوبہ ۹:۸۶) (الاحزاب ۳۳:۱۲-۱۳)

زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ (البقرہ ۲:۱۱-۱۲) (البقرہ ۲:۱۴) (التوبہ ۹:۴۷)

سوءظن کرتے ہیں۔ (النور ۲۴:۵۰) (آل عمران ۳:۱۵۴) (الفتح ۴۸:۱۲)

فیصلہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بجائے طاغوت سے رجوع کرتے ہیں۔(النساء۴:۶۰۔۶۱)(النور۲۴:۴۸)

اسلام کے خلاف خفیہ مشورے کرتے ہیں۔(النساء۴:۸۱)

مسلمانوں کو کافر بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔(النساء۴:۸۹)

ہر فتنہ میں پڑ جاتے ہیں۔(التوبہ۹:۴۷۔۴۹)

دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں۔(النساء۴:۱۴۲)(الماعون۱۰۷:۴۔۶)

ایمان اور کفر میں ڈانواں ڈول۔(النساء۴:۱۴۳)(المجادلہ۵۸:۱۴)

بے رخی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔(الانفال۸:۲۳)

کسی بھی کام میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔(التوبہ۹:۷۶)

وعدہ خلافی کرتے ہیں۔(التوبہ۹:۷۷)

جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔(التوبہ۹:۴۲)(التوبہ۹:۹۰)(التوبہ۹:۱۰۷)

انفاق کو چٹی سمجھتے ہیں۔(التوبہ۹:۹۸)

شک میں مبتلا رہتے ہیں۔(التوبہ۹:۴۵)(التوبہ۹:۱۱۰)(الحدید۵۷:۱۴)

سرکش (البقرہ۲:۱۵)

انسان کی دی ہوئی تکلیف کو اللہ کا عذاب سمجھ کر راہ حق سے ہٹ جاتے ہیں۔(العنکبوت۲۹:۱۰)

خود جھوٹے ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔(الاحزاب۳۳:۱۲)

غلط افواہیں پھیلاتے ہیں۔(الاحزاب۳۳:۶۰)

قطع رحمی کرتے ہیں۔(محمد۴۷:۲۲)

لڑائی میں کفر کا ساتھ دیتے ہیں۔(الحشر۵۹:۱۱)

بظاہر اکٹھے ہیں لیکن ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔(الحشر۵۹:۱۴)

سوجھ بوجھ نہیں رکھتے۔(الحشر۵۹:۱۳)

عقل سے عاری، بیوقوف۔(الحشر۵۹:۱۴)

اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ (المنافقون ۶۳:۴)

نجویٰ، خفیہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ (المجادلہ ۵۸:۸)

حدیث شریف میں بھی منافق کی کچھ نشانیاں بیان کی ہیں:

اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَّبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (مشکوٰۃ:۴۹)

امانت میں خیانت کرتا ہے، منافق بات بات پر جھوٹ بولتا ہے، جھوٹی قسمیں کھاتا ہے، وعدہ خلافی کرتا ہے، جب جھگڑتا ہے تو گالی گلوچ کرتا ہے۔

مرتد

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (البقرہ ۲:۲۱۷)

تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا اس کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ۝ (المائدہ ۵:۲۱)

اے برادران قوم اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے۔ پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لا الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ط وَاَمْلٰى لَهُمْ۝ (محمد ۴۷:۲۵)

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد اس سے پھر گئے ان کے لیے شیطان نے اس روش کو سہل بنا دیا ہے اور جھوٹی توقعات کا سلسلہ ان کے لیے دراز کر رکھا ہے۔

ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا، کلمہ پڑھا، مسلمان ہوا اور واپس اپنے قبیلے میں جا کر مرتد ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی قبائل نے اسلام قبول کرنے کے بعد انکار کر دیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تو مرتد کو قتل کر دیا جاتا تھا لیکن آج کل مرتد اور دین سے

منحرف ہوجانے والے کے لیے کوئی سزا نہیں اس لیے ارتداد کا مرض عام ہوگیا ہے۔ جو کوئی قرآن کی دو آیتوں کا ترجمہ پڑھ لیتا ہے یا کوئی تقریر سن لیتا ہے تو وہ قرآن، حدیث اور اسلام کے خلاف قلم اٹھانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

آج کے مرتد منافق بھی ہیں۔ نام مسلمانوں جیسا، قرآن اور حدیث سے ہی استدلال اور اعلانیہ قرآن و سنت کے احکامات کا انکار مثلاً بے نظیر بھٹو نے اخباروں میں بیان دیا، جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا ظلم ہے۔ نواز شریف نے سود کی آئینی مدت کے اختتام پر سپریم کورٹ میں مؤقف اختیار کیا کہ ہماری معیشت سود کے بغیر نہیں چل سکتی لہٰذا سودی نظام کو جاری رکھنے کی اجازت دی جائے۔ پرویز مشرف نے امریکہ میں اعلان کیا کہ میں چوروں کے ہاتھ کاٹ کر قوم کو ٹنڈا نہیں کرنا چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک زلزلے میں کتنے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے؟ اس کا تو کوئی حساب نہیں کرسکتا۔

مسلم ملک میں، مسلم عوام میں، خود مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کا سربراہ ہوکر قرآن کی واضح حد کے خلاف بیان دینا ارتداد نہیں تو اور کیا ہے؟ انسان کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے پھر وہ بداعمالیاں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ہدایت سلب کر لیتا ہے اور اس کو گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ کی رحمت، نگرانی اور مدد سے محروم ہوجاتے ہیں۔

ملحدانہ نظام تعلیم مسلمان بچوں کو گمراہ کرنے کی دن رات کوشش کر رہا ہے۔ لاکھوں کے حساب سے مسلمان بچے کلمہ توحید پڑھنے کے باوجود راہ حق سے نا آشنا ہیں۔ آج کل جو تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیاں جاری ہیں وہ ان بھٹکے ہوئے گمراہ مسلمانوں کو صحیح شعوری مسلمان بنانے کے لیے ہیں۔ ہندو یا عیسائی بہت کم مسلمان ہوتا ہے۔ یہ پرانے پیدائشی گمراہ مسلمان ہی صحیح اللہ والے بن جائیں تو بھی معاشرہ تبدیل ہوسکتا ہے۔ ہم بیس پچیس سال محنت کر کے چند لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا سکتے ہیں۔ دوسری طرف یہ حکومتی ذرائع ابلاغ اور تعلیم ہیں جو روزانہ کے حساب سے لاکھوں نوجوانوں کو گمراہ کررہے ہیں۔ جس طرح گمراہ انسان ہدایت پاتا ہے اسی طرح ایک نیک مسلمان

بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔ان نیک مسلمانوں کو گمراہ کرنے والے عوامل کا ذکر بڑی تفصیل سے ہو چکا ہے لیکن ہدایت کھو کر گمراہی پانے والے خود اپنی غلطی کے ذمہ دار ہیں۔ ماضی میں وہ حق پرست تھے لیکن بیرونی عوامل اور دنیاوی مفادات کے حصول کے لیے وہ حق کو پہچان کر چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے لوگ شیطان کے ساتھی ہیں اور وہ پوری طرح شیطان کی سربراہی قبول کر لیتے ہیں۔

ہدایت پانے والوں کی صفات

اب ہم ان عوامل کا ذکر کریں گے جن کے ذریعے انسانوں کو ہدایت کی توفیق ملتی ہے۔ نہ صرف ایک دفعہ توبہ کی جاتی ہے بلکہ بار بار ہدایت ملتی ہے اور اگر کبھی گمراہی گھیر لے تو بھی واپس ہدایت کی طرف پلٹنا ممکن ہوجاتا ہے اور راہ حق میں ترقی ہوتی ہے۔ اس لیے ہم ان لوگوں پر محنت کریں جو ہدایت پانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح احوال پر خصوصی توجہ دیں۔ ہم خود بھی ہدایت کے محتاج ہیں اس لیے ہمیں بھی اپنے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کرلینی چاہئیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان کو ہدایت دیتا ہے۔ داعی حق ہر لمحہ ہدایت کا طالب ہوتا ہے۔ اس کی دن میں کئی بار یہی دعا ہوتی ہے، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ مجھے توقع ہے کہ ان خصائص کا بیان جن کی وجہ سے ہدایت ملتی ہے، داعی الی الخیر اور طالب حق دونوں کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

انتخاب

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے چنے ہوئے بندے رسول اور نبی علیہ السلام بنا کر بھیجے:

قَالَ يٰمُوْسٰى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۫ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

فرمایا ”اے موسیٰ علیہ السلام، میں نے تمام لوگوں پر ترجیح دے کر تجھے منتخب کیا کہ میری پیغمبری کرے اور مجھ سے ہم کلام ہو۔ پس جو کچھ میں تجھے دوں اسے لے اور شکر بجالا“۔ (الاعراف ۷:۱۴۴)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص (آل عمران۳:۱۷۹) اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کر دے۔ غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں میں سے میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔

پھر پیغمبر علیہ السلام کے لیے ساتھیوں کا بھی انتخاب کیا۔ ہر زمانے میں یہ اللہ کے نیک بندے دین کی سربلندی کے لیے کام کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ مستقبل میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے دین کے خادموں کا انتخاب کرتا رہے گا۔ یہ انتخاب الل ٹپ نہیں ہوتا، کسی قاعدے کلیے کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم و علیم اور بالا دست ہے۔ وہ جسے ہدایت دے، کسی معقول بنیاد پر دیتا ہے جس کی کافی تفصیل اس کتاب میں درج ہو چکی ہے۔ اگر وہ کسی کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے تو اس کے لیے بھی معقول وجوہات موجود ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بھی حکمت اور نظم و ضبط سے خالی نہیں ہے۔ یہ انتخاب بھی طریقے سلیقے سے ہوتا ہے۔ دین کا کام اللہ تعالیٰ کا ذاتی کام ہے۔ اپنے دین کا کلمہ سربلند کرنے کے لیے وہ مسلمانوں میں سے اہل خلوص کو چن لیتا ہے۔ اب یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ کن بنیادوں کو مدنظر رکھ کر لوگوں کو ہدایت دے کر اپنے دین کی خدمت کے لیے چنتا ہے؟ تو قرآن اس بارے میں بالکل صاف ہدایت دے رہا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج (فاطر۳۵:۳۲) پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے (اس وراثت کے لیے) اپنے بندوں میں سے چن لیا۔

اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (النحل۱۶:۱۲۱) اللہ نے اس کو منتخب کر لیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ج وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (الانعام۶:۸۷) نیز ان کے آبا و اجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے بہتوں کو ہم نے نوازا، انہیں اپنی خدمت کے لیے چن لیا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنۡ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ۫ وَّمِنۡ ذُرِّیَّةِ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡرَآءِیۡلَ ۫ وَمِمَّنۡ هَدَیۡنَا وَاجۡتَبَیۡنَا ؕ (مریم ۱۹:۵۸)	یہ پیغمبر ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے، اوران کی نسل سے جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا، اور ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے اور اسرائیل کی نسل سے۔ اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور برگزیدہ کیا۔
وَكَذٰلِكَ یَجۡتَبِیۡكَ رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَیُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡكَ وَعَلٰٓی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓی اَبَوَیۡكَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیۡمٌ حَكِیۡمٌ ۝ (یوسف ۱۲:۶)	اور ایسا ہی ہوگا (جیسا تو نے خواب میں دیکھا ہے کہ) تیرا رب تجھے (اپنے کام کے لیے) منتخب کرے گا اور تجھے باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھائے گا اور تیرے اوپر اور آل یعقوب علیہ السلام پر اپنی نعمت اسی طرح پوری کرے گا جیسے اس سے پہلے وہ تیرے بزرگوں ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پر کر چکا ہے، یقیناً تیرا رب علیم اور حکیم ہے''
وَوَصّٰی بِهَآ اِبۡرٰهِیۡمُ بَنِیۡهِ وَیَعۡقُوۡبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی لَكُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ (البقرہ ۲:۱۳۲)	اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت اس نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو کر گیا۔ اس نے کہا تھا کہ میرے بچو، اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے۔ لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔
ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیۡهِ وَهَدٰی ۝ (طٰہٰ ۲۰:۱۲۲)	پھر اس کے رب نے اسے برگزید کیا اور اس کی توبہ قبول کرلی اور اسے ہدایت بخشی۔

اجتبٰی کے معنی ہیں پسند کرنا، چن لینا، مصطفٰی، برگزیدہ۔ مشیت کا یہ مفہوم لینا کہ اللہ تعالیٰ کا چاہنا بس یوں ہی ہے کہ جس پر نگاہِ انتخاب پڑ گئی، چن لیا۔ انسان اللہ کو بھی اپنے آپ پر قیاس کر لیتا ہے۔ انسان کو جو بھی خوبصورت عورت نظر آئی دل کو بھا گئی۔ اسی پر فریفتہ ہو گیا۔ اللہ ایسا

حسن پرست اور جنسیات کا غلام نہیں۔

اللہ ان فضول تصورات سے پاک اور بالا ہے۔ اللہ کو اگر کوئی انسان پسند آتا ہے تو اس کا ایمان، تقویٰ، تزکیہ، ایثار اور صالح عمل دیکھ کر اسے چنتا ہے۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے کیا اور انہیں اپنا دوست بنایا۔ کیا ابراہیم علیہ السلام کو بھی پہلی نظر میں خلیل کہہ دیا؟ نہیں ابراہیم علیہ السلام کا ایک بڑا لمبا امتحان ہوا جسے آپ نے کئی سالوں میں پاس کیا۔ بیس پچیس سال کے امتحان کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو وہ مقام ملا جو کسی اور پیغمبر کو نہیں ملا:

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

یاد کرو کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا تو اس نے کہا: ''میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں'' (البقرہ۲:۱۲۴)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی دین کے غلبے کے لیے چنا اور انہوں نے اپنے انتخاب کو سچ کر دکھایا:

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ

اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ''مسلم'' رکھا تھا۔
(الحج۲۲:۷۸)

اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی چن لے اور اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق دے تو پھر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے ایثار، قربانی اور آزمائش سے گزرنا ہوگا۔ جب ہمارا خلوص اللہ کے دربار میں منظور ومقبول ہو گیا تو ہدایت کی توفیق بھی شامل حال ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ

رسول علیہ السلام اور امتی کے انتخاب میں فرق ہے۔ رسول علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ وحی کے لیے چنتا ہے۔ اس کی خاص انداز میں اپنے ماحول کے غلط اثرات سے محفوظ رکھ کر پرورش کرتا ہے۔ ایک خاص دن اسے وحی کی نعمت سے نوازتا ہے اور ہر مقام پر اپنے نبی علیہ السلام کی مدد و امانت کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل امتی کا انتخاب بطور ایک بندہ، غلام اور ساتھی کے ہوتا ہے۔ امتی پر وحی نہیں اترتی

اسے کتاب وسنت، اچھے خیالات، خواب، مشورے اور اچھے آثار سے توفیق، مدد اور ہدایت ملتی ہے۔غرض امتی کی نیت کے مطابق اسے ہر ممکن ذریعہ سے رہنمائی ملتی رہتی ہے۔اگر ایک منتخب شدہ امتی قرآن وسنت اور مشاورت سے ہدایت حاصل کرتا رہے تو وہ بھی کامیابی کے مراحل طے کرسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ساتھ اس کی مدد کے لیے آجاتا ہے۔پیغمبر علیہ السلام کا انتخاب اللہ تعالیٰ کا ذاتی اور مشیت الٰہی کا انتخاب ہے۔امتی کا انتخاب طلب اور نیت کے مطابق ہوتا ہے۔امتی جتنی خالص نیت رکھے گا، اتنا اسے اللہ کی طرف سے جواب مل جائے گا۔اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی خدمت کے لیے چن لے تو پھر ہمیں اپنی طلب اور نیت کو صحیح کرنا ہوگا۔

انابت

قُلۡ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ اَنَابَ ۝ (الرعد۱۳:۲۷) کہو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس سے رجوع کرے۔

اَللّٰهُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ۝ (الشوریٰ۴۲:۱۳) اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کرلیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

وَّ اَنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یُّرِیۡدُ ۝ (الحج۲۲:۱۶) اور اللہ اسے ہدایت دیتا ہے جو اس کا ارادہ کرے۔

جب بھوک لگے تو کھانے کی فکر ہوتی ہے اور بھوک نہ لگے تو انسان کھانا نہیں کھاتا۔اسی طرح ہدایت کی بھی طلب ہوتی ہے۔جب انسان ہدایت کی ضرورت محسوس کرے اور طلب صادق لے کر چلے تو پھر وہ ہدایت پانے میں سنجیدگی سے کوشش کرتا ہے۔کسی چیز کے حاصل کرنے کی خواہش انسان میں تلاش کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔جب کوشش شروع ہوتی ہے تو راستے بھی کھلنا شروع ہوجاتے ہیں۔اگر کسی کے دل میں ہدایت پانے کی ضرورت اور طلب نہ ہو تو پھر خواہ ہادی اس کا اپنا باپ ہی کیوں نہ ہو اسے ہدایت نہیں ملتی۔عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جب

انسان کسی چیز کی ضرورت اور افادیت کو تسلیم ہی نہیں کرتا تو وہ پھر اس کے حصول کے لیے کوشش بھی کیوں کرے؟ قرآن نے شرط لگا دی کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔طلب کے بعد سنجیدگی پیدا کر کے جب ہدایت کے حصول کی کوشش شروع ہوتی ہے تو پھر انسان بھاگ دوڑ کرتا ہے۔اہل ہدایت کو ڈھونڈتا ہے۔ایک مقام پر غلطی ہوتی ہے تو پھر دوسری جگہ جاتا ہے۔سابق تجربہ کی روشنی میں ذرا محتاط ہو کر چلتا ہے۔اس طرح بار بار کے تجربات سے بالآخر وہ ہدایت پا ہی لیتا ہے۔رجوع اور انابت کے معانی میں تلاش کرنا اور کوشش کر کے ہدایت پانا بھی شامل ہے۔عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ دروازہ اس کے لیے کھولا جاتا ہے جو کھٹکھٹائے۔

ہدایت حاصل کرنے کے لیے شوق اور دلچسپی بھی ایک ضرورت ہے۔اگر دلچسپی سے بات نہ سنی جائے یا کتاب نہ پڑھی جائے تو پھر وہ سنی یا پڑھی ہوئی بات یاد نہیں رہتی۔ہدایت کے شوق اور طلب کی بہترین مثال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔حق کی تلاش میں بڑے شوق اور محبت سے ایران سے نکلے۔شام اور فلسطین سے ہوتے ہوئے بڑے مصائب اور قربانیوں کی زندگی گزارتے ہوئے مدینہ پہنچے۔راستے میں یہودیت اور عیسائیت بھی قبول کی۔آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔داعی حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے متوسلین اور سامعین میں حق کو حاصل کرنے کا شوق اور طلب انگیخت کرے۔حق کی خوبیاں اور اعلیٰ نتائج بیان کر کے لوگوں کے شوق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔جب شوق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر مزید علم سیکھنے کا جذبہ اور مزید صحبت صالح کی تلاش اور کوشش کی جاتی ہے۔جو لوگ سچی طلب،شوق اور کوشش پیدا کر لیتے ہیں، ہدایت چل کر ان کے گھر آجاتی ہے۔جذبات کی دیوانگی اتنی پرکشش ہوتی ہے کہ نامعلوم طریقے سے اہل حق کی ایک دوسرے سے ملاقات ہو جاتی ہے بلکہ سچے طالبوں سے تو جانور بھی باتیں کر کے ان کی ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں۔

دعا

اللہ کی عنایت اور فضل خود بخود بھی ہوتا ہے لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ اللہ سے اس کی رحمت،

فضل اور ہدایت کے حصول کی دعا کی جائے۔قرآن نے خود اپنے قاری کو سب سے پہلے صفحے پر یہی دعا سکھائی ہے:

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔

(الفاتحہ۱:۵)

یہ دعا ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے اور اس کی افادیت یہ ہے کہ جسے ہدایت ایک دفعہ مل بھی جائے اسے ساری عمر ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے۔استقامت کے لیے بھی دعا کی حاجت ہے۔ دن میں کئی بار انسان کے گمراہ ہو جانے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔اس لیے خدا کی توفیق کی بھی دن میں کئی بار ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ نے استقامت کی دعا بھی سکھائی ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ‌ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ۝ پروردگار جب تو ہمیں سیدھے راستہ پر لگا چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو۔ہمیں اپنے خزانہ فیض سے رحمت عطا کر، تو ہی فیاض حقیقی ہے۔ (آل عمران۳:۸)

رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ۝ ''اے پروردگار، ہم کو اپنی رحمت خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کر دے (الکہف۱۸:۱۰)

فرقہ پرستی، قوم پرستی، مادہ پرستی، سیاسی مفادات اور حرص و ہوس ایسے بے شمار عوامل ہیں جو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور کمزور انسانوں کے پھسلنے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ہدایت پا کر گمراہ ہو جانا بہت خطرناک ہے۔اس لیے ہدایت پانے اور قائم رہنے والی دعائیں ساری عمر مانگتے رہنا چاہیے۔صرف دعا کافی نہیں بلکہ استقامت کے لیے فکر بھی کرنی چاہیے۔ہدایت کے معاملے میں سنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے۔اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ دعا سنتا اور قبول کرتا ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىۡ عَنِّىۡ فَاِنِّىۡ قَرِيۡبٌ‌ؕ اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ‌ۙ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِىۡ وَلۡيُؤۡمِنُوۡا بِىۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡشُدُوۡنَ ۝ اور اے نبی ﷺ، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنتا ہو اور جواب دیتا ہوں۔لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت (البقرہ۲:۱۸۶)

پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں یہ بات تم انہیں سنا دو شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔

اعتصام باللہ

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِہٖ فَسَیُدۡخِلُہُمۡ فِیۡ رَحۡمَۃٍ مِّنۡہُ وَفَضۡلٍ ۙ وَّیَہۡدِیۡہِمۡ اِلَیۡہِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۝ (النساء۴:۱۷۵)

اب جو لوگ اللہ کی بات مان لیں اور اس کی پناہ ڈھونڈیں گے ان کو اللہ اپنی رحمت اور اپنے فضل و کرم کے دامن میں لے لے گا اور اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ ان کو دکھادے گا۔

اعتصام باللہ کا لفظی ترجمہ ہے مضبوطی سے پکڑنا، چمٹے رہنا۔ اللہ تعالیٰ سے بندے کا تعلق کوئی مادی تعلق نہیں ہے۔ یہ اعتقادی اور قلبی تعلق ہے۔ ایک جذباتی اور محبت کا رشتہ ہے۔ خدا کے تعلق سے مراد اس کی کتاب اور اس کے احکامات سے تعلق ہے:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪ (آل عمران۳:۱۰۳)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

وَمَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ہُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۝ (آل عمران۳:۱۰۱)

جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا۔

اللہ کی رسی سے مراد بھی قرآن ہے۔ قرآن کو مضبوط پکڑنے سے مراد قرآن کو ہاتھوں میں اٹھانا نہیں بلکہ اس کے فرامین کو اپنی پوری زندگی میں نافذ کرنا ہے۔ خدا کی اطاعت اور قلبی معتقدات میں پختہ انسان خدا کے محبوب بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ خدا اور بندے میں جب محبت اور لگن کا مضبوط رشتہ استوار ہوتا ہے تو پھر فہم، بصیرت اور ادراک بھی ترقی کرتی ہے۔ عقل صحیح انداز میں کام کرتی ہے۔ ہدایت کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔ سابقہ بداعمالیوں کی جگہ نیک اعمال لے لیتے ہیں اور دن بدن ایمان اور عمل میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ زندگی نشیب و فراز سے مزین ہے۔ انسان کسی بھی مقام پر مکمل نہیں ہوتا۔ اللہ سے تعلق بھی کم یا زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ خدا کو مضبوطی

سے پکڑنے کا ایک مفہوم اسے ہر حال میں یاد رکھنا بھی ہے۔ آقا اور غلام کا یہ تعلق سجدے اور معافی کا رشتہ ہے۔ اطاعت اور درگزر کا معاملہ ہے۔

اتباع رسول ﷺ

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ط وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ط

کہو اللہ کے مطیع بنو اور رسول ﷺ کے تابع فرمان بن کر رہو لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ رسول ﷺ پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اس کا ذمہ دار وہ ہے۔ اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو۔ اس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے۔ (النور ۲۴:۵۴)

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امّی ﷺ پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے، اور پیروی اختیار کرو اس کی امید ہے کہ تم راہ راست پالو گے''۔ (الاعراف ۷:۱۵۸)

رسول اللہ ﷺ کی تابعداری ہی تو اصل ہدایت ہے۔ اس لیے جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی دل کی گہرائیوں سے محبت کے ساتھ اطاعت کرتے ہیں، ان کو ہدایت کی مزید توفیق مل جاتی ہے۔ رسول ﷺ کو ہادی بنا کر بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں۔ بات خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے، سنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ کئی ایسے واقعات ہیں جن کی فوراً توضیح نہیں ہوتی جب انسان سنت کے مطابق کام کرے تو پھر ان واقعات واحکامات کی افادیت کی سمجھ آجاتی ہے۔ نبی ﷺ کے ارشادات پر عمل درآمد کرتے وقت ایک خاص احتیاط ضروری ہے۔ وہ ہے سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔ جس کام کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسے ضرور کرنا چاہیے۔ جس حکم میں تاکید کا پہلو ہے اس کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ جو کام روزمرہ زندگی میں نوافل اور زوائد کا حکم رکھتے ہیں ان پر عمل درآمد میں بھی سختی نہیں ہونی چاہیے۔ سنت کی تاکید میں فرق کرتے وقت ایک احتیاط اور بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ اپنے ذہن سے اہمیت مقرر نہیں کرنی چاہیے۔ کام اور حکم

کی اہمیت اسلام ہی کے نقطہ نظر سے متعین ہونی چاہیے مثلاً سنت رسول ﷺ یہ ہے کہ بکری ذبح کی اور ساری صدقہ کر دی۔ بہت قلیل اپنے کھانے کے لیے رکھی۔ امت کو اجازت ہے کہ ایک تہائی تک گوشت اپنے ذاتی استعمال کے لیے رکھ لے۔ اگر قوم کی ضرورت ہو تو پھر سنت یہی ہے کہ ساری بکری تقسیم کر دے یعنی ذاتی حصہ بھی بانٹ دیا جائے۔ یہ ایثار اللہ کو پسند ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں:

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَابَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا	عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک بکری ذبح کی نبی ﷺ نے فرمایا اس سے کس قدر باقی ہے؟ انہون نے کہا کہ اس کا صرف کندھا باقی رہ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کندھے کے سوا سب باقی رہ گئی ہے۔ (مشکوۃ:۱۸۲۴)

تصدیق

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝	اور بھلائی کو سچ مانا اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ (الیل۹۲:۶۔۷)

حق کے معنی ہی سچی بات کے ہیں۔ وہ سچ جسے جھٹلایا نہ جا سکے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اپنے معمولات زندگی میں قول وفعل سے سچ پر عمل کریں اور سچائی کی تصدیق بھی کریں۔ زبان سے عام لوگوں کے سامنے گواہی دیں کہ دین اسلام ایک سچا دین ہے اور اپنے عمل اور کردار سے بھی سچ کی تصدیق کریں۔ اسے شہادت حق بھی کہا جاتا ہے۔

دوسرے انسانوں کے سامنے اپنے کردار سے اسلام کا صحیح نمونہ پیش کر کے جو لوگ اپنی عملی زندگی میں ثابت کرتے ہیں کہ نیکی ہی کرنے کا کام ہے۔ ہر مشکل میں نیکیوں سے چمٹے رہتے ہیں۔ دنیاوی نقصان اٹھا کر بھی نیکی سے دست بردار نہیں ہوتے۔ کسی بھی قسم کا ظلم، ناانصافی، سازش، مال اور جان کا ضیاع ان کو نیکی پر استقامت سے نہیں روک سکتا تو ایسے حق پرستوں کی ہدایت کی راہیں کھول دی جاتی ہیں۔ انہیں روزمرہ زندگی میں ایسی سوجھ بوجھ دے دی جاتی ہے کہ

وہ حق کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

سچ کو سچ ماننا اور سچ کا اپنے کردار سے عملی ثبوت مہیا کرنا صرف چند معاملات میں ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں ضروری ہے۔ سچائی کی تصدیق کی ضرورت اس وقت زیادہ پیش آتی ہے۔ جب معاملہ دنیاوی مفادات کا ہو۔ جو لوگ جھوٹ سے وابستہ مفادات چھوڑ دیتے ہیں وہی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔ سچائی حق کی طرف بلاتی ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (الزمر ۳۹:۳۳) اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جنہوں نے اس کو سچ مانا، وہی عذاب سے بچنے والے ہیں۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا ط قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ ج بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (الحجرات ۴۹:۱۷) یہ لوگ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان سے کہو اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم واقعی اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو۔

ایمان

اہل ایمان ہدایت کے سچے طلب گار ہوتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت ان لوگوں کو دیتا ہے جو بغیر دیکھے اس کی توحید کے قائل ہو جاتے ہیں:

ھٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَھُدًی وَّ رَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝ (الجاثیہ ۴۵:۲۰) یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو یقین لائیں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ط وَمَنْ یُّؤْمِنْ م بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (التغابن ۶۴:۱۱) کوئی مصیبت کبھی نہیں آتی مگر اللہ کے اذن ہی سے آتی ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِہٖ ط وَاللّٰہُ یَھْدِیْ پس جو لوگ ایمان لائے اللہ نے ان کو اپنے اذن سے اس حق کا راستہ دکھایا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا

مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۝ تھا۔اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔
(البقرہ۲:۲۱۳)

وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ ۙ وَهُدًی وَّ رَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۝ (النحل۱۶:۶۴)

ہم نے یہ کتاب تم پراس لیے نازل کی ہے کہ ان اختلافات کی حقیقت ان پر کھول دو جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں۔یہ کتاب رہنمائی اور رحمت بن کر اتری ہے ان لوگوں کے لیے جو اسے مان لیں۔

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ وَهُدًی وَّ رَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۝ (الاعراف۷:۲۰۳)

یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو اسے قبول کریں۔

واضح رہے کہ ایمان بھی گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے:

وَ لَمَّا رَاَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ ۙ قَالُوۡا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمۡ اِلَّاۤ اِیۡمَانًا وَّ تَسۡلِیۡمًا ۝ (الاحزاب۳۳:۲۲)

اور سچے مومنوں (کا حال یہ تھا کہ جب انہوں) نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ ”یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات بالکل سچی تھی۔“اس واقعہ نے ان کے ایمان اور ان کی سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔

جب ایمان زیادہ ہو تو حق کی قبولیت بھی آسان ہو جاتی ہے۔ایمان میں کمی اور غفلت سے ہدایت کی راہ محدود ہو جاتی ہے۔اس بات کا امکان ہے کہ زبانی دعویٰ ایمان کرنے والا شخص ہدایت یافتہ نہ ہو۔ہدایت یافتہ وہ ہے جو دل کی گہرائیوں سے خدا پر یقین محکم رکھے۔

تسلیم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ

اے ایمان والو!تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (البقرہ۲:۲۰۸)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (النحل۱۶:۱۰۲) ان سے کہو کہ اسے تو روح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تا کہ ایمان لانے والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور فرماں برداروں کو زندگی کے معاملات میں سیدھی راہ بتائے اور انہیں فلاح وسعادت کی خوشخبری دے۔

تسلیم، اسلام، سلامتی ایک ہی لفظ کی مختلف شکلیں ہیں۔ ان کا مادہ س ل م ہے۔ ایمان کے بعد لازم ہے کہ جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے اسے ماننے کے ساتھ اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا جائے اور دل کی خوشی سے حکم پر عمل درآمد کیا جائے۔ یہ عملاً مان لینا اسلام کہلاتا ہے۔ علماء میں اختلاف ہے کہ ایمان کے بغیر اسلام اور اسلام کے بغیر ایمان کی کیا حیثیت ہے؟

میرا تجربہ اور پختہ رائے ہے کہ ایمان کے بغیر اسلام کا کوئی فائدہ نہیں اور اسلام کے بغیر ایمان بے کار ہے۔ دونوں ایک جسم واحد کے اٹوٹ حصے ہیں۔ دین حق ایک اکائی ہے اور ایمان اور اسلام اس کے حصے ہیں۔ نماز، روزہ، توکل، تزکیہ وغیرہ دین کے حصے ہیں۔ اس طرح تمام اجزائے ترکیبی کو جمع کرنے کا نام دین حق ''اسلام'' ہے۔ آج مکمل اسلام پر خود عمل کرنے اور اسلام کو پاکستان میں مکمل نافذ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے کلمہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں ان کی ہدایت کی راہیں بھی کشادہ ہو جاتی ہیں:

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ط فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ (الجن۷۲:۱۴) اور یہ کہ ''ہم میں سے کچھ مسلم (اللہ کے اطاعت گزار) ہیں اور کچھ حق سے منحرف تو جنھوں نے اسلام (اطاعت کا راستہ) اختیار کر لیا انہوں نے نجات کی راہ ڈھونڈ لی۔

جو لوگ من مرضی کرتے ہیں وہ اپنے ذاتی نفس، خیال اور خود ساختہ عقیدے کے سامنے

سر تسلیم خم کرتے ہیں۔انسان جھکنے کے سلسلے میں اپنے نظریے کو استعمال کرتا ہے جس کا نظریہ غلط اور مفادات کا غلام ہوگا وہ اللہ کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرے گا اور ہر قسم کی طاقتوں کے سامنے جھکتا رہے گا۔ جو اللہ کا غلام ہے، آخرت کی جوابدہی کی تیاری کر رہا ہے وہ صرف اللہ کے سامنے جھکے گا اور کسی غیر کے سامنے نہیں جھکے گا۔کسی باطل کو قبول نہیں کرے گا۔

رضا

يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۞ (المائدہ۱۶:۵) اور (اس حق نما کتاب) کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

رضائے الٰہی کا حصول نصب العین ہے۔انسان ہر کام اللہ کی رضا حاصل کرنے ہی کے لیے کرتا ہے۔اللہ کی رضا کے طالبوں کو اللہ اپنی رضا کے حصول کے طریقے بتاتا اور سہولتیں مہیا کرتا ہے۔کسی وقت انسانی عقل وفہم کی کمزوری سے اگر کوئی بات سمجھ نہ بھی آئے تو رضا کے طالبوں کو بعد کی کسی گھڑی میں سمجھ آ جاتی ہے۔زبان سے دعویٰ اور دل سے رضا کی نفی ایک بڑا خطرناک مرض ہے۔رضا کے طالب دکھاوے کے لیے یا دنیا کی طلب کے لیے کام نہیں کرتے۔خلوص نیت سے رضائے الٰہی کے طالب ہوتے ہیں۔

تقویٰ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۞ (آل عمران۱۰۲:۳) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ یہ لوگوں کے لیے ایک صاف اور صریح تنبیہہ ہے اور جو لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (آل عمران ۳:۱۳۸) اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔

جو لوگ خدا سے ڈر کر زندگی گزارتے ہیں ان کو ہدایت میں آسانیاں بھی مل جاتی ہیں۔ تقویٰ کے تین معانی ہیں۔ اللہ سے ڈرنا، اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا اور اللہ کے عذاب دوزخ سے بچنا۔ تقویٰ کسی عمل کا نام نہیں۔ یہ ایمان کی طرح ایک کیفیت کا نام ہے۔ یہ ہر عمل صالح میں موجود رہتا ہے مثلاً تقویٰ میں پڑھی گئی نماز کی کیفیت اور ہوتی ہے اور بغیر خدا کے خوف کے پڑھی گئی نماز کی اور ہوتی ہے۔ یہی حال زکوٰۃ اور جہاد کا ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ حقوق اور فرائض کی ادائیگی میں سنجیدہ اور ذمہ دار ہوتا ہے۔ ایمان کے ساتھ تقویٰ اور احسان کا بار بار ذکر آتا ہے۔ قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے تقویٰ ناگزیر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرہ ۲:۲) ہے ان پرہیز گار لوگوں کے لیے۔

سب سے پہلی صفت جو ہدایت کے لیے ضروری ہے وہ تقویٰ ہی ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں سب سے پہلے کیا گیا ہے۔ نیکیوں کی بنیاد بھی یہی تقویٰ ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ سے لاتعلق اور بے خوف ہو جائے تو اسلام کے خلاف ہو جاتا ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہو جاتا ہے۔ آج اگر مسلمان مسلمان کو قتل اور نیست و نابود کر رہا ہے تو اس کی بنیادی وجہ اسی تقویٰ کا فقدان ہے۔ بعض لوگ اللہ کی بجائے انسانوں سے ڈرتے ہیں۔ انسانوں کی طاقت، قوت، حکومت اور تخریب کاری کے ذرائع سے ڈر جاتے ہیں۔

توحید یہ ہے کہ انسان انسان سے نہ ڈرے اور انسان اگر کسی کا نقصان بھی کر دے تو اس نقصان کے اندیشے سے راہ حق سے منحرف نہ ہو جائے۔ بعض لوگ تصوراتی اور غیر مرئی قوتوں سے بھی ڈرتے ہیں اپنے ذہن میں ایک دیوی، دیوتا، روح، جن یا موکل کا تصور بٹھا لیتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں۔ ہدایت کے حصول کے لیے غیر اللہ کا خوف بھی دل سے نکالنا ضروری ہے۔

صرف اللہ سے ڈرا جائے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص یا تصوراتی موکلوں سے نہ ڈرا جائے۔ جب بے خوفی کی یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے گا۔ ارشاد ہے:

فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِىۡ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِىۡ عَلَيۡكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۝ تو ان سے تم نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو اور اس لیے میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور اس توقع پر کہ میرے اس حکم کی پیروی تم اسی طرح فلاح کا راستہ پاؤ گے۔ (البقرہ۲:۱۵۰)

عمل صالح

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ ۚ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ۝ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے انہیں ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے سیدھی راہ چلائے گا۔ نعمت بھری جنتوں میں ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ (یونس۱۰:۹)

اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۝ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔ (العصر۱۰۳:۳)

واضح رہے کہ ہدایت کوئی کھانے کی چیز نہیں بلکہ زندگی میں صحیح اعمال کرنے کا نام ہے۔ صحیح عمل صحیح سوچ کا نتیجہ ہوتا ہے اور صحیح سوچ صحیح عقیدے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ زندگی کا ہر کام عمل صالح بن جاتا ہے اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری میں کیا جائے اور زندگی کا وہی کام اگر خدا کی نافرمانی اور غلط انداز میں کیا جائے تو پھر یہ گمراہی ہے۔ صحیح عمل صراط مستقیم ہے۔ جو لوگ ایک کام صحیح کرتے ہیں تو دوسرا کام صحیح کرنے کے لیے حالات کا رخ مڑ جاتا ہے۔ جب بنیادی اینٹ سیدھی رکھی جائے تو پھر پوری عمارت سیدھی ہو جاتی ہے۔ اس طرح اسلامی احکامات باہم دگر ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا بنتی ہے۔ ہدایت ان لوگوں کو ملتی ہے جو احکامات الٰہی کی روشنی میں اپنی اصلاح کرتے ہیں۔

نماز

اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَ لَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰہَ قف فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ ۝

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والے تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ انہیں سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے۔

(التوبہ۹:۱۸)

نماز ایک ایسا عمل ہے کہ وہ نہ صرف ہدایت یافتہ ہونے کا ایک ثبوت ہے بلکہ مزید ہدایت پانے کا ذریعہ بھی۔ قرآن کی دعائے ہدایت بھی نماز ہی میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔ بعض لوگ مسلمان ہونے کے باوجود منافقوں اور فاسقوں کی طرز پر نماز پڑھتے ہیں۔ نماز کھرے اور کھوٹے کو الگ کر دیتی ہے۔ نماز پوری توجہ خشوع وخضوع سے پڑھنی چاہیے۔ اگر قرآن کے معانی بھی یاد ہوں اور دورانِ نماز قرآنی احکامات پر توجہ مرکوز رہے تو شیطانی وساوس اور گندے خیالات پیدا نہیں ہوتے۔ نماز ہمیشہ پانچ وقت باجماعت ادا کرنی چاہیے۔ فرض کے ساتھ نوافل پڑھنے سے بھی ہدایت میں ترقی ہوتی ہے۔

صبر

صبر راہ راست حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے:

الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رَحۡمَۃٌ قف وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُہۡتَدُوۡنَ ۝

(البقرہ۲:۱۵۵۔۱۵۷)

ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ انہیں خوش خبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی۔ اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝ صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔ (الزمر ۳۹:۱۰)

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۝ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے (النحل ۱۶:۱۲۶)

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ پس اپنے رب کا فیصلہ صادر ہونے تک صبر کرو اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جاؤ، (القلم ۶۸:۴۸)

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وقف وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۝ اور جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ان کے اندر ہم نے ایسے پیشوا پیدا کیے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے۔ (السجدہ ۳۲:۲۴)

صبر کے لفظی معنی ہیں اپنے آپ کو روک دینا۔ پوری زندگی ہی صبر کا نام ہے۔ زندگی کی ہر گھڑی کسی نہ کسی حوالے سے انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے۔ کبھی دولت کی کمی پر، کبھی وقت کی قلت پر، کبھی عہدوں سے محروم رہ جانے پر، کبھی غم پر اور کبھی خوشیاں نہ ملنے پر صبر۔ تبلیغ و اشاعت میں تو بار بار انسانی جذبات میں اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ ان حالات کی سختیوں اور تبلیغ کی راہ کی مشکلات پر بھی صبر کرنا ہوتا ہے۔ جہاد تو سراپا صبر ہی ہے۔ اللہ کے راستے کی مشکلات سے بعض اوقات انسان گھبرا جاتا ہے۔ جہاد کامل صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔

شیطان انسان کو اکساتا ہے کہ مخالف قوتوں سے ٹکرا جاؤ۔ شیطان کی اس اکساہٹ کو پہچاننا اور صبر سے اپنے غصے اور بے عزتی کو برداشت کر جانا بھی ایک کٹھن مقام ہے۔ مکی دور میں حضرت سمعیہؓ کو قتل کر دیا گیا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اور نبی ﷺ مقتولہ کا بدلہ لینے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ یاسر رضی اللہ عنہ غلامی کی زندگی گزار رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کے گھر اس کی بیوی کی تعزیت کے لیے گئے اور فرمایا کہ یاسر کے گھر والو صبر کرو۔

اللہ کی راہ میں ہزاروں صدمے آتے ہیں۔ کئی مشکل مقامات آتے ہیں۔ صبر انسان کا

بہترین ہتھیار ہے۔صبر دراصل ساری زندگی کا کام ہے۔ ہدایت کے نقطہ نظر سے صبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ کے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ وہ قدم قدم پر انسان کی اچھے خیالات ، پرسکون جذبات کے ذریعے رہنمائی فرماتا ہے۔حی و قیوم اللہ ہر وقت انسان کے جذبات پر نظر رکھے ہوئے ہے۔صبر ساری زندگی کے سفر کا حصہ ہے جس طرح ہدایت ساری زندگی کے سفر کا حصہ ہے۔صبر کرنے والوں کو قرآن ،سنت رسول ﷺ ،تاریخی واقعات ،سکون قلب اور اللہ کی تازہ رحمت کے نزول سیہر قدم پر ہدایت ملتی رہتی ہے۔آخرت میں جنت بھی دنیا کے صبر کا بدلہ ہے:

سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ۝ ''تم پر سلامتی ہے،تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو۔'' (الرعد۱۳:۲۴)

اُولٰٓئِكَ يُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ بِمَا صَبَرُوۡا وَ يُلَقَّوۡنَ فِيۡهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا۝ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے۔آداب وتسلیمات سے ان کا استقبال ہوگا۔ (الفرقان ۲۵:۷۵)

اِنِّىۡ جَزَيۡتُهُمُ الۡيَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡٓا ۙ اَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ۝ (المومنون ۲۳: ۱۱۱) ''آج ان کے اس صبر کا میں نے یہ پھل دیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں۔''

احسان

تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ۝ هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّلۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ (لقمان ۳۱:۲۔۳) یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔ ہدایت اور رحمت ہے نیکوکار لوگوں کے لیے۔

احسان حسن سے ہے جس کے معانی ہیں خوبصورتی۔ ہر وہ نیکی احسان ہے جو خوبصورت انداز میں کی جائے۔حسن سلوک ،خدمت ،اچھی گفتگو ،نیکی ، بھلائی ،حسن اخلاق سب ہی احسان کے زمرے میں آتے ہیں۔احسان دین کا ایک لازمی حصہ اور ہدایت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

انفاق

مال کی محبت انسان کو کنجوس ،مفاد پرست ،ظالم اور فاسق بنا دیتی ہے۔مال کا لالچ حق سے

غافل کر دیتا ہے۔ کنجوس شخص خود اپنی ذاتی ضرورتوں پر بھی خرچ نہیں کر پاتا۔ اس لیے اسلام نے مال کی محبت کو دل سے نکال دینے کا حکم دیا ہے۔ جو لوگ مال کی محبت سے فارغ ہوتے ہیں ان کے دل میں خدا، اس کے رسول ﷺ اور دین کی محبت داخل ہو جاتی ہے۔ جب مال کی محبت ختم ہو جائے اور اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا شروع کر دیا جائے تو ہدایت کے راستے کھل جاتے ہیں:

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (البقرہ۲:۳)

قرآن نے مال جمع کرنے اور سینت سینت کر رکھنے کو تو تباہی قرار دیا ہے۔ کنجوس کو ناپسند کیا گیا ہے:

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۝ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ (الھمزہ ۱۰۴:۲)

پورے قرآن میں ایک بھی آیت نہیں جس میں مال جمع کرنے اور کنجوسی سے خرچ کرنے کا حکم ہو۔ یہ خرچ دو طرح سے ہے۔

روزمرہ کی ذاتی، معاشی، کاروباری اور معاشرتی ضرورتوں پر خرچ کرنا:

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ ط فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ (الحدید۵۷:۷)

انفاق کا کلیہ یہ ہے کہ ساری دولت کے تین حصے کیے جائیں۔ یہ تینوں حصے برابر برابر بھی ہو سکتے ہیں اور انسانی ضروریات کے تحت کم و بیش بھی ہو سکتے ہیں۔ ایک حصہ کاروبار کی ترقی اور دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے مثلاً ٹریکٹر، جیپ، دوکان، عمارت، ذرائع آمدن کی کشادگی اور ترقی پر خرچ کیا جائے۔ یہ سارا خرچ جائز ہے۔ دولت کا دوسرا حصہ ذاتی، خاندانی ضروریات پر خرچ کیا

جائے جیسے کھانا، کپڑے، رہائش، شادی بیاہ وغیرہ اور تیسرا حصہ اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔ پہلے دو حصوں کو صرف انفاق کہتے ہیں اور آخری حصے کو انفاق فی سبیل اللہ کا نام دیا گیا ہے۔

اگر ایمان کے ساتھ دولت کو اللہ کا فضل اور امانت سمجھ کر اسلامی اصولوں کے تحت رضائے الٰہی کی تلاش میں روزمرہ کے کاموں میں خرچ کیا جائے تو یہ بھی خدا کی نگاہ میں پسندیدہ اور قابل اجر انفاق ہے۔ یہ فطری اخراجات زندگی میں ناگزیر ہیں۔

اپنی ذاتی ضرورتوں، رشتہ داروں اور مہمانوں پر خرچ کرنے پر بھی اجر وثواب ملتا ہے۔ شرط صرف ایک ہی ہے کہ فضول خرچی اور خلاف اسلام نہ ہو۔ سرمائے کو گردش میں رکھنا بھی اسلام کی ایک ضرورت ہے۔ ذاتی ضرورتوں پر خرچ کے لیے دو حدیں مقرر کر دیں کہ ایک طرف فضول خرچی ہے اور دوسری طرف کنجوسی۔ اگر انسان قرآن کی بتائی ہوئی اعتدال کی راہ پر چلے تو کوئی معاشی پریشانی نہیں آتی:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۞	نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۲۹)
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۞	جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ (الفرقان ۲۵:۶۷)

انفاق فی سبیل اللہ

اپنے عام معمولات سے بچ جانے والی دولت کو دین کی سربلندی کے لیے جہاد، غرباء، مساکین اور خدمت انسانیت کے لیے خرچ کرنے کو اللہ کی راہ کا انفاق کہا جاتا ہے۔ اس پر الگ سے اجر وثواب ملتا ہے اور اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ یہ اللہ کی راہ کا خرچ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک فرض اور دوسرا نفل اور مستحب۔

فرض صدقات

اسلام کے پانچ ارکان میں ایک اہم رکن زکوٰۃ ہے جو ہر صاحب استطاعت پر چالیسواں حصہ یا اڑھائی فیصد کے حساب سے فرض ہے:

وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا ۞ — اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو۔

(مزمل ۷۳:۲۰)

جس مسلمان کے پاس باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونے کے برابر نقد رقم گھر پر، بینک میں یا کسی کاروبار میں لگی ہو، زکوٰۃ فرض ہے۔ اگر صرف سونا ہو تو سونے کا نصاب نافذ ہوگا۔ اگر متفرق نوعیت کی رقم ہو جیسے کاروباری مال تجارت تو پھر چاندی کا نصاب نافذ ہوگا۔ نہری پانی سے سیراب زمین پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ اور بارانی زمین پر عشر یعنی دسواں حصہ زکوٰۃ ہوتی ہے۔

نفل صدقات

نفل صدقات کی بڑی وسعت ہے۔ خادمان دین کو زیادہ سے زیادہ اس راہ میں خرچ کرنا چاہیے:

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۞ (البقرہ ۲:۱۹۵) — اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔

وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۞ — اور جو رزق ہم نے تمہیں دیا، اس سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں کسی کو موت آجائے اور اس وقت وہ کہے کہ اے میرے رب کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالحین میں شامل ہو جاتا۔

(المنافقون ۶۳:۱۰)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے دین کا فروغ ہوتا ہے اور یک گونہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہمارا سرمایہ صحیح جگہ پر لگ رہا ہے۔لیکن اکثر اوقات ان اخراجات کا فائدہ بظاہر نظر نہیں آتا۔سارا سرمایہ کھپ جاتا ہے۔کوئی دنیاوی نتائج نہیں نکلتے اور دین کو بھی کوئی خاص فروغ نہیں ملتا۔بعض اوقات تو الٹا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔اللہ کی راہ کے ایسے خرچ کو قربانی اور ایثار کا نام دیا گیا ہے۔کئی مقامات پر انسان کے پاس فالتو پیسہ ہوتا ہے۔وہ اللہ کی راہ میں جہاد اور دین کے فروغ کے لیے خرچ کر دیتا ہے

بعض اوقات مالی کمزوری ہوتی ہے خود انسان کی ذاتی ضروریات اور کاروبار کے لیے بھی سرمایہ کم ہوتا ہے اور حالات ایسے بن جاتے ہیں کہ دینی ضروریات پر بھی خرچ کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ایسے حالات میں نیک لوگ اپنا پیٹ کاٹ کر اور کاروباری و خاندانی ضروریات کو کم کر کے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ان کو عام خرچ کرنے والوں کی نسبت زیادہ خرچ کرنے کا ثواب ملے گا۔ایک ثواب تو انفاق فی سبیل اللہ کا مل گیا،دوسرا ثواب ایثار اور قربانی کا،تیسرا ثواب اپنی دنیاوی ضرورتوں پر آخرت کے اجر کو ترجیح دینے کا۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے اپیل کی جاتی تھی تو وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ قرآن میں ان کی تعریف کرتا ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

جو ان لوگوں سے محبت کرتے ہوئے ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔ (الحشر ۵۹:۹)

جب دین کے غلبے کی جدوجہد ہورہی ہوتی ہے تو اس میں کئی مشکل مقامات آتے ہیں۔ جولوگ ابتدائی کمی اور مشکلات کے دور میں خرچ کرتے ہیں، ان کا اجران لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے جو بعد کے ادوار میں اور کامیابی وکامرانیوں کے دور میں خرچ کرتے ہیں:

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض ط لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ط اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ط وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (الحدید ۵۷:۱۰)

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمان کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔تم میں سے جولوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے۔ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔

مخالفوں کی زیادتیوں کی وجہ سے دین کے خادموں کو پریشانی اٹھانا پڑتی ہے۔ مال اور کاروبار کا جونقصان دین کی دشمن قوتیں کرتی ہیں، سب انفاق اور قربانی کے ضمن میں آتا ہے۔ ہدایت کی فراہمی اور اجروثواب کا تعلق انسان کے اپنے خلوص موقع محل اور دین کی ضرورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جولوگ غریبی میں خلوص کے ساتھ تھوڑا سا مال پیش کرتے ہیں بسا اوقات وہ اس ڈھیر ساری دولت سے زیادہ وزنی ہوتا ہے جوخوش حال لوگ خرچ کرتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں خرچ کیے جانے والے اس مال کو اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ قرض قرار دیتا ہے۔ رب کی کتنی کرم نوازی ہے کہ وہ خود ہی دولت عطا کرتا ہے، انسان اپنی ضرورتوں پرخرچ کرتا ہے۔ اپنے دینی اور سیاسی فائدے کے لیے خرچ کرتا ہے۔(کیونکہ دین کی خاطر خرچ انسان کی دنیا کے لیے بھی مفید ہے)اور اللہ اسے اپنے ذمہ قرض قرار دیتا ہے۔ یہ اللہ کی خاص عنایت ہے جوسخی اور غنی کو ہی نصیب ہوتی ہے۔سخاوت مال کی کثرت سے پیدا نہیں ہوتی۔غناء ایک قلبی جذبہ ہے جو

ایمان اور خلوص سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک غریب آدمی بھی سخی ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

لَيۡسَ الۡغِنٰى عَنۡ كَثۡرَةِ العرض وَ لٰكِنۡ الۡغِنٰى غِنَى النَّفس (بخاری، بروایت ابوہریرہ) دولت مندی سامان کی زیادتی پر منحصر نہیں ہے بلکہ حقیقی غناء دل کی دولت مندی سے ہے۔

بعض معاملات میں غریب آدمی ایک رئیس آدمی سے زیادہ سخی ہوتا ہے۔ ایک آدمی کے پاس دس روپے ہیں تو اس نے پانچ روپے اللہ کی راہ خرچ کر دیے اور ایک آدمی کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے اور اس نے ۲۰ روپے اللہ کی راہ میں خرچ کیے۔ ایک کی نسبت ۲:۱ ہے تو دوسرے کی نسبت ۵۰۰۰:۱ ہے۔ اس حساب کے قاعدے سے بھی پہلا شخص زیادہ سخی ہے۔ البتہ جب اس انفاق میں خدا کی رضا کا جذبہ بھی شامل ہو تو پھر ہدایت کے دروازے دور دور تک کھل جاتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جانے والا مال ضائع ہو جاتا ہے جب نیت میں ریا کاری یا احسان جتانا شامل ہو جائے۔ اسراف اور بے مقصد کاموں پر خرچ اللہ کی راہ کا خرچ نہیں گنا جاتا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰى ط كَالَّذِىۡ يُنۡفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ط فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفۡوَانٍ عَلَيۡهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا ط لَا يَقۡدِرُوۡنَ عَلٰى شَىۡءٍ مِّمَّا كَسَبُوۡا ط وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَتَثۡبِيۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ۢ بِرَبۡوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتۡ اُكُلَهَا ضِعۡفَيۡنِ ج فَاِنۡ لَّمۡ

اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملاؤ، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا، تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان رہ گئی ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔ بخلاف اس کے جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار

يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرة ۲:۲۶۴-۲۶۵) کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو۔ اگر زور کی بارش ہو جائے تو دو گنا پھل لائے اور اگر بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لیے کافی ہو جائے۔ تم جو کچھ کرتے، سب اللہ کی نظر میں ہے۔

حتیٰ کہ دکھاوے اور فضول خرچی سے اگر مسجد بھی بنا دی جائے تو وہ اللہ کی راہ کا خرچ نہیں گنا جائے گا۔ مسجد وہی اللہ کی راہ میں ہے جو تقویٰ اور کفایت شعاری سے تعمیر کی گئی ہو۔ بعض اوقات بیت المال سے بھی غربا و مساکین کی مدد کرنا پڑتی ہے۔ اس میں سب سے پہلی احتیاط یہ ہونی چاہیے کہ بیت المال کی امانت اور دیانت کا خاص خیال رکھا جائے۔ حسابات بالکل صحیح اور تازہ بہ تازہ ہوں۔ بیت المال میں سخاوت صرف استحقاق کی حد تک ہے۔ جماعت یا حکومت کا سرمایہ داد و دہش پر خرچ کرنا اور لوگوں میں فضول بانٹنا منع ہے۔ سخاوت اور فی سبیل اللہ خرچ کے دوران بھی فضول خرچی منع ہے۔ بیت المال کے معاملے میں بھی **خیر الامور اوسطھا** کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ سرکاری مفادات بھی اہل اور مستحق لوگوں کو دیے جانے چاہئیں۔ جو جتنا قابل ہے اسے اس کی قابلیت کے مطابق عہدہ دیا جائے۔ جس کی دین اور انسانیت کے لیے خدمات زیادہ ہیں اس کو بیت المال سے زیادہ دیا جائے۔ ذمہ داران اور سیاسی رہنماؤں کو اپنی ذات پر بیت المال سے اور اقربا پروری کے لیے خزانہ سے رقم لینا جائز نہیں ہے۔

جہاد

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نیکو کاروں ہی کے ساتھ ہے۔ (العنکبوت ۲۹:۶۹)

جہاد کے معانی ہیں بھرپور کوشش کرنا۔ مخالف دین کو مٹانا چاہتا ہے۔ ہر حربہ استعمال

کر کے دین کے نفاذ کو روکنا چاہتا ہے۔ اللہ کے سپاہی دین کا غلبہ چاہتے ہیں۔ اس لیے خدا کے دین کی ضرورت ہے کہ خود خدا آگے بڑھ کر اپنے بندوں کی رہنمائی کرے۔ انہیں دشمن کی چالوں سے آگاہ کرے۔ ان کو فہم و فراست دے۔ ان کو صبر، ہمت اور استقامت عطا کرے تاکہ دین کا کام آگے بڑھے۔

یہ حقیقت بہت واضح ہے کہ اللہ کے دین کی صحیح سوجھ بوجھ ہی انسان کو اس وقت آتی ہے جب وہ خود جہاد کرے۔ جہاد سے دنیا میں ہدایت کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔ جہاد ہی کے ذریعے حق پرستوں کے لیے باطل میدان خالی کرتا ہے۔ جہاد ہدایت پانے اور اس پر قائم رہنے کے لیے سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ جہاد کے لیے لازم ہے کہ صحیح نیت اور صحیح طریق کار سے کیا جائے ورنہ یہ جہاد نہیں رہتا بلکہ مفاد بن جاتا ہے۔ صحیح نیت رضائے الٰہی کا حصول ہے اور صحیح طریقہ فی سبیل اللہ ہے یعنی اللہ کے دین کو فروغ دینے اور اللہ کے احکامات کی روشنی میں خدا کے رسول ﷺ کی سنت کی پیروی میں کیا جائے۔ اپنی من مرضی بالکل نہیں کرنی چاہیے:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۞ — کافروں کی اطاعت نہ کرو اور قرآن کے مطابق ان کے خلاف بڑا جہاد کرو۔ (الفرقان ۲۵:۵۲)

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ — نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ۔

(التوبہ ۹:۴۱)

جہاد دین کا اہم ترین شعبہ ہے۔ ساری عمر کرنے کا کام ہے۔ اس کی بہت سی تفصیلات ہیں جن کا یہ موقع نہیں۔ چند ایک پہلوؤں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

☆ خود اپنے نفس کی اصلاح اور اسے اللہ اور رسول ﷺ کی تابعداری میں دینا بھی ایک بڑا جہاد ہے۔ انسانی نفس بہت خودسر ہے۔ زندگی کے اہم موڑوں پر بغاوت کر جاتا ہے۔ اس لیے اس کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ ذاتی اقتدار اور نفع بخشی کا لالچ بھی جہاد کا رخ موڑ کر اسے اللہ کے راستے سے ہٹا دیتا ہے۔

☆ زبان سے لوگوں کو دعوت حق دینا اور برائیوں پر تنقید کر کے اصلاح کرنا بھی جہاد ہے۔

☆ موجودہ زمانے کے اخبارات، رسائل یا دیگر ذرائع ابلاغ سے استفادہ کر کے خدا کا کلمہ بلند کرنا بھی جہاد ہے۔

☆ قانونی اور آئینی ذرائع سے سیاسی ماحول کو تبدیل کر کے اقامت دین کے لیے کوشش کرنا بھی جہاد ہے۔ الیکشن لڑنا اور اسی ضمن میں جلسہ جلوس اور دیگر ذرائع کا استعمال اگر صحیح نیت سے کیا جائے تو جہاد ہی ہے۔

☆ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا اور پھر اس کی پاداش میں ظلم و ستم اور نقصان برداشت کرنا بھی جہاد ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث مبارکہ ہے:

اَفۡضَلَ الۡجِهَادِ مَنۡ قَالَ كَلِمَةَ الۡحَقِّ عِنۡدَ سُلۡطَانٍ جَائِرٍ بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

☆ صاحب اقتدار خواہ کافر ہو یا مسلمان، اگر وہ خدا کی شریعت کے مطابق حکمرانی نہ کرتا ہو تو ایسی حکومت کو مٹانے اور خدا کے قانون کی حکمرانی کے لیے ہر کوشش، ہر منصوبہ جہاد ہی کے ضمن میں آتا ہے۔

☆ جب دعوتی، قانونی، آئینی اور مصالحتی ذرائع سے کوششیں ناکام ہو جائیں تو پھر ہتھیاروں کے ذریعے لڑائی کر کے اور جنگ کے ذریعے باطل کو مٹا کر حق کو غالب کرنا بھی جہاد ہے۔ اسے قتال فی سبیل اللہ کہتے ہیں:

وَقَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ۝ (البقرہ ۲:۱۹۰) اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

فَلۡيُقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يَشۡرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ ؕ وَمَنۡ يُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيُقۡتَلۡ اَوۡ يَغۡلِبۡ اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں، پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اسے ضرور

فَسَوۡفَ نُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝ ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔

(النساء۴:۷۴)

☆ ایک کمزور شخص نہ لڑ سکتا ہے، نہ کوئی قانونی چارہ جوئی کر سکتا ہے، نہ کسی کو تبلیغ ہی کر سکتا ہے لیکن وہ دل میں تڑپتا ہے، اپنے ایمان کی حفاظت کرتا ہے اور آبادیوں سے دور رہ کر باطل کے اثرات سے بچتا ہے۔ ایسا مخلص شخص اگر اپنے ایمان کو صحیح سلامت رکھ سکے تو بھی جہاد ہے۔

☆ مسلمان اپنے مال اور جان، دونوں سے اللہ کے دین کو غالب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنی جان، خیال، جذبات، جسم کے تمام قواء، زبان، آنکھ، قلم، ہاتھ، پاؤں غرض تمام حاصل صلاحیتوں سے اللہ کا کلمہ سر بلند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مالی ذرائع زمین، جائیداد، مال، مویشی، نقد رقم، موٹر سائیکل، جیپ غرض جو کچھ خدا نے وسائل مہیا کیے ہیں، جہاد کی خاطر لگا دیتا ہے۔ جو شخص خلوص کے ساتھ جتنا مال اور جان اللہ کی راہ میں لگاتا ہے اسی تناسب سے اسے اللہ کی رضا، توفیق، مدد اور استقامت نصیب ہوتی ہے۔ جو لوگ زبانی دعوے تو کرتے ہیں اور اپنے مال اور جان کو بچا بچا کر رکھتے ہیں ایسے لوگوں کو قرآن منافق کہتا ہے۔ یہاں تو خاموش فداکاروں کی ضرورت ہے جو نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر اللہ کی رضا کے حصول کے لیے سب کچھ اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کے لیے نچھاور کر دیں۔ ایسے ہی خوش نصیب اس دنیا میں کامرانیوں اور آخرت میں جنت کے مستحق ہیں۔ اللہ ہمیں بھی ایسے صالحین اور مجاہدین میں شامل کر لے۔ (آمین)

☆ کوئی عملی کام نہ ہو رہا ہو اور دور خاموشی سے گزر رہا ہو ایسے پر سکون اور خاموشی کے دور میں بھی آئندہ درپیش مراحل کو ذہن میں رکھ کر اگر سامان جہاد مہیا کیا جا رہا ہو، مالی ذرائع کے حصول کے لیے رزق حلال فراہم کیا جا رہا ہو یا چندہ وغیرہ اکٹھا کر کے وسائل جمع کیے جا رہے ہوں اور ظاہر میں کوئی جہاد کا کام نہ ہو تو یہ مرحلہ جہاد کی تیاری کا مرحلہ کہلاتا ہے۔ مستقبل کے جہاد کے لیے حال کے دور میں تیاری بھی جہاد ہی کہلاتی ہے۔ اس دور میں خرچ ہونے والا وقت، سرمایہ اور ذاتی صلاحیتیں بھی خدا کی راہ کا خرچ گنے جاتے ہیں۔ جہاد کی تیاری کرنے والے بھی عملی جہاد ہی میں گنے جاتے ہیں۔ تعلیم و تربیت اور بڑے جہاد کی ٹریننگ بھی جہاد ہی کا حصہ ہے۔ جہاد ساری عمر کا

عمل ہے اور جہاد میں مصروف شخص اللہ کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے شخص کو ہر وقت موقع محل کی نسبت سے ہدایت ملتی رہتی ہے۔ علم پھیلانا اور جہالت کو مٹا کر قرآن وسنت کی روشنی سے دلوں کو منور کرنا بھی جہاد ہے۔

صحبت صالح

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ۝ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ (التوبہ ۹:۱۱۹)

بعض اوقات اپنے علم اور تجربے کی کمی کی وجہ سے دین کی خدمت کا کام کرنے والا شخص یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ وہ کامل شخصیت بن چکا ہے۔ اب وہ لوگوں کو ہدایت پہنچانے کا فریضہ احسن طریقے سے ادا کرسکتا ہے کیونکہ وہ اچھی تقریر کرسکتا اور اچھا مضمون لکھ سکتا ہے اس لیے اسے مزید تعلیم وتربیت کی ضرورت نہیں۔ وہ مجاہد کامل بن چکا ہے۔

ایسی سوچ رکھنے والا شخص جاہل ہے۔ علم، تربیت، مشورہ اور تعاون زندگی کے ہر موڑ پر درکار رہے۔ خود خدا کے پیارے رسول ﷺ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ام سلمہؓ کے مشورے کی ضرورت محسوس ہوئی اور نبی ﷺ نے امتی بیوی کا مشورہ قبول کیا۔ ایک شخص امیر المومنین بن جائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا تقویٰ بھی اختیار کرے تو اسے بھی مزید علم، تربیت اور مشورے کی ضرورت رہتی ہے۔ انسان مرتے دم تک کسی نہ کسی پہلو سے کم علم رہ جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ایک سے بڑھ کر ایک علم والا موجود ہے:

وَفَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ ۝ اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔ (یوسف ۱۲:۷۶)

ایک ماہر امراض چشم پروفیسر کو بھی بعض اوقات اپنے ہی شاگرد ہڈیوں کے ڈاکٹر کی خدمات اور مشورے کی ضرورت آپڑتی ہے۔ کوئی شخص کبھی بھی کامل نہیں ہوتا خواہ کسی یونیورسٹی کا چانسلر ہی کیوں نہ بن جائے۔ ان گزارشات کی روشنی میں اگر مندرجہ بالا آیات کو پڑھا جائے تو پھر

یہ بات سمجھ آتی ہے کہ سچے لوگوں کا ساتھ دینا، ان کی صحبت اختیار کرنا اور ان کی صحبت میں رہ کر دین کا شعور حاصل کرنا بہت ہی ضروری ہے۔اس لیے دین کے ادنیٰ خادموں کو اپنے سے زیادہ علم اور تجربہ رکھنے والے اہل حق کی خدمت میں باقاعدہ ایک پروگرام کے تحت رہنا چاہیے تاکہ ان کے علم ،تقویٰ ،تزکیہ،طریق تبلیغ اور حکمت و دانش میں متواتر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ ایک اضافی کام نہیں بلکہ ضروری کام ہے۔

''صحبت صالح ترا صالح کند'' ایک مشہور محاورہ ہے۔ نیک آدمی اپنے سے بڑی عمر اور عہدے والا بھی ہوسکتا ہے اور اپنے سے کم عمر اور کم عہدے والا شخص بھی ۔اس لیے امیر کو اپنی ہی جماعت کے رفقاء کی نیک صحبت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔بعض اوقات کارکن کاروباری معاملات، سیاسی سوجھ بوجھ اور اخلاقیات میں امیر کی نسبت زیادہ علم و تجربہ رکھتے ہیں۔کئی ایک تو ایفائے عہد اور امانت وغیرہ میں بہت آگے ہوتے ہیں۔اس چیز کا بھی امکان ہے ایک بچے کی وجہ سے باپ توبہ کرے، چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے۔ہم نے دیکھا کہ ایک زیر تربیت شخص کی وجہ سے مربی کی اصلاح ہوئی۔

موجودہ دور کا بحران یہ ہے کہ پورے اسلام پر عمل کرنے والے صالحین نہیں ملتے۔ جو لوگ مربی اور استاد مشہور ہیں، وہ بھی جزئیات دین کے مربی ہیں ۔ مثلاً ایک آدمی بہت نیک ہے۔نماز، تہجد اور ذکر کا تو بہت ماہر ہے لیکن سیاست اور مالی امور میں پھسڈی ہے۔سیاسی رہنما صاحب کے دل میں تقویٰ نام کی کوئی چیز نہیں۔آج کے صالحین میں بھی بدقسمتی سے خوبیاں کم اور کوتاہیاں زیادہ ہیں۔ایسے لوگوں کی صحبت میں رہ کر اس بات کا قوی امکان ہے کہ زیر تربیت شخص ان کی کوتاہیوں ہی کو اپنائے اور اس طرح سے شریعت کے باب میں الجھنوں کا شکار ہو۔

مربی حضرات سے حسن ظن رکھنا چاہیے۔ ہر شخص گناہ گار ہے۔ ہمارے مربی سے بھی گناہ سر زد ہوسکتے ہیں۔اس لیے حسن ظن ایک بہت اچھی چیز ہے۔ایک شخص کی صحبت میں رہ کر انسان جتنا نیک بن سکتا ہے، بنے۔باقی کمی کسی دوسرے اہل حق کی صحبت میں رہ کر دور کرے۔جن دو چار نیک

لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے ان سے صرف نیکی کی ہی تعلیم وتربیت حاصل کرنی چاہیے۔ ان کی غلطیوں کو نہیں اپنانا چاہیے۔ صحبت کے دوران سیکھنے کا اصول یہ ہے کہ انسان شہد کی مکھی بن جائے۔ مکھی کو پھول کے رنگ اور نوعیت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اسے صرف اور صرف شہد سے دلچسپی ہوتی ہے۔ جہاں سے شہد ملے مکھی پہنچ جاتی ہے۔

نیک لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سے زیادہ علم اور تجربہ رکھنے والے لوگوں سے ضرور سیکھیں اور ساری عمر سیکھتے رہیں۔ کسی سے نماز سیکھی، کسی سے تقویٰ لیا، کسی سے قرآن سیکھا، کسی سے حدیث کا درس لیا، کسی سے سیاست سیکھی۔ اس طرح کئی صالحین کی صحبت میں رہ کر ایک اچھا مسلمان بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جس طرح بلبل کو پھول کے رنگ کی خوشنمائی پسند ہے۔ اسی طرح لوگ شہرت اور ظاہر پر جاتے ہیں۔ مشہور لوگوں کی صحبت اختیار کرنا پسند کرتے ہیں۔ بعض اوقات گم نام لوگ زیادہ متقی ہوتے اور دین کا شعور رکھتے ہیں۔

تعلیم وتربیت

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝

موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا ''کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے بھی اس دانش کی تعلیم جو آپ کو سکھائی گئی ہے؟'' (الکہف ۱۸:۶۶)

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے ملک کے باشندوں کو خبر دار کرتے تاکہ وہ پرہیز کرتے۔ (التوبہ ۹:۱۲۲)

ہدایت کے لیے صرف ایک رہنما کافی نہیں کیونکہ جب ایک فرد فوت ہو جاتا ہے تو تعلیمی نظام تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اسلام کا مطالبہ ہے کہ تعلیم وتربیت کا ایک مکمل اور بھرپور نظام ہونا چاہیے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے تو مکہ میں چند افراد تھے جو لکھ پڑھ سکتے تھے۔ کوئی تعلیمی

ادارہ موجود نہ تھا۔ اس زمانے میں عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں تعلیمی ادارے اور تربیتی خانقاہیں موجود تھیں اور دینی اور دنیاوی تعلیم کا ایک عمدہ نظام موجود تھا۔ اہل عرب نے بھی ان یہودیوں اور عیسائیوں سے پڑھنا لکھنا سیکھا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنے رفقاء، صحابہ وصحابیات کی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا۔ ہر پڑھے لکھے مرد اور عورت کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ دوسروں کو پڑھنا لکھنا سکھائے۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے شفا بنت عبداللہ سے پڑھنا لکھنا سیکھا۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں جو پڑھے لکھے تھے، ان کو حکم دیا کہ وہ مدینے کے جوانوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں اور یہ تعلیم ان کی رہائی کا ذریعہ بن گئی۔

تعلیم کے ساتھ آداب زندگی کی تربیت بہت ضروری ہے۔ علم تو کتابیں پڑھ کر بھی آ سکتا ہے لیکن تربیت مربی کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ بالکل اسی طرح کی مثال ہے کہ اڑیل گھوڑے کو ماہر گھوڑسوار بڑی دانائی سے سدھاتا ہے اور وہ بہت عمدہ دوڑ لگانے والا بن جاتا ہے۔ شیر ایک جنگلی جانور ہے لیکن سرکس کے ماہر اسے ایسے انداز میں سدھاتے اور تربیت کرتے ہیں کہ وہ بجائے چیڑ پھاڑ کرنے کے، سرکس میں کرتب دکھاتا ہے۔ اگر جانور کی تربیت کی جا سکتی ہے جن کی عقل وشعور کم درجہ کی ہوتی ہے تو انسان جو فہم وادراک کی صلاحیتیں رکھتا ہے اور اعلیٰ ترین دماغ کا مالک ہے ، اسے آداب زندگی سکھانا اور تربیت کر کے ایک عمدہ، بااخلاق انسان بنانا تو اور بھی آسان ہے۔

افراد جلدی موت کی وادی میں چلے جاتے ہیں لیکن ادارے بڑی دیر تک قائم رہتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ترقی بھی کرتے جاتے ہیں۔ اس لیے تعلیم وتربیت کے ادارے مضبوط قائم کرنے چاہئیں اور ان کا نظام چلانے کے لیے باصلاحیت اہل خیر کو نامزد کرنا چاہیے۔ اگر تعلیمی وتربیتی ادارہ صلاحیت (Merit) کی بنیاد پر کام کرے گا تو صدیوں تک مفید ثابت ہو سکتا ہے لیکن اگر ان اداروں کو وراثتی اور شخصی اداروں میں تبدیل کر دیا جائے تو نااہل اور بے اصل وارث بزرگوں کی نیکیاں بھی برباد کر دیتے ہیں۔ اینٹ اور پتھر کے مکان اور کمرے تو چل جاتے ہیں لیکن ان کمروں میں تربیت کا اصلاحی نظام ختم ہو جاتا ہے۔ صالحین کی تربیت کمروں سے نہیں ہوتی بلکہ

افراد اور صالحین سے ہوتی ہے۔ مکان، کمروں اور عمارتوں کی اپنی ایک افادیت ہے۔ اصل ادارہ باصلاحیت افراد سے قائم ہوتا ہے۔

شیخ الجامعہ کا انتخاب بڑی مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت ابو حنیفہؒ کی سربراہی میں کوفہ علم کا ایسا مرکز بن گیا کہ صدیوں جاری وساری رہا لیکن بعد میں آنے والوں نے فقہ کو ایک جامد مذہب بنا دیا اور اس کی ساری اہمیت وافادیت گم کر دی۔ تعلیم وتربیت کے یہ ادارے شخصی وراثت سے سو فیصد بالا ہونے چاہئیں۔ یہ جماعتوں اور انجمنوں کے زیر سایہ چلنے چاہئیں اور حق کے طالب لوگ اس کے مہتمم اور منصرم ہونے چاہئیں۔ ان اداروں میں دنیاوی اور دینی علوم کو یک جان کر دینا چاہیے۔ جب طالب علم ان اداروں سے فارغ ہو تو وہ سائنسدان، عالم دین اور قرآن کا مفسر ہو۔ اس کا اخلاق ساری قوم کے سامنے شہادت حق کا ثبوت ہو اور اقامت دین کا ایک بہترین کارکن ہو۔ جب تک دینی اور دنیاوی علوم پر حامل نصاب اہل صدق کو نہیں پڑھایا جاتا، مسلمان دنیا میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے۔

پاکستان میں رائج نظام تعلیم کی وجہ سے یونیورسٹیوں سے زیادہ تر دنیا پرست لوگ اور دینی مدارس سے مادہ پرست مولوی پیدا ہو رہے ہیں جو فرقہ پرستی کے فروغ کا باعث ہیں اور خانقاہوں سے بے کار، محض تارک الدنیا درویش پیدا ہو رہے ہیں جو نہ اپنے لیے مفید ہیں، نہ قوم کے لیے کوئی فائدہ مند کام کر سکتے ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ دکھ ان پڑھے لکھے جاہلوں کو دیکھ کر ہوتا ہے جن کے ہاتھ میں ایم اے اسلامیات کی ڈگری ہے اور قرآن کی ایک آیت پر بھی درس نہیں دے سکتے، ہاتھ میں درس نظامی کی ڈگری ہے اور لفظ اقامت دین کا مفہوم بھی نہیں سمجھتے۔ اسی طرح سر پر خلافت کی پگڑی ہے اور زہد سے کوسوں دور ہیں۔ تحریک اقامت دین کے کارکنوں کو خود بھی اہل علم وتقویٰ کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل کرنی چاہیے اور دوسروں تک علم کی روشنی اور تربیت و اخلاق پہنچانے کے لیے اعلیٰ قسم کے ادارے قائم کرنے چاہئیں۔

تربیتی نظام کی اہمیت کا اندازہ موٹر سائیکل مکینک سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک ماہر استاد

سے سیکھ کر آنے والا نوجوان کاریگر عمدہ انداز میں چند منٹ میں موٹر سائیکل ٹھیک کر دے گا۔ اس کا علم، تجربہ اور ذہانت موٹر سائیکل کی شکل دیکھ کر ہی موٹر سائیکل کی خرابی کی نشاندہی کر دے گا۔ اس کے مدمقابل ایک دوسرا مستری ہے جس کا استاد بھی بس ڈنگ ڈپاؤ مستری تھا۔ کوئی کاریگر استاد نہ تھا۔ ایسا شاگرد موٹر سائیکل کی اصل قیمت سے بھی زیادہ رقم خرچ کروانے کے باوجود موٹر سائیکل ٹھیک نہ کر سکے گا۔ میری جیپ کئی ماہ سے خراب کر رہی تھی۔ کئی مستریوں کو دکھایا۔ لاہور کے کاریگروں کو بھی دکھایا لیکن ٹھیک نہ ہوئی۔ کئی ہزار روپے خرچ کرنے کے باوجود تنگ کرتی رہی۔ ایک دن سڑک کے کنارے ایک چوک کے قریب خراب ہوگئی۔ قریب ہی ایک ماہر مکینک تھا۔ میں نے اسے اپنا مسئلہ بتایا کہ جیپ خراب کر رہی ہے۔ اس نے ۱۵۰ روپے کا ایک پرزہ ساتھ والی سے دکان خرید کر پرانا پرزہ تبدیل کر دیا۔ کئی سال گزر گئے پھر جیپ میں وہ خرابی پیدا نہیں ہوئی۔

یہ مثال بڑی لمبی ہوگئی۔ دراصل میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ صرف استاد، درسگاہ اور خانقاہ ضروری نہیں۔ نظام تعلیم و تربیت کے کئی شعبے ہیں اور ہر شعبے میں ایک باصلاحیت، بااخلاق اور اہل علم و تقویٰ کا ہونا ضروری ہے تاکہ ہر شعبۂ زندگی میں صحیح علم اور صحیح تربیت حاصل تقسیم کی جا سکے۔ موجودہ نظام تربیت کی خرابی یہ ہے کہ غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط سمجھ لیا جاتا ہے۔ دیہات میں تو جوانوں کی حرکتیں دیکھ کر لوگ فوراً پکار اٹھتے ہیں کہ اس کی ماں کی تربیت کا اثر ہے۔ اچھے کردار پر ماں کو دعا ملتی ہے اور گندے کردار پر ماں پر لعنت کی جاتی ہے۔ کیونکہ دیہاتی معاشرے میں ماں ہی مربی کا کردار ادا کرتی ہے۔ تربیت کے لیے پریکٹیکل کو خاص افادیت حاصل ہے۔ ہر علم کا ایک عملی نمونہ ہوتا ہے۔ جنگل کے گل لالہ اور کیاری کے گل لالہ میں شکل اور محیط میں فرق ہوتا ہے۔

تربیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جو شخص جس فن یا شعبے کا ماہر ہو اسے اسی فن یا شعبہ علم کی تعلیم و تربیت پر معمور کیا جائے مثلاً ڈاکٹر کو امام مسجد بنانے کی بجائے مفسر قرآن کو امام مسجد بنایا جائے۔ موجودہ زمانے میں تعلیم نے بہت ترقی کر لی ہے اور علم کے ذرائع بہت وسیع ہو گئے ہیں۔

ریڈیو، ٹی وی، اخبارات کے ذرائع ابلاغ ہیں۔ ذرائع ابلاغ یہودیوں کے قبضہ میں ہونے کی وجہ سے دنیا میں گمراہی اور جھوٹ پھیل رہا ہے۔ اگر یہ ذرائع حق پرستوں کے ہو جائیں تو اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ ایک ذریعے سے اگر گمراہی پھیل سکتی ہے تو حق کو بھی فروغ دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے نئے سائنسی دور میں تمام ممکنہ سائنسی آلات سے مفید کام لے کر دین کے فروغ اور ہدایت کی فراہمی اور تعلیم و تربیت کا کام سائنسی انداز میں بھی کرنا چاہیے۔ یہود و نصاریٰ ہمیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان موجود سائنسی ذرائع سے ہدایت پھیلانا چاہتے ہیں۔ جہاد کا ایک مرحلہ یہ بھی ہے۔ ترقی یافتہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے فروغ اسلام کی کوشش کی جائے اور ان ذرائع کے غلط اور نقصان دہ پہلوؤں سے اجتناب کیا جائے۔ ہدایت کے لیے علم کے ماخذ کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اگر قرآن اور سنت کے علم سے انسان محروم رہ جائے تو ہدایت سے بھی محروم رہ جاتا ہے:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی بات کہے تا کہ علم کے بغیر لوگوں کی غلط راہ نمائی کرے۔ (الانعام ۶:۱۴۴)

اس وقت جو تعلیم اور تربیتی ادارے رائج ہیں، ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک دنیاوی تعلیم کے ادارے جن کا آخری درجہ یونیورسٹی اور آخری ڈگری پی ایچ ڈی اور پوسٹ ڈاکٹریٹ اور دوسری طرف دینی ادارے جن کو وفاق المدارس کی سند ملتی ہے۔ یہ دونوں ادارے گزشتہ دو سو سال سے ایسی تعلیم و تربیت دے رہے ہیں کہ کالج اور یونیورسٹی کا فارغ التحصیل دین سے جاہل ہوتا ہے اور دینی مدارس کا فارغ دنیاوی اعتبار سے جاہل ہوتا ہے۔ اِن پڑھے لکھے جہلا کو مولانا مودودی نے ایک آنکھ والا کہا ہے یعنی ان کے پاس صرف ایک طرح کی معلومات ہوتی ہیں۔ اسلام نے دین اور دنیا کی اس تفریق کو آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے مٹا دیا تھا لیکن مسلمان رہنماؤں کی غلطیوں سے یہ تفریق دوبارہ عود کر آئی ہے۔ اس لیے جب نظامِ تعلیم و تربیت کی بات

کی جاتی ہے تو اس سے مراد ایسے ادارے ہوتے ہیں جن میں دونوں علوم دنیاوی اور دینی کا ایسا بہترین نصاب ترتیب دیا جائے کہ سائنس دان مفسر قرآن بھی ہو، ڈاکٹر متقی، زاہد، صوفی بھی ہو، انجینئر زاہد و عابد ہو، ایک سیاست دان فقر کا پیکر اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی ہو، ایک جج علم و عرفان کا چمکتا سورج ہو۔ جب بھی کوئی مصلح قوم کی اصلاح کرنے اٹھے گا اسے اس نظام تعلیم و تربیت کو ایک نئی نہج پر ترتیب دینا پڑے گا۔ ہر فارغ التحصیل طالب علم بیک وقت عالم، متقی، زاہد اور سائنسدان، فلاسفر اور سیاست دان بھی ہو۔

آج کل تحقیق و تجربہ کی وجہ سے ہر مضمون میں تخصیص کا رواج ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ سب کے لیے ایک ہی نصاب تعلیم ہو۔ ہر سکول، مدرسہ، کالج، یونیورسٹی ایک ہی نصاب پڑھائے۔ اس نصاب میں بچوں کو مکمل اسلام تقویٰ، رزق حلال، صحت، سائنس، قرآن اور حدیث وغیرہ تمام علوم ترتیب سے پڑھائے جائیں۔ یہ کورس عام زندگی کے مسائل سے بچوں کو آگاہ کرے۔ جب طالب علم یونیورسٹی کے آخری مراحل میں پہنچے تو وہ سائنس، ادب، قرآن میں تخصیص کر سکتا ہو۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے نیا نصاب، نئے پروفیسر، ایک نیا فلسفہ اور ایک نئی ہی قسم کی تربیت گاہ کی اشد ضرورت ہے۔

مکمل اسلام

تعلیم و تربیت کرنے والے استاد کے لیے لازم ہے کہ پورے اور مکمل اسلام کی تعلیم دے اور تعلیم حاصل کرنے والے شاگرد پر بھی لازم ہے کہ وہ مکمل اسلام کا شعور حاصل کرے اور عمل کے سلسلہ میں بھی اسلام کو مکمل کرنے کی کوشش کرے۔ جزوی اسلام پر تو اب بھی اس دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔ اصل ہدایت پورے اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ص — اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ (البقرہ۲:۲۰۸)

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ — اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور

یُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (آل عمران ۳:۸۵) طریقہ اختیار کرنا چاہیے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔

بدقسمتی سے پاکستان میں تقویٰ کے نام پر نامکمل دین رائج ہے۔ اگر اسلام میں پائے جانے والے فرائض کی فہرست بنائی جائے تو وہ تقریباً ایک سو بنتی ہے۔ جس شخص کو ہم اپنی بستی کا سب سے بڑا، نیک، متقی زاہد، پیر، مولوی اور حاجی سمجھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ صحابہ کا نمونہ ہے، ایسے نیک آدمی کی زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ صرف دس فیصد اسلام پر عمل کرتا ہے۔ باقی ۹۰ فیصد فرائض کو چھوڑ چکا ہے۔ صدیوں سے نامکمل اسلام کا رواج ہے۔ اس لیے دین اور دنیا کی تفریق واضح ہوگئی ہے۔ صدیوں سے رائج نامکمل اسلام کو مکمل کرنے کے میں بھی کئی سو سال لگیں گے۔ سوال یہ ہے کہ گزشتہ ۱۴۰۰ سال میں بڑے بڑے نیک لوگ، پیر، بادشاہ، عالم گزر چکے ہیں۔ ان سینکڑوں نیک لوگوں میں سے کتنے عمر فاروق و ابوبکر رضی اللہ عنہم ہیں؟ ہمارے یہ بزرگ جزوی اسلام پر عمل کرتے ہیں اور جزوی اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم مکمل اسلام کے نمونے تھے۔ انہوں نے عملاً مکمل اسلام قائم کیا اور لوگوں کو مکمل اسلام کی دعوت اور تربیت دی۔

روشن ضمیری

روشن ضمیری بھی کشف ہی کی ایک حالت ہے۔ حضرت حرم بن حیان رضی اللہ عنہ بصرہ میں ایک نہر کے کنارے حضرت اویس قرنیؒ کو ملے اور سلام کیا۔ آپ نے جواب میں وعلیکم السلام یا حرم کہا۔ حرم نے پوچھا آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میری روح نے تیری روح کو پہچان لیا۔ حضرت عبیداللہ سندھیؒ گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ مولانا مودودیؒ ان سے زندگی میں پہلی بار ملنے سٹیشن پر گئے۔ جب مودودیؒ نے سلام کیا تو عبیداللہ سندھی صاحب نے جواباً وعلیکم السلام یا ابوالاعلی مودودی کہا۔ اس علم کو روشن ضمیری کہتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کی خاص عطا اور فضل وکرم ہے۔ اس علم کی بنیاد یہ ہے کہ انسان تزکیۂ نفس، تقویٰ اور احسان سے اپنے قلب، دماغ، خیال اور روح کو پاکیزہ اور صاف کر لیتا ہے۔ جب دل کا شیشہ صاف ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے

علوم وعرفان کی بارش شروع ہو جاتی ہے جس میں روشن ضمیری بھی شامل ہے۔ حدیث نبویﷺ ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔فراست ماضی اور مستقبل دونوں احوال سے انسان کو آگاہ رکھتی ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ حق کا طالب خود اپنا محاسبہ کرے کہ اتنی ساری اچھی باتیں جو مجھے معلوم ہیں، کیا میں خود ان پر عمل کرتا ہوں؟ جو لوگ میری ان گزارشات پر عمل کرلیں گے، ہدایت پا جائیں گے۔(ان شاءاللہ)

ہمیں اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ہدایت کی توفیق اور اس پر استقامت کی دعا مانگتے رہنا چاہیے تاکہ شیطان اور اس کے حواریوں کی چالوں کو ناکام بنا کر نہ صرف اپنی زندگی میں بلکہ پوری دنیا میں اسلام کو غالب کیا جا سکے اور دنیا جو جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے ایک بستی (گلوبل ویلج) بن چکی ہے، امن وسکون کا گہوارا بن جائے ۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امتِ مسلمہ کو ہدایت دے اور اصلاحِ احوال کی توفیق عطا فرمائے۔ہمیں بھی اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔آمین

اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ اے اللہ میری جاہل قوم کو ہدایت عطا فرما۔اے اللہ میں
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی ۔ آپ سے ہدایت،تقویٰ،عفت اور تونگری کا سوال کرتا ہوں۔

صَلَی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍوَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمْ

تعارف

دارالاصلاح بھائی پھیرو ضلع قصور تعلیم و تربیت کا ایک ادارہ ہے۔ ہر انگریزی مہینے کے دوسرے اتوار کو اس کا ماہوار اجتماع صبح ۰۰۔۹ بجے ملک کالونی بھائی پھیرو میں ہوتا ہے۔ اس پروگرام میں طالب علموں کو قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ پیر اور منگل کو نماز مغرب کے بعد قرآن فہمی کی کلاس ہوتی ہے۔ اس کا سالانہ اجتماع ہر سال ۱۰ محرم کو بھائی پھیرو میں ہی منعقد ہوتا ہے جس میں مہمان اہل علم اور دارالاصلاح کے طالب علم اپنے علمی خیالات پیش کرتے ہیں۔ کارکنوں کو درس قرآن اور مذاکرات کے ذریعے دعوت دین کا کام سکھایا جاتا ہے۔ ذکر، تزکیہ نفس، جہاد اور اقامت دین کے مختلف پہلوؤں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ دعوت و تبلیغ اور ذاتی روابط کے ذریعے لوگوں کے افکار، کردار اور احوال کی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے۔

الحمد للہ ادارے کے مکتبہ نے چند اصلاحی کتب ''ہدایت''، ''مقصد زندگی''، ''حقیقت ذکر''، ''جادو سے کیسے بچیں؟''، ''دعوت الی اللہ، سورہ نوح کی روشنی میں''، ''اقامت دین، سورہ بنی اسرائیل کی روشنی میں''، ''انقلابی کارکن کے اوصاف، سورہ یوسف کی روشنی میں''، ''اصلاح معاشرہ، سورۃ النحل کی روشنی میں'' اور معمولات شائع کی ہیں۔ ''جادو سے کیسے بچیں؟'' کا دوسرا ایڈیشن اور ''معمولات'' کا تیسرا ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔ ''ہدایت'' کا دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مزید کتب بھی ان شاء اللہ جلد ہی شائع کی جائیں گی۔

اصلاح کا یہ سارا منصوبہ رضائے الٰہی کی نیت سے کیا جا رہا ہے۔ کوئی رضائے الٰہی کا طالب اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ہمارے ہاں تشریف لائے اور اپنے دل میں پائے جانے والے شکوک و شبہات کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کرے، ان شاء اللہ اس کے حالات بدل جائیں گے۔ اپنی اصلاح کرنے والوں کی خدمت اور رہنمائی کے لیے ہمارا ادارہ تیار ہے۔ اللہ کے فضل سے یہ دیا علاقے میں روشنی پھیلا رہا ہے اور علم کی روشنی تلاش کرنے والوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔